فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰہِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ

حِطّین

عالمی جہاد کا داعی

شمارہ دوم، ۱۴۴۰ھ



عليكم بسنَّتي وسنَّة الْخُلفاء الرَّاشدين

رفعتوں کے نشانِ راہ



و من كان يؤمن باللّٰه واليوم الآخر فليحفظ جاره

چین دوست نہیں!



فاعتبروا يا أولي الأبصار

سی پیک: ’ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ‘



اعرف عدوک

بدمعاش امریکہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حِطّین

شمارہ دوم، ۱۴۴۰ھ

’قدس‘ سمیت ’اسلامی مقدسات‘ اور ’مسلم سرزمینوں‘ کی بازیابی،
’برصغیر‘ سمیت پوری ’مسلم دنیا‘ پر سے ’نظامِ کفر‘ کے سقوط،
امتِ مسلمہ کی ’وحدت‘ کی ضامن اور مسلمانوں کی محافظ ’خلافتِ اسلامیہ‘ کے قیام
اور ’عالمی تحریکِ جہاد‘ کا داعی

حِطّین

حطین وہ میدان ہے جہاں تاریخ کا ایک عظیم معرکہ لڑا گیا، اور سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں مسلمانوں نے صلیبی حملہ آوروں کو فیصلہ کن شکست دی۔ یہی جنگ اہل کتاب سے مسجدِ اقصیٰ کی بازیابی کا مقدمہ بنی۔

آج پھر اہل اسلام پر ایک صلیبی جنگ مسلط ہے۔ کل صرف قبلہ اوّل مسجد اقصیٰ مسلوب تھی تو آج کعبۃ اللہ کی سرزمین بھی یہود و نصاریٰ کے نرغے میں ہے۔ یاد رکھیے کہ موجودہ دور کی صلیبی جنگ کا مقابلہ ماضی کی صلیبی جنگوں سے زیادہ قوت و قربانیوں سے ہی ممکن ہو گا۔ کیونکہ کل کی صلیبی جنگ کا شکار محض مسلمان تھے، جبکہ آج اسلام بجائے خود ہدف ہے۔

'حطین' امتِ مسلمہ کی ایک امانت ہے، جسے ہم اپنی استطاعت کے مطابق اپنی امت تک منتقل کر رہے ہیں۔ ہم اس امانت سے عہدہ برآ نہ ہوں گے جب تک ہم برصغیر کے مسلمانوں کو بیت المقدس کی فتح کے لشکر تلک نہ پہنچا دیں۔

لیکن... اس لشکر میں شامل ہونے سے پہلے بھی کئی مراحل ہیں جنھیں پار کرنا ہے اور ان میں سرِ فہرست پاکستان سمیت پورے برصغیر کو اسلام کی آغوش میں لانا ہے، یہاں مسلط کفری نظام اور اس کے چلانے والے دین دشمنوں کو شکست دے کر یہاں اسلامی سلطنت کو قائم کرنا ہے۔ ضروری ہے کہ ہمارے قارئین اور مسلمانانِ برصغیر اس بار کو آگے منتقل کرنے میں ہمارے دست و بازو بنیں!

حطّین
عالمی جہاد کا داعی
شمارہ دوم، ۱۴۴۰ھ

فهرست مضامین

اداریہ

تحریکِ جہاد کو درپیش تحدّیات ولاحق خطرات

مولانا محمود حسن

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه ومن والاه، وبعد

اکیسویں صدی کی دوسری دہائی اپنے اختتام کی طرف بڑھ رہی ہے اور جہاں عالمی سطح پر بہت سی تبدیلیاں دیکھنے میں آرہی ہیں، وہاں تحریکِ جہاد کو بھی نئی صورتحال اور نئی تحدیات (Challenges) کا سامنا ہے۔ عالمی طاقتوں کی صورتحال کا تجزیہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے، فی الوقت ہمارا موضوع مجاہدین کی صورتحال ہے اور ان کو درپیش خطرات ہیں۔

دشمن کی چالوں کو سمجھنا اور مجاہدین کی صورتحال کا جائزہ لینا ضروری ہے

اس وقت اللہ کے فضل سے دنیا کے کئی ممالک میں ریاستی نظام سے آزاد جہادی قوت موجود ہے جو اپنے اپنے ملکوں میں برسرِ جنگ ہے۔ یہ تو جنگ کی طبیعت میں شامل ہے کہ کبھی ایک کا پلڑا بھاری ہوجاتا ہے تو کبھی دوسرے کا، کبھی ایک فریق غالب آتا ہے تو کبھی دوسرا کامیاب۔ یہ معاملہ تو جنگ کے دوران کا ہے، بالآخر جنگ کے اختتام پر ایک فریق دوسرے کو شکست سے دوچار کرکے اس کی قوت ختم کردیتا ہے۔ اس لیے معرکوں میں پس قدمی وکمزوری کا جائزہ لینا، کارفرما اسباب ڈھونڈنا اور ان اسباب کا سدِباب کرنا جنگ میں حتمی فتح ونصرت کے لیے ضروری ولابدی ہیں۔

ہماری دشمن عالمی طاقتیں اور ان کے کارندے... اگرچہ دنیوی مفادات کے اعتبار سے الگ الگ ہیں... تاہم امتِ مسلمہ اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں ایک ہیں جسے وہ 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' کا نام دیتے ہیں۔ اس جنگ میں ان کی چالوں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ یہ طاقتیں خود بھی تجربات کرتی ہیں اور جب ایک تجربہ کسی جگہ کامیاب ہوجاتا ہے تو اسی کو دوسری جگہ بھی کام میں لاتی ہیں۔ اس بنیاد پر کسی خطے میں ان طاقتوں کی چالوں کو سمجھنا خود اس خطے میں تحریکِ جہاد کی کامیابی کے لیے ناگزیر ہے، تو اس میں دوسرے خطوں کی جہادی تحریکوں کے لیے بھی عبرت کا سامان موجود ہے۔

جہادِ شام کا تجزیہ

اس وقت دنیا میں موجود جہاد کے محاذوں میں سے ایک بڑا محاذ ملکِ شام کا ہے۔ وہاں بشار الاسد کی حکومت کے خلاف ۲۰۱۱ء میں جہاد شروع ہوا۔ شامی مسلمان بشار الاسد کے ظالمانہ کافرانہ نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ مجاہدین کی ایک بڑی تعداد دوسرے خطوں سے بھی وہاں پہنچ گئی جن میں عراق وافغانستان سرِفہرست تھے۔ یوں عوامی تائید کے ساتھ جہادی تحریک مضبوط ہوگئی اور ۲۰۱۴ء تک دارالحکومت دمشق کے نواحی علاقے بھی مجاہدین کے زیرِ قبضہ آ گئے۔

تاہم اس کے بعد سے تنزلی شروع ہوئی اور آج صورتحال یہ ہوگئی ہے کہ مجاہدین کے پاس پورے شام میں سے بنیادی طور پر صرف شمال مغرب میں 'ادلب' کا علاقہ رہ گیا ہے۔ تکوینی اسباب کے ساتھ ساتھ بہت سے زمینی حقائق ہیں جنھیں جہادِ شام کے تناظر میں سمجھنا ضروری ہے، تاکہ ان کے سدِ باب اور اصلاح کی کوشش کی جاسکے اور جو نقصان ان اسباب کی وجہ سے ہوا ہے، اسے پہلے سے روکنے کی کوشش کی جاسکے۔

جہادِ شام میں کمزوری کے اسباب

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہادِ شام میں کمزوری کے بنیادی چار اسباب ہیں جنھیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱۔ عدمِ اتحاد [مجاہدین کے درمیان وحدت کا نہ ہونا]

پہلی بنیادی وجہ جس کے سبب جہادِ شام میں کمزوری واقع ہوئی، وہ مجاہدین کا ایک نہ ہونا تھا۔ جہادِ شام جب شروع ہوا تو کئی جماعتیں اور مجموعات پیدا ہوگئے اور انھوں نے اپنے تئیں جہاد شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ یہ تمام اپنی اپنی جگہ قوت کا مرکز بننے لگے۔ اور بجائے وحدت کی طرف جانے کے، اپنی اپنی شناختوں کو باقی رکھنے میں مصروف رہے۔ نتیجتاً اختلاف کا دروازہ کھل گیا، مبادی میں بھی اختلاف پیدا ہوا، حکمتِ عملی میں بھی اختلاف ہوا، اور پھر عملی میدان میں بھی تنازعہ ہوا۔ اختلاف اور تنازعہ کے سبب مجاہدین میں مضبوطی نہ رہی اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی فضا کمزور ہونے سے دشمن نے فائدہ اٹھایا۔

لیکن معاملہ یہاں پر رکا نہیں، بلکہ یہ جماعتیں اور گروہ آپس میں سیاسی بالادستی قائم کرنے کے لیے لڑنے لگے۔ جس علاقے میں جو جماعت مضبوط تھی، اس نے اس علاقے سے دوسری جماعتوں کے افراد کے خلاف قتال کرکے انھیں بے دخل کر دیا اور اپنا اقتدار قائم کرلیا۔ جیش الاسلام نے غوطہ میں ایسا کیا، جبھۃ فتح الشام [بعد میں ھیئۃ تحریر الشام] اور

احرار الشام نے ادلب اور مغربی حلب میں ایک دوسرے کے خلاف قتال کیا۔ اس باہمی قتال نے طاغوتی طاقتوں کے سامنے مجاہدین کا عدمِ اتحاد واضح کر دیا اور انھوں نے ان جنگوں کو بھڑکانے میں مزید ایندھن فراہم کیا۔

۲۔ عالمی جہاد سے مقامی جہاد میں منتقلی

جب شام کا جہاد شروع ہوا تو دنیا بھر سے مسلمان اس میں شرکت کے لیے پہنچے، امتِ مسلمہ نے اسے اپنا زخم سمجھا۔ یہ محاذ تمام مسلمانوں کا محاذ تھا، کیونکہ مسلمان ایک امت کی طرح ہیں، ایک جان ہیں، کسی ایک خطے میں کوئی مسلمان مصیبت میں ہو تو دوسرے خطوں کے مسلمان اس کے غم میں شریک ہوتے ہیں۔ ایک خطے میں کوئی مظلوم ہو تو پوری امت اس مظلوم کی مدد کرنا اپنے اوپر فرض سمجھتی ہے۔ یوں شام کے جہاد میں بھی پوری امت کے نوجوانوں، مردوں اور عورتوں نے اپنے ہر قسم کے وسائل کھپائے۔ اور اسے پوری امت کے غلبے، اقصیٰ کی بازیابی کا دروازہ سمجھا۔ یہ بات یقینی طور پر عالمی طاقتوں کے لیے قابلِ قبول نہ تھی۔ انھوں نے پوری کوشش کی کہ شام میں مجاہدین اسے امت کے قضیے سے ہٹا کر مقامی جھگڑا اور صرف شام کی آزادی کا قضیہ بنائیں۔ عالمی طاقتوں کی اس حرکت کے ذریعے کوشش تھی کہ ایک طرف وہ شامی جہاد میں امت کی نصرت کا دروازہ بند کر دیں، شامی جہاد کو وطنیت و قومیت کے اندر بند کر دیں اور دوسری طرف شام کے جہاد کو پوری امت کے لیے بار آور ہونے سے روک لیں۔

عالمی طاقتوں نے اپنے کارندوں کے ذریعے یہ بات اس قدر زور و شور سے بیان کی کہ شامی مجاہدین کی بیشتر جماعتیں نہ صرف اس سے متاثر ہوئیں، بلکہ انھوں نے اسے اپنے نظریے کے طور پر بیان کرنا شروع کر دیا۔ اسی کے زیرِ اثر جماعت القاعدہ سے تعلق رکھنے والی جماعت جبہۃ النصرۃ نے بھی القاعدہ سے الحاق ختم کر دیا اور القاعدہ کے ساتھ اپنی ہر نسبت کو ختم کرنے کی کوشش کی کہ القاعدہ پوری امت کی بازیابی اور پوری امت کے دفاع کی بات کرتی ہے۔

۳۔ طاغوتی حکومتوں کا تعاون

تیسرا سبب کمزوری کا یہ ہے کہ شام میں جہادی جماعتوں نے مسلم ملکوں پر مسلط مختلف طاغوتی حکومتوں کے ساتھ تعاون کو اس قدر بڑھایا کہ ان کے فیصلوں پر بھی ان حکومتوں کا دباؤ پڑنے لگا۔ ترکی، سعودی عرب اور قطر ان ملکوں میں سے ہیں جنھوں نے شامی جہاد میں موجود مختلف جماعتوں کے ساتھ کھلا تعاون کیا، اموال فراہم کیے، اسلحہ فراہم کیا، یہاں تک کہ ان جماعتوں میں اپنے افراد بھی شامل کیے۔

اور اس کے نتیجے میں ان طاغوتی حکومتوں نے نہ صرف اپنے مفادات پورے کیے، بلکہ سب سے بڑا نقصان یہ پہنچایا کہ مجاہدین کو عالمی طاقتوں کے ساتھ مذاکرات اور مفاہمت کرنے پر مجبور کیا، انھیں عالمی طاقتوں کی بچھائی میزوں پر لا بٹھایا، انھیں عالمی قوانین کے اندر جکڑوایا اور جہاد کو بھی عالمی قوانین کے تحت ہونے والی جنگ میں بدلوا دیا۔ 'آستانہ' (قازقستان) میں ہونے والے مذاکرات کے سلسلے اور ان کے نتائج اس کی کھلی دلیل ہیں۔

ہم یہاں شرعی نکتہ نظر سے بحث نہیں کر رہے کہ استعانت بالکفار جائز ہے یا نہیں؟ یہ بات مجاہدین میں معروف ہے۔ اس پر علمائے جہاد کی کتابیں موجود ہیں۔ یہ مسئلہ روس کے افغانستان پر حملے کے وقت سے زیرِ بحث ہے۔ شیخ عبد اللہ عزام شہید نے اس پر کلام کیا ہے۔ اس میں جواز کی صورت پر سب کا اتفاق ہے، لیکن یہ بھی تو دیکھا جائے کہ جواز کی صورت جس شرط کے ساتھ مشروط ہے... یعنی کلمہ اسلام کے غالب ہونے کا گمان ہونا... یہ آج کے استعانت بالکفار کے معاملے میں کہاں ممکن ہوتا نظر آرہا ہے۔ جس جگہ مجاہدین میں وحدت نہ ہو، آپس میں اتفاق نہ ہو، وہ امت کو اپنا پشتیبان بنانے میں ناکام ہوں، اس کے ساتھ وہ اگر طاغوتی حکومتوں کے تعاون کی بنیاد پر اپنا جہاد کھڑا کریں گے... وہ حکومتیں جو عالمی طاقتوں کی آلہ کار ہیں... ایسے میں جہاد کی کامیابی کے متعلق خوش فہمی رکھنا یقیناً حماقت سے تعبیر ہو گا۔

۴۔ مبادی سے تنازل

جہاد میں کمزوری کا چوتھا سبب دراصل مذکورہ بالا سبب کا نتیجہ ہے اور وہ یہ کہ مجاہدین میں سے بیشتر گروہوں نے عالمی طاقتوں اور طاغوتی حکومتوں کے متعین کردہ دھارے (main stream) میں شریک ہونا قبول کر لیا، عالمی جنگ کے قوانین کو تسلیم کیا، جہاد کی قومی جنگ میں تبدیلی قبول کر لی، نظامِ حکومت میں شریعت کے نفاذ سے تنازل اختیار کر لیا۔ یوں مجاہدین کے کئی گروہوں نے اپنے مبادی اور اصولوں سے تنازل اختیار کیا۔ حالانکہ ان مجاہدین نے جب بشار الاسد کی حکومت کے خلاف جہاد شروع کیا تھا، تو اسے طاغوت قرار دے کر اس کے خلاف شرعی جہاد شروع کیا تھا اور اسے گرا کر اسلامی امارت قائم کرنے اور شریعت نافذ کرنے کو اپنی منزل قرار دیا تھا۔ دلیل میں ایک مثال دیکھیے کہ 'زھران علوش' رحمۃ اللہ علیہ جو جیش الاسلام کے سربراہ تھے اور ایک زمانے میں جہادِ شام کے سب سے بڑے اتحاد 'الجبھۃ الإسلامیۃ' (اسلامی محاذ) کے عسکری مسؤول بھی تھے، انھوں نے ابتداء میں ان مبادی کا اعلان کیا تھا کہ وہ شام کو نصیری شیعوں سے پاک کریں گے اور جمہوریت کے بجائے یہاں اسلامی امارت قائم کریں گے، لیکن ۲۰۱۵ء میں نشریاتی ادارے 'میک کلاچی' (McClatchy) کے صحافیوں کو انٹرویو دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ 'یہ معاملہ شامی عوام کے طے کرنے کا ہے

کہ وہ کس قسم کی حکومت چاہتے ہیں‘ (شرعی یا جمہوری) اور یہ کہ ’نصیری بھی شامی عوام کا حصہ ہیں‘۔ اس پر ان کے ترجمان نے وضاحت دی کہ پہلے کے متشدد افکار بیان کرنے کی وجہ اپنے جوانوں کو مطمئن کرنا اور ان کی حمایت لینا تھا۔ یہ ایک مثال تھی، وگرنہ شام کی بیشتر جماعتیں اب جمہوریت کے بارے میں نرم رویہ دکھارہی ہیں اور عالمی طاقتوں کے اس فیصلے کو تسلیم کر رہی ہیں کہ جنگ بندی کرکے اقوامِ متحدہ اور عالمی طاقتوں کی سرپرستی میں نئی حکومت کے قیام میں شرکت کی جائے۔

ان چاروں اسباب کے نتیجے میں جہادِ شام کی وہ صورت بن گئی جو آج نظر آرہی ہے۔

عالمی طاقتوں کا منصوبہ

جہادِ شام کی اس صورتحال کا جائزہ لینے سے عالمی طاقتوں کا منصوبہ کھل کر سامنے آجاتا ہے، اور وہ یہ منصوبہ دنیا میں موجود ہر جہادی تحریک کے حوالے سے کام میں لارہی ہیں۔ اس منصوبے کے تین نکات ہیں:

۱۔ معاملے کو نیشنلائز کرنا (قومیانہ)

جس ملک میں بھی جہادی تحریک کھڑی ہو تو اسے پوری امت کا مسئلہ بننے سے روکنا اور امت کو اس تحریک کی مدد سے روکنا۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو اس میں شامل ہونے سے روکنا، جو مہاجرین شامل ہو جائیں انھیں تنہا کرنا، القاعدہ کے نام پر ہوّا بنانا اور مسلمانوں کی اجتماعی قوت بننے کے راستے کو بند کرنا۔

۲۔ طاغوتی حکومتوں کو جہاد میں دخیل کرنا

کسی خطے میں بھی آزاد جہاد کھڑا ہو تو دوسرے مسلم ممالک کی طاغوتی حکومتوں کو... جو عالمی طاقتوں کے مہرے ہوں... اس جہاد میں دخیل کرنا اور ان کے ذریعے جہادی تحریک کو کنٹرول میں لانے کی کوشش کرنا۔

۳۔ جہاد کو شرعی اہداف ومقاصد سے ہٹانا

کسی بھی خطے میں آزاد جہادی تحریک کھڑی ہو جائے تو اسے اپنے آلہ کاروں کی مدد سے کہیں تعاون کے دباؤ تلے اور کہیں تعاون بند ہونے کے دباؤ تلے شرعی ہدف و مقصد... دین وشریعت کی حاکمیت... سے ہٹادینا اور انھیں عالمی نظام کے دھارے میں داخل کرنا۔ جہاد کو عالمی قوانین کی پابند جنگ بنانا، اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کا پابند بنانا، جمہوری اقدار پر مبنی حکومت قائم کرنے پر مجبور کرنا۔

اپنے مبادی پر استقامت سے ڈٹ جائیے

یہ وہ منصوبہ ہے جس پر عالمی طاقتیں کام کر رہی ہیں۔ جہادِ شام کو اسی منصوبے سے انھوں نے کنٹرول کیا ہے۔ اب دوسرے خطوں میں بھی وہ اسی کا تجربہ کرنے چلی ہیں۔ جہادِ پاکستان میں یہی حربہ استعمال کیا جارہا ہے اور جہادِ پاکستان کی کمزوری کے بھی یہی اسباب ہیں جو جہادِ شام کے ذیل میں بیان ہوئے ہیں۔ اس وقت امارتِ اسلامیہ افغانستان پر بھی سب سے زیادہ دباؤ اسی معاملے میں لگایا جارہا ہے کہ وہ مہاجرین کی پشت پناہی چھوڑ دے اور ریاستی دھارے میں شامل ہو جائے تو انھیں حکومت دی جاسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین شیخ ہبۃ اللہ اخندزادہ حفظہ اللہ کو اپنی امان میں رکھیں کہ ان کی قیادت میں پوری امارتِ اسلامیہ استقامت سے کھڑی ہے اور کفار ہی کو ہر نئے دن کے ساتھ گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر رہی ہے۔ پوری دنیا کے مجاہدین کے لیے امارتِ اسلامیہ میں اسوہ ہے کہ کس طرح وہ عالمی طاقتوں کے ساتھ سیاسی میدان میں معرکہ جیت رہی ہے، اور اس کی بنیادی وجہ ان کا مبادی پر غیر متزلزل یقین اور بے لچک استقامت ہے۔ وہ اپنے مبادی سے پیچھے نہیں ہٹے، شریعت کے نفاذ کا نعرہ آج بھی ان کا نعرہ ہے، دنیا بھر کے مسلمانوں کی پشت پناہی آج بھی ان کا شعار ہے، ان کی جنگ شریعت کے متعین کردہ آدابِ جہاد و قتال کے ماتحت ہے۔ اسی کا ثمرہ ہے کہ عالمی طاقتوں اور طاغوتی حکومتوں کے ساتھ بات چیت میں ان کا ہاتھ ہی اونچا ہوتا ہے اور یہ دشمنانِ دین وامت خائب وخاسر ہوتے ہیں۔ تاہم اگر دین کے مبادی پر استقامت میں کوتاہی ہوگئی تو معاذ اللہ یہ ثمرات بھی چھن سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ امارتِ اسلامیہ کو پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے ٹھنڈی چھاؤں بنائے، پوری دنیا کے مجاہدین کے لیے اسوہ اور سہارا بنائے اور امیر المؤمنین کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، وصلى الله على نبينا محمد!

عليكم بسنّتي وسنّة الخلفاء الرّاشدين

رفعتوں کے نشانِ راہ

مولانا محمود حسن

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه ومن والاه، وبعد

سابقہ شمارے میں ہم نے یہ امید دلائی تھی کہ مسلمانوں کے سامنے بحیثیتِ امت دوبارہ عروج اور رفعتوں کی منزل قریب آرہی ہے۔ وہ امت... جو خلافتِ عثمانیہ کا سایہ سروں سے اٹھ جانے کے بعد... زوال پذیر ہوگئی تھی اور ایک صدی سے کسمپرسی کا شکار تھی، آج بفضل اللہ اس میں اپنے مدِ مقابل غالب 'عالمِ کفر' سے 'مقاومت' اور 'مزاحمت' کی چنگاری پھوٹ پڑی ہے۔ اور یہ چنگاری رفتہ رفتہ شعلہ جوّالا بن رہی ہے۔

یہ 'امید' اپنی جگہ ہے، تاہم اس امید کو 'رفعتوں' تک پہنچنے کے لیے بہت سے 'زینے' چڑھنے ہیں اور 'منزل' تک پہنچنے کے لیے کتنے ہی 'نشانِ راہ' پار کرنے ہیں۔ اس راستے پر صبر وثبات سے ڈٹنے اور اپنے مبادی وافکار پر استقامت سے قائم رہنے کے بعد ہی وہ سحر طلوع ہو گی جس میں مسلمان دنیا کی 'سپر پاور' ہوں گے اور عالمی نظامِ اقتدار 'دینِ اسلام' ہو گا۔

چنانچہ ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر مسلمان... بالخصوص وہ جو ابھی سے دینِ اسلام کے غلبے کے لیے کوشاں ہے... اپنے فکر و عمل کے ایسے خطوط متعین کرے جو منزل تک پہنچنے کے لیے زادِ راہ ثابت ہوں۔ اس مضمون میں ہم فکر و عمل کے انھی خطوط کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

احیائے دین کی دعوت اور موجودہ تحریکِ جہاد

'احیائے دین' کی تحریک دورِ زوال میں مختلف مراحل سے گزری ہے، اس تحریک نے اپنے حالات کے زیرِ اثر فکر وعمل میں ارتقا کے بعد کئی شکلیں اختیار کی ہیں اور آج عالمِ کفر کے مدِ مقابل اس نے جو شکل اختیار کی ہے، وہ اس کی مستحکم ترین شکل ہے۔ اس کے استحکام کی علامت یہ ہے کہ اس نے انھی بنیادوں کو زندہ کیا ہے جس پر قرنِ اول میں دین کا احیاء ہوا تھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

وَلَا يُصْلِحُ آخِرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا مَا أَصْلَحَ أَوَّلَهَا.[1]

”جس چیز سے امت کے پہلوں کی اصلاح ہوئی، محض اسی سے اس امت کے بعد والوں کی اصلاح ہو گی“۔

قرنِ اول میں احیاء واصلاح کی بنیادیں کیا تھیں؛ وہی جنھیں رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے وضع کیا اور اسی پر دین کی عمارت تعمیر کی۔ سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

سَنَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوُلَاةُ الْأَمْرِ بَعْدَهُ سُنَنًا.. الْأَخْذُ بِهَا تَصْدِيقٌ بِكِتَابِ اللَّهِ واستعمال لطاعة اللَّهِ.. وَقُوَّةٌ عَلَى دِينِ اللَّهِ، لَيْسَ لِأَحَدٍ تَغْيِيرُهَا، وَلَا تَبْدِيلُهَا، وَلَا النَّظَرُ فِي رَأْيِ مَنْ خَالَفَهَا.. مَنِ اقْتَدَى بِهَا فَهُوَ مُهْتَدٍ.. وَمَنِ انْتَصَرَ بِهَا مَنْصُورٌ.. وَمَنْ خَالَفَهَا وَاتَّبَعَ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ وَلَّاهُ اللَّهُ مَا تَوَلَّى.. وَأَصْلَاهُ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا.[2]

”رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے راہِ دین کی بنیادیں وضع کیں۔ اللہ کی اطاعت، اس کی کتاب کی تصدیق اور اس کے دین پر پوری قوت سے عمل پیرا ہونے کے لیے ان بنیادوں کو اپنانا ضروری ہے۔ کسی کو روا نہیں کہ ان میں کسی قسم کی تبدیلی لائے یا ان کی مخالفت کرنے والوں کی ہمنوائی کرے۔ جو کوئی ان کے راستے کی پیروی کرے گا، وہی ہدایت پائے گا، اور جو کوئی اس راستے سے مدد حاصل کرے گا، وہی فتحیاب ہو گا۔ جبکہ جو شخص اس کی مخالفت کرے گا، اور مومنوں کے راستے سے ہٹ کر راستہ اختیار کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اسے اسی گمراہی کے حوالے کر دے گا، اور اسے جہنم کی طرف دھکیل دے گا اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے“۔

یہ کسوٹی ہے، یہ معیار ہے۔ اسی پر پرکھنے کی بنا پر ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ دورِ زوال میں مختلف مراحل سے گزر کر، انہیں اپنا کر، ان سے سیکھ کر، آج عالمِ کفر کے بالمقابل... مجاہدینِ اسلام کے ہاتھوں... احیائے دین کی تحریک نے فکر و عمل کی جو بنیادیں زندہ کی ہیں، وہی منزل کی طرف لے جانے والے نشانِ راہ ہیں۔ انہیں عبور کرنے میں مسلم امت کی کامیابی ہے اور دنیا میں عروج کی ضمانت ہے۔

---

1 الشفا بتعريف حقوق المصطفى؛ ص ۳۰۰، دار ابن حزم، بيروت لبنان

2 ايضا؛ ص ۲۴۴

عصرِ حاضر میں احیائے دین کی بنیادیں

یہ بنیادیں درج ذیل ہیں:

ا۔ زمین میں اسلام کے اقتدار کا قیام

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک کامل و اکمل دین عطا فرمایا ہے جو انسانی زندگی کے ہر گوشے پر حاوی ہے۔

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾[المائدۃ:۳]

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے لیے دین کے طور پر پسند کیا“۔

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ﴾[النحل:۸۹]

”اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی جو ہر چیز (یعنی ہر قسم کے احکام) کے بیان کرنے والی ہے، ہدایت ہے، رحمت ہے اور مسلمانوں کے لیے خوشخبری ہے“۔

اور مسلمانوں کو اس دین پر مکمل عمل پیرا ہونے کا پابند بنایا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ﴾ [البقرۃ:۲۰۸]

”اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کی پیروی مت کرو، بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے“۔

ایک مسلمان اس وقت تک اس دین پر پوری طرح عمل پیرا نہیں ہو سکتا، جب تک کہ یہ دین دنیا پر حاکم نہ ہو جائے، حکومت و اقتدار اس دین کے ہاتھ میں نہ آ جائے۔ اسی 'نفاذِ دین' کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فرض کیا کہ وہ زمین میں غلبہ و اقتدار کے حصول کے لیے جدوجہد کریں تاکہ اللہ کے احکامات زمین میں بسنے والے انسانوں پر نافذ ہو جائیں اور اللہ کا عطا کردہ دین، دنیا میں قائم و ظاہر ہو جائے۔ اس دین اور الٰہی احکامات کا کامل نفاذ بغیر حکومتی اقتدار کے ممکن نہیں۔

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾

”اور ان کافروں کے خلاف قتال کرو، یہاں تک کہ فتنہ (کفر کا غلبہ واقتدار) باقی نہ رہے اور دین سارے کا سارا اللہ ہی کے لیے

[الأنفال:۳۹]

ہو جائے (نافذ و غالب ہو جائے)، پس اگر یہ کافر باز آجائیں تو بلاشبہ جو کچھ یہ کرتے ہیں، اللہ اسے دیکھتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے تو اہلِ کتاب کو بھی اس کا پابند بنایا تھا کہ پورے دین کو نافذ کریں۔

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ [المائدة:۶۸]

"اے اہل کتاب! تم دین پر ذرہ بھر عمل کرنے والے نہ ہو گے جب تک کہ تورات وانجیل اور جو کچھ احکام تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتارے گئے، انھیں قائم و نافذ کرنے والے نہ بن جاؤ"۔

مسلمانوں کو تو آخری امت بنا کر اللہ تعالیٰ نے قیامت تلک دنیا میں اسلام کے نفاذ کی ذمہ داری انھی کے کندھوں پر عائد کر دی۔

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ [النور:۵۵]

"اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایمان و عمل صالح والوں سے وعدہ کر رکھا ہے کہ انھیں ضرور زمین میں خلافت (حکومت) عطا فرمائیں گے جیسا کہ ان سے پہلے والوں کو عطا فرمائی، اور ان کے لیے ان کے دین کو ضرور تمکین عطا فرمائیں گے جسے اللہ نے ان کے لیے پسند کر لیا ہے، اور خوف کے بعد ان (کے حالات) کو امن (سے بدل) دیں گے۔ وہ لوگ صرف میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے، پس ایسے ہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں"۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اس فریضے کو بخوبی ادا کیا، اور تمام زندگی انسانوں کو دین کی طرف دعوت دینے اور اس دین کو زمین پر نافذ کرنے میں گزار دی۔

اقبال مرحوم نے اس کے لیے 'احتسابِ کائنات' کا لفظ استعمال کیا، اور 'ابلیس کی مجلسِ شوریٰ' میں ابلیس کے خدشے کو اس کی زبانی یوں بیان کیا:

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

قرنِ اول سے لے کر سابقہ ادوار تک... مسلمانوں نے جہاں بھی حکومت واقتدار قائم کیا، وہاں اسلامی احکامات جاری کیے۔ اس سے انکار نہیں کہ تاریخِ اسلامی میں بعض حکمران ایسے بھی آئے جن کی جنگ وجدال کا مقصد محض ہوسِ ملک گیری تھا، لیکن یہ کہنا کہ مسلمانوں نے بحیثیتِ امت جہاں دنیا پر حکومتیں قائم کیں، سپر پاورز قائم کیں، وہ صرف ملک گیری کے دنیاوی داعیے کے زیرِ اثر کیں... تاریخ کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو دنیا کو مسلمانوں کی حکومت سے امن وصلاح کی بجائے ظلم وفساد کا سامنا کرنا پڑتا، جیسا کہ مغربی اقوام کی بالادستی کے بعد آج دنیا کو کرنا پڑ رہا ہے۔

ان آخری صدیوں میں جب مغربی اقوام مسلمانوں پر غالب آگئیں تو مسلمانوں سے حکومت چھن گئی اور اسلامی احکام کی بالادستی ختم ہوگئی۔ انہوں نے اجتماعیت سے متعلق اسلامی احکام کی جگہ مرتب ومدون کفری قوانین رائج کر دیے۔ یوں مسلم علاقوں پر مغربی اقوام نے مستحکم سیاسی غلبہ پالیا۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لينقضن الإسلام عروة عروة، فكلما انتقضت عروة يتشبث الناس بالتي تليها، وأولهن نقضا الحكم وآخرهن الصلاة.[3]

”اسلام کی کڑیاں ایک ایک کر کے ٹوٹتی جائیں گی۔ جب بھی ایک کڑی ٹوٹے گی تو لوگ اس کے بعد والی تھام لیں گے۔ سب سے پہلے جو کڑی ٹوٹے گی، وہ حکومت ہے، جبکہ آخری نماز ہوگی“۔

اس صورتحال کے نتیجے میں ابتداءً مسلمانوں میں اصلاح کے دو طرزِ عمل سامنے آئے:

ایک یہ کہ کفار کی حکومت کو برضا ورغبت تسلیم کر لیا جائے، ان سے خیر خواہی کی جائے اور ان کے ماتحت رہتے ہوئے جس قدر دین پر عمل کرنے کی وہ اجازت دیں، بس اسی قدر دین پر عمل کرنا مسلمان کا فرض ہے۔ یہ مغرب زدہ مسلمانوں کا طرزِ عمل تھا، جیسا کہ برصغیر میں سر سید احمد خان اور مصر میں شیخ محمد عبدہ کا کردار رہا۔ اس نظریہ کے فروغ کے لیے ضروری تھا کہ سب سے پہلے اسلامی تعلیمات میں سے 'حکومت کے قیام' اور 'نفاذِ دین' (اقامتِ دین) کے فریضہ سے انکار کیا جائے۔ ان لوگوں کے مطابق اسلام کا یہ تقاضا ہی نہیں کہ اسے زمین پر غالب کیا جائے اور اس غلبے کے لیے حکومت حاصل کی جائے۔ ان لوگوں نے اسلام کا نام تو باقی رکھنے کی بھرپور کوشش کی اور اس نسبت سے شہرت بھی بہت پائی، البتہ اس کی 'حالت' بدل کر اسے 'عیسائیت'، 'بدھ مت' اور 'ہندومت' کی طرح ایک 'مذہب' بنا کر پیش کیا جو اپنے ماننے والوں کو بس انفرادی زندگیوں میں اللہ اللہ کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

---

[3] مسند الإمام أحمد بن حنبل؛ ج ۹، ص ۱۷۰، تحقيق: عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان

یہ نظریہ کفری طاقتوں کی عین خواہش کے مطابق تھا، انھوں نے ایسوں کی حوصلہ افزائی کی اور سرکاری سرپرستی میں اس نظریے کو فروغ دیا۔[4] یوں یہ اصلاح کے نام پر 'بگاڑِ دین' کی تحریک ثابت ہوئی۔

اس طبقے کے بالمقابل دوسرا طرزِ عمل دین سے گہری وابستگی رکھنے والے علما واہلِ دین کا تھا۔ انہوں نے کفری اقتدار کو تسلیم کرنے سے انکار کیا، اور اس کے مقابل اسلامی اقتدار قائم کرنے کی ضرورت و فرضیت بیان کی، اور اس کے لیے حکام کے خلاف جہاد و قتال کی تحریک شروع کی۔ برصغیر میں خانوادۂ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طبقے کی نمائندگی کی۔ ان کی تحریک میں تین نکات بہت واضح تھے:

1. مسلمانوں کے لیے کسی طور جائز نہیں کہ وہ کفار کو اپنا حاکم تسلیم کر کے کفری قوانین کی پابندی پر راضی ہو جائیں۔
2. مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ کفر کی حکومت ختم کرنے کے لیے کوشش کریں اور اس کوشش میں اس کے خلاف جہاد و قتال شروع کریں۔
3. مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اسلام کی حکومت قائم کریں، جہاں مسلمانوں کے انفرادی واجتماعی قوانین شریعت کے مطابق جاری ہوں۔

انہی مبادی پر سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک برپا کی، برصغیر کے کچھ حصے پر اسلامی حکومت بھی قائم کی۔ انہی مبادی پر ۱۸۵۷ء کی 'جنگِ آزادی' میں اہلِ دین نے شرکت کی، انہی مبادی پر 'ریشمی رومال' کی تحریک کھڑی کی گئی۔ لیکن جب حالات کے تناظر میں یہ تحریکات مطلوبہ نتائج پیدا نہ کر سکیں تو بعد والوں نے حالات کے موافق 'حکمتِ عملی' تبدیل کی۔ بعض نظامِ غالب سے کنارہ کش ہو کر اصلاحِ مسلمین میں لگ گئے، تاکہ مسلمانوں کی زندگیوں میں دین کو زندہ رکھا جاسکے، اور بعض نے جہاد و قتال کی بجائے 'آئینی جدوجہد' کا راستہ اختیار کر لیا۔

ابتداء میں یہ تبدیلی 'حکمتِ عملی' کی تبدیلی تھی، 'مبادی' میں تبدیلی نہ تھی۔ یہ لوگ اس پر یکسو تھے کہ دنیا میں نظامِ اسلامی قائم کرنا ناگزیر ہے اور نظامِ کفر سے مخاصمت رکھنا لازم ہے، تاہم عدمِ استطاعت کے سبب جنگ سے گریز اں

---

[4] آج بھی 'مغرب' اسلام کے اس 'سیکولر' ایڈیشن کی ترویج کی نہ صرف اجازت دیتا ہے، بلکہ مسلم معاشروں میں اسے بزورِ قوت مسلط کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ 'غامدی' جیسے مفکرین اسی فکر کے فروغ کے لیے منظر پر لائے گئے ہیں، افسوس کہ اب تو اس فکر نے ٹھیٹھ دینی طبقات میں بھی اپنی کونپلیں پیدا کر لی ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ حکومتی جبر سے اس کی تائید میں 'بیانیے' اور 'متفقہ' فتاویٰ صادر کروائے جا رہے ہیں۔

ہونے پر مجبور ہوئے۔

البتہ رفتہ رفتہ 'حکمتِ عملی' کی یہ تبدیلی بعد والوں میں 'مبادی' کی تبدیلی بن گئی، جیسا کہ آج اہلِ دین میں سے بعض افراد کا حال ہے۔[5]

دین میں 'سیاست' کا درست مقام

اس کے نتیجے میں بعد والوں میں 'سیاست' سے متعلق مختلف افکار رائج ہوئے اور مختلف طبقات وجود میں آ گئے:

ایک طرف یہ نظریہ وجود میں آیا کہ انسان کی پیدائش کا بنیادی مقصد ہی اقتدار کا حصول ہے اور دینی اقتدار کا قیام 'اصلی عبادت' ہے جس کی ادائیگی کے لیے مسلمان کو بھیجا گیا ہے، جبکہ دین کے دیگر احکام کی حیثیت 'ثانوی' ہے، حتی کہ نماز، روزہ، زکوۃ وحج جیسی عبادات کو 'وسیلہ' کا درجہ دے دیا گیا۔

نتیجے میں جو لوگ اس فکر کے حامل ہوئے، وہ سیاست کے میدان میں تو ضرور سر گرم ہوئے، مگر آہستہ آہستہ دین کے دیگر احکامات کی اہمیت ان کی زندگیوں میں کم ہونے لگی، احکامِ دینیہ کی تعبیر میں عقل و مصلحت کا دخل بڑھ گیا اور یوں ان میں 'جدت پسندی' نے راہ تلاش کر لی۔ اس طرح ایک طرف انفرادی زندگی میں دینی احکامات میں بے توجہی درآئی اور دوسری طرف 'کرسی' تک پہنچنا مشن بن گیا، جبکہ اس تک پہنچنے کے طریقِ کار میں بھی احکامِ شرعیہ کی پابندی لازم نہ رہی۔ یوں یہ فریق سیاستِ دینی کے نام پر غالب نظامِ کفر سے مصالحت کرنے پر مجبور ہو گیا اور اس کے دائرہ کار میں شامل ہونے پر راضی ہو گیا۔

اس کے مقابلے میں بعض دوسرے حضرات نے یہ نکتہ توبخوبی سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسان کو نفسِ عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ [الذاریات:۵۶]

---

[5] آج بہت سے افراد بعض متاخرینِ اکابر سے تمسک کی دلیل سے اپنی آرا پر قائم ہیں۔ ہم نے واضح کیا ہے کہ ان اکابر حضرات نے وقتی مصالح کی بنیاد پر حکمتِ عملی سے متعلق بعض اقدامات اٹھائے تھے، اور ہم انہیں ان کی نیت اور آراء میں صائب سمجھتے ہیں اور ہم ان کے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک اصول و فروع اور حکمتِ عملی اور مبادی کی حدود واضح تھیں۔ چنانچہ ہماری آئندہ کی گفتگو...بصد احترام و محبت... موجودہ افراد کے تعامل اور افکار سے متعلق ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے جو بھی 'مراسمِ بندگی' بتلائے ہیں، سب ہی پر عمل کرنا 'عبادت' میں مقصود ہے، سیاست کو 'مقصد' اور اس کے سوا دیگر احکامات کو 'وسیلہ' قرار دینا درست نہیں۔ تاہم انھوں نے سیاست اور قیامِ حکومتِ دینیہ کو دین کے دیگر شعبوں کے مساوی بنادیا اور احکاماتِ دینیہ میں اس کا درجہ 'وسیلہ' کا بتلایا۔ نیز 'اقامتِ دین' کا مفہوم اپنی کامل صورت سے ہٹا کر عام کر دیا، دین کے کسی بھی حکم پر عمل کو اقامتِ دین کا نام دے دیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدارس کا قیام، مساجد کی تعمیر، ذکر کے حلقوں کا انعقاد، تبلیغی سرگرمیاں اور قیامِ حکومتِ الٰہیہ، سبھی ایک سطح پر آگئے، اور آخر الذکر کی حیثیت 'استحبابی' بن گئی۔ چنانچہ جب غالب نظامِ کفر کی طرف سے قیامِ حکومتِ الٰہیہ کا امکان نہ رہا، تو کجا یہ کہ دیگر امور کے ساتھ ساتھ بنیادی 'ترکیز' اس پر رکھی جاتی... چونکہ وسائل میں سے ایک 'وسیلہ' ہی تو تھا... اسے چھوڑ کر دوسرے وسائل پر عمل پر کفایت کرلی گئی۔ اور یہ میدان باطل کے لیے خالی کر دیا گیا۔

فریقِ اول سے جہاں عباداتِ محضہ کو وسیلہ قرار دینے سے ان میں کوتاہی ہوئی تو فریقِ ثانی نے حکومتِ الٰہیہ کے قیام کو وسیلہ قرار دے کر اس میں کوتاہی کو راہ دی۔ اب تو معاملہ یہ بن گیا ہے کہ خلافت و حکومتِ اسلامیہ کے قیام کو ہی فرض وواجب سے گرا کر محض 'مستحب' قرار دیا جارہا ہے۔[6]

یوں دونوں فریقوں کی جدوجہد کے نتیجے میں نظامِ کفر کو کسی قسم کا کوئی نقصان یا مزاحمت کا سامنا تو نہیں کرنا پڑا، الٹا مسلمانوں کے لیے نظامِ کفر کے غلبہ کو تسلیم کرکے اس کے تحت زندگی گزارنا 'جائز' باور کروادیا گیا۔

تفصیلِ بالا کو سامنے رکھتے ہوئے سمجھنا چاہیے کہ اسلام ایک کامل دین ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بے ہدایت نہیں چھوڑا، بلکہ دنیا میں زندگی گزارنے کے تفصیلی احکامات عطا فرمائے ہیں۔ ان احکامات میں انسان کی نجی زندگی سے متعلق احکامات بھی ہیں اور اجتماعی زندگی سے متعلق احکامات بھی ہیں۔ اس دین میں وہ عبادات بھی ہیں جو ایک انسان سے اللہ تعالیٰ کو اس کی اپنی ذات میں مطلوب ہیں، اور وہ عبادات بھی ہیں جن پر حکومت واقتدار کے ساتھ عمل کیا جاتا ہے۔ اگر حکومت واقتدار نہ ہو تو دین کے کتنے ہی احکامات معطل ہو جاتے ہیں جن پر عمل اللہ تعالیٰ نے فرض ولازم کیا ہے۔ یہ سبھی اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہیں۔ جہاں عباداتِ محضہ مقصود ہیں، وہاں حکومتِ الٰہیہ کا قیام بھی مقصود ہے، کیونکہ

---

[6] یہ سوچ بعض مدارسِ دینیہ کے زیرِ اثر پھیلائی جارہی ہے، جس کے سبب اپنے ہی وطن میں نفاذِ دین وشریعت کی جدوجہد پر سوالیہ نشان کھڑے کیے جارہے ہیں۔ حالانکہ اس پر تو تمام اہلِ دین کا اتفاق ہونا چاہیے تھا۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے تمکین کے نتیجے میں نماز وزکوۃ کے قیام کا ذکر فرمایا ہے، وہیں نیکی کے حکم کرنے اور منکر سے روکنے کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾[الحج:۴۱]

"یہ وہ لوگ ہیں کہ جنھیں جب ہم زمین میں اقتدار عطا فرماتے ہیں تو یہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ ادا کرتے ہیں اور نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور تمام کاموں کا انجامِ کار اللہ ہی کی طرف ہے"۔

حکومتِ الٰہیہ کا قیام نیکی کا حکم کرنے اور منکر سے روکنے کی ہی صورت ہے، بلکہ حکومت واقتدار کے بغیر نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے کا حق ادا نہیں ہوتا۔

اور چونکہ حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے بغیر دین کے احکامات انسانوں کی اجتماعیت پر نافذ ہو نہیں سکتے، نماز وزکوۃ کا بھی قیام کماحقہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اسے غلبہ دین کی جدوجہد میں ایک مرکزی حیثیت اور فوقیت لامحالہ حاصل ہو جاتی ہے، اور نفاذِ دین، اقامتِ دین اسی پر موقوف ہوتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر خلافت وامارت بذاتِ خود 'اقامتِ دین' ہی کا نام ہے، جیسا کہ امام المتکلمین علامہ ایجی رحمۃ اللہ علیہ نے 'المواقف' میں امامت وخلافت کی تعریف میں ہی لکھ دیا۔

هي خلافة الرسول صلى الله عليه وسلم في إقامة الدين بحيث يجب اتباعه على كافة الأمة۔[7]

"یہ اقامتِ دین میں رسول اللہ ﷺ کی نیابت کا نام ہے، یہ نیابت اس نوعیت کی ہو کہ پوری امت پر اس حاکم کی اتباع واجب ہو"۔[8]

اور یہ تعبیر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب 'ازالۃ الخفاء' میں اختیار کی ہے۔

"خلافت کے تمام معاملات کو ایک جملہ میں بیان کرنا چاہیں جو ان جزئیات کے لیے کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے، اور ان جزئیات اور اجناس کی جنسِ اعلیٰ ہے، تو وہ اقامتِ دین ہے"۔[9]

یہ فریضہ ایک حیثیت سے 'وسیلہ' ہے تو دوسری حیثیت سے 'مقصد'۔ 'وسیلہ' اس حیثیت سے ہے کہ دین کے بیشتر

---

[7] المواقف في علم الكلام للقاضي عضد الدين عبد الرحمن بن أحمد الإيجي؛ ص ۳۹۵، عالم الكتب، بيروت

[8] اس تعریف کے دو حصے ہیں، یہاں پہلے حصے سے استدلال مقصود ہے۔

[9] ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء، ج ۱، ص ۱۳، قدیمی کتب خانہ کراچی

احکام پر عمل اس کے بغیر ممکن نہیں، اور 'مقصد' اس حیثیت سے ہے کہ پورے دین پر عمل کرنا 'مقصد' ہے اور حکومت واقتدار ہی اس کی صورت ہے۔ اس کا مقصد ہونا اس آیت سے بھی واضح ہوتا ہے جس میں منصبِ نبوت بیان کیا گیا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾[التوبة:۳۳]

"وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ اسے دیگر تمام ادیان پر غالب کردے، چاہے مشرکوں کو ناگوار گزرے"۔[10]

ہاں، اسے ایسا اصلِ مقصد اور اصلِ عبادت سمجھنا کہ اس کے علاوہ عبادات اور دیگر احکامات کو ان کا حق نہ دیا جائے، وسیلہ بنادیا جائے یا غیر اہم سمجھا جانے لگے، حاشاوکلا۔ بلکہ جو شخص دین کے تمام احکامات پر عمل کرنے کا خوگر نہیں ہے، وہ اگر حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی جدوجہد کے لیے اٹھے گا تو لامحالہ ٹھوکر کھائے گا۔ بھلا جو مسلمان اپنی ذات پر دین نافذ نہیں کرسکتا، وہ دوسرے انسانوں پر دین کے نفاذ کی بات کس منہ سے کرتا ہے۔

علامہ سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس فریضے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس طاقت واقتدار کے حصول کے لیے جدوجہد کے ضروری ہونے کے بارے میں علمائے اسلام میں (ہمارے علم میں) کبھی اختلاف نہیں رہا ہے، جس سے خدا کی حاکمیت انسانوں پر عملاً نافذ اور اس کے احکام (قوانین وتعزیرات کی شکل میں) معاشرہ میں جاری کیے جاسکیں۔ کوئی ایسی متوازی قوت واقتدار اور نظامِ اطاعت وحکومت اس کے مقابل نہ پایا جاتا ہو، جو لوگوں کے لیے کشمکش اور فتنے کا باعث ہو۔

... نیز ایسی قوت اور حیثیت کا حصول بھی ضروری ہے کہ جس میں جماعتِ مسلمین کو محض دعوت وترغیب ہی نہیں، بلکہ امر ونہی (حکم وممانعت) کی حیثیت وصلاحیت حاصل ہو اور وہ معروفات کو حکماً جاری کرنے اور منکرات کو بزور روکنے کی استطاعت رکھتی ہو۔

... ایسی قوت واقتدار کا حصول اور اس کے لیے جدوجہد آیاتِ قرآنی اور نصوصِ قطعیہ سے مطلوب ہے، اور اس میں تساہل وغفلت کسی طرح جائز نہیں۔ اس فریضہ کو چھوڑ دینے کے نتائج کے ذکر سے... جو اسلام کی غربت، مسلمانوں کی مظلومیت، حدود واحکامِ الٰہیٰ کے تعطل، اور اس کی وجہ سے زندگی کی بے نظمی وانتشار، اور

[10] یہاں باتفاقِ مفسرین 'اظہار' سے دلائل وبراہین کے ساتھ ساتھ سیاسی بالادستی اور غلبہ بھی مراد ہے۔

نصرتِ خداوندی، دینی ودنیوی برکتوں سے محرومی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں... قرآن وحدیث کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔ اور اسی بنا پر خلافت وامارت کے نظام کے قیام کو اتنی اہمیت دی گئی کہ جو زندگی اس کے بغیر ہو، وہ جاہلی زندگی اور اس حالت میں موت کو 'میتة جاهلية' قرار دیا گیا۔ اسی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وفاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کو اولیت دی اور ہر کام پر اس کو مقدم رکھا، اسی کو اپنے صحیح نہج پر لانے کے لیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے قربانی دی، اور ہر دور میں فقہائے امت اور اہلِ عزیمت اس کے لیے سر دھڑ کی بازی لگاتے رہے، اور آج اسی سے غفلت برتنے اور اس نعمت سے محروم ہو جانے کی سزا میں پورا عالمِ اسلام ذلیل وخوار اور بے وزن واعتبار ہے۔"[11]

یہاں یہ بات واضح ہو گئی کہ دین کا اقتدار قائم کرنا اور حکومتِ الٰہیہ کا قیام اسلام کا ایک بنیادی اور محکم فریضہ ہے اور 'اقامتِ دین' کی کامل صورت ہے۔ اسلام غالب ہونے کے لیے آیا ہے، مغلوب رہنا اس کی سرشت میں نہیں ہے۔ اور یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اسلام میں 'سیاست' کا محور یہی موضوع ہے، یعنی حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی کوشش اور پھر قیام کے بعد اس کے ذریعے انسانوں پر دین کے 'نفاذ' اور دشمن سے 'دفاع' کی سعی۔

البتہ اس اقتدار وحکومت کے قیام کی جدوجہد کس طریقے سے ہونی چاہیے اور کون سا طریقِ سیاست شریعت نے سکھلایا ہے، اس کا ذکر بعد میں آرہا ہے۔

۲۔ جاہلیتِ جدیدہ کی پہچان اور اس کی بالادستی سے عداوت

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر دینِ اسلام کو کامل واکمل فرمادیا۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بھی جو انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے، سب کو ایک ہی دعوت اور پیغام دے کر بھیجا، ایک ہی دین عطا فرمایا۔

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا

"اس (اللہ) نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس کا حکم نوح علیہ السلام کو دیا تھا، اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جس کی ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور

---

[11] عصرِ حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح؛ ص ۱۰۷ تا ۱۰۹، مجلس نشریاتِ اسلام کراچی

الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ﴾ [الشوری:۱۳]

عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا، وہ یہ کہ دین کو قائم کرو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ جس چیز کی طرف تم مشرکوں کو بلاتے ہو، وہ ان کو دشوار گزرتی ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی بارگاہ کا برگزیدہ کرلیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے اسے اپنی طرف راستہ دکھادیتا ہے"۔

ہر زمانے میں انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا محور ایک ہی رہا اور وہ یہ کہ انسانوں کو اپنے رب کی معرفت کروانا اور انھیں ایک 'الہ' کی 'عبادت' وبندگی کی تعلیم دینا۔ اسی کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے، اسی کو مختار ومقتدر تسلیم کرنے، اسی کو ذات وصفات میں کامل اور ہر نقص سے پاک سمجھنے، اسی کی طرف ہر معاملے میں رجوع کرنے اور اسی کی اطاعت کا قلادہ گلے میں ڈالنے کی دعوت دی۔ ان تمام معانی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی دوسری ہستی کو ہم پلہ وشریک ٹھہرانے سے منع فرمایا، اسے 'شرک' بتلایا، کائنات کا سب سے بڑا ظلم قرار دیا اور دنیا میں اس 'شرک' کی روک تھام اور 'توحید' کی بالادستی کی دعوت دی اور جدوجہد کی۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ [الأنبياء:۲۵]

"اور (اے محمد ﷺ!) ہم نے تم سے پہلے جو بھی رسول بھیجے تو انھیں یہی وحی کی کہ ہمارے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم سب میری ہی عبادت کرو"۔

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ﴾ [النحل:۳۶]

"اور ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور 'طاغوت' (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔ پس ان قوموں میں بعض ایسے ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض ایسے ہیں جن پر گمراہی ثابت ہوئی۔ سو زمین پر چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟"

انسان جہاں کہیں بھی اللہ کے ماسوا کی عبادت میں گرفتار ہوئے تو انھیں راہِ راست دکھلائی کہ وہ یہ سب چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت اختیار کریں۔ اس ماسوا اللہ کو قرآنِ مجید نے 'طاغوت' سے تعبیر کیا۔ یہ طاغوت کبھی پتھر سے تراشیدہ بتوں

[اور غیر جانداروں] کی صورت میں پائے جاتے تھے اور کبھی ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى﴾[12] اور ﴿أَنَا أُحْيِيْ وَأُمِيْتُ﴾[13] کا اعلان کرنے والے انسانوں کی شکل میں۔ اسلام نے ان تمام خداؤں کی خدائی کا انکار کیا اور اس کے مقابلے میں ایک رب والہ 'اللہ تعالیٰ' کی خدائی کے اقرار کا سبق انسانیت کو دیا۔

جن معاشروں میں ان جھوٹے خداؤں کی خدائی کا راج تھا، وہاں اللہ کی ہدایات کی بجائے انہی ماسوا اللہ کی ہدایات رائج تھیں اور انہی کی بنیاد پر، من گھڑت رسم ورواج، دینی احکامات، تہذیب وتمدن رائج تھا، ضابطہ حیات اپنا رکھا تھا۔ ایسے معاشروں کو قرآن نے 'جاہلیت' کا معاشرہ قرار دیا۔

پس طاغوت کی عبادت اور جاہلیت کے معاشرے کے مقابلے میں انبیاء علیہم السلام نے توحیدِ الٰہی اور اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی دعوت دی۔ طاغوت سے ہر نسبت کو باطل قرار دیا۔ اسے معبود بنانا، اس کے راستے میں لڑنا، اس کی طرف فیصلوں کے لیے لوٹنا... سبھی سے انکار کیا۔

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا﴾ [النساء:٧٦]

"اور جو لوگ کافر ہیں، وہ طاغوت کے راستے میں لڑتے ہیں، پس شیطان کے ان دوستوں کے خلاف لڑو۔ بے شک شیطان کی چال بہت ہی کمزور ہے"۔

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ [النساء:٦٠]

"کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا گمان ہے کہ جو آپ پر نازل ہوا اور جو آپ سے پہلے نازل ہوا، یہ اس پر ایمان لے آئے۔ ان کی چاہت ہے کہ طاغوت کو اپنے فیصلوں میں مرجع بنائیں، حالانکہ انھیں حکم دیا گیا کہ طاغوت کا انکار کریں۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں بہت دور کی گمراہی میں مبتلا کر دے"۔

اسلام نے 'کفر' اور 'جاہلیت' کی بالادستی اور حاکمیت کا انکار کیا۔ کیونکہ جب تک ماسوا اللہ کی سیاسی بالادستی ختم نہیں ہوتی، دلوں میں موجود 'لات ومنات' کو توڑنا ممکن نہیں اور انسانیت کی فلاح وفوز اور بہبود کی تکمیل ممکن نہیں۔

---

[12] یہ فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں کہا تھا کہ: 'میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں'۔ (النازعات:۲۴)

[13] یہ نمرود نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مقابلے میں کہا تھا کہ: 'میں (انسانوں کو) زندہ کرتا ہوں اور موت دیتا ہوں'۔ (البقرۃ:۲۵۸)

﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ [المائدة:۵۰]

"کیا یہ جاہلیت کی حکومت چاہتے ہیں، جبکہ یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر حکومت کس کی ہے"۔

رسول خاتم النبیین ﷺ کی دعوت

رسول خاتم النبیین ﷺ کے ہاتھ پر اللہ تعالی نے 'اسلام' کو جامع اور عالمگیر بنادیا۔ پوری کائنات اور تمام انسانوں کو دائرہ عمل میں شامل کرلیا۔ پہلے انبیاء کی دعوت مخصوص اقوام اور محدود زمانے کے لیے تھی، جبکہ اب امتِ محمدیہ ﷺ کی صورت میں دینِ اسلام کی دعوت کو پوری کائنات اور قیامت تک کے زمانے کے لیے ابدی کر دیا۔

﴿قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ [الأعراف:۱۵۸]

"(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف (بھیجا گیا) اللہ کا رسول ہوں"۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [سبأ:۲۸]

"اور (اے محمد ﷺ!) ہم نے تمہیں تمام انسانوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ [آل عمران:۱۱۰]

"(اے امتِ محمد ﷺ!) تم وہ بہترین امت ہو جسے انسانوں (کی نفع رسانی) کے لیے نکالا گیا ہے، تم (انسانوں کو) نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان لاتے ہو"۔

پس جو مشن انبیاء علیہم السلام نے محدود دائروں میں جاری کیا، اسے رسولِ خاتم النبیین ﷺ نے عالمگیر بنادیا۔ پس دینِ محمدی نے انسانی زندگی کے ہر میدان میں انقلاب برپا کیا۔ جاہلیت کی ہر قسم سے مقابلہ کیا، فکر و نظر کے تمام زاویے بدلے، تہذیب و تمدن کے تمام پہلوؤں میں تبدیلی پیدا کی، ہر نسل اور ہر قوم کو اپنے اندر سمویا اور پورے کرہ ارضی کو میدانِ عمل بنایا۔

رسولِ خاتم النبیین ﷺ نے کسی موقع پر بھی جاہلیت کے ساتھ مفاہمت نہیں کی اور نہ ہی مصالحت کی کوئی راہ نکلنے دی۔ سرداری اور حکومت کی پیشکش بھی کی گئی، اس شرط کے ساتھ کہ کچھ جاہلیت کی باتیں بھی تسلیم کرلی جائیں، لیکن آپ ﷺ نے ہر ایسی پیشکش کو ٹھکرادیا کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ اسلام جاہلیت اور کفر وشرک کے ساتھ کسی قسم کی

مفاہمت و مصالحت کرلے اور کفر و جاہلیت کی بالادستی و حکومت کو تسلیم کرلے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو اس کی اجازت ہی نہیں دی کہ وہ دین میں ماسوا اللہ اور کچھ جاہلیت کی باتوں کو جگہ دے دے۔

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (112) وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ﴾ [هود: ۱۱۲، ۱۱۳]

"سو (اے محمد ﷺ!) جیسا تمہیں حکم ہوتا ہے (اس پر) تم اور جو لوگ تمہارے ساتھ تائب ہوئے ہیں سب قائم رہو۔ وہ تم لوگوں کے (سب) اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اور جو لوگ ظالم ہیں، ان کی طرف مائل نہ ہونا، وگرنہ (دوزخ کی) آگ تم سب کو آلپٹے گی۔ اور اللہ کے سوا تمہارے اور دوست نہیں ہیں۔ (پس اگر تم ظالموں کی طرف مائل ہوگئے) تو پھر تمہیں (کہیں سے) مدد نہ مل سکے گی"۔

﴿وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ وَإِذًا لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا (73) وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا (74) إِذًا لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا﴾ [الإسراء: ۷۳-۷۵]

"اور (اے نبی ﷺ!) جو وحی ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے، قریب تھا کہ یہ (کافر) لوگ تمہیں اس سے بہکا دیں تاکہ تم اس کے سوا اور باتیں ہماری نسبت بنالو، اور اس وقت وہ تمہیں دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو شاید تم کسی قدر ان کی طرف مائل ہو ہی جاتے۔ اس وقت ہم تمہیں زندگی میں بھی دونا اور مرنے پر بھی دونا عذاب چکھاتے، پھر تم ہمارے مقابلے میں کسی کو اپنا مددگار نہ پاتے"۔

یہی تعلیم رہتی دنیا تک کے مسلمانوں کو اسلام نے دے دی کہ اسلام اور جاہلیت کے درمیان مفاہمت ناممکن ہے۔ اقبال مرحوم سے اسے ان الفاظ میں بیان کیا:

باطل دوئی پسند ہے، حق لا شریک ہے — شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

رسولِ خاتم النبیین ﷺ اور آپ ﷺ کے پیروکاروں کی اسی محنت اور استقامت بھری جدوجہد کے نتیجے میں اسلام، اسلامی تعلیمات، اسلامی معاشرہ نصف سے زائد دنیا میں قائم ہوا اور کئی صدیاں آب و تاب سے قائم رہا۔ اس پورے دور میں دینِ اسلام نے ہر قسم کے داخلی اور خارجی جاہلی مظاہر کا مقابلہ کیا، جاہلیت کی بالادستی واقتدار ختم کیا، شرک وبدعت کی ہر نوع کی بیخ کنی کی اور ہر گمراہی سے انسانیت کو بچانے کی کوشش کی۔ اسلام نے ہر 'ازم' کو رد کیا اور

انسانوں سے اس کی روک تھام کی سعی کی۔ تاہم کئی زمانوں بعد مسلمانوں کی اجتماعی کوتاہی کے سبب اسلام کا غلبہ مغلوبیت میں بدل گیا، حکومت محکومیت میں ڈھل گئی۔

آج جبکہ مسلمان اور مسلم امت زوال پذیر ہیں، جدید جاہلیت سے اسے سابقہ ہے۔ اسے پہچاننا اور اس کی بالادستی واقتدار کا انکار کرنا(کجا یہ کہ اس کی ماتحتی پر راضی ہو جانا)اور اس کے مقابلے کے لیے کمربستہ ہونا مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔

بلاشبہ جاہلیت کے تمام سابقہ مظاہر آج کی دنیا میں موجود ہیں۔ طاغوت کی ہر قسم انسانوں کو گمراہ کر رہی ہے۔ بتوں کی پرستش بھی ہے تو چوہوں، بلیوں کے عبادت گزار بھی پیدا ہو گئے ہیں، آگ کے سامنے سجدہ کرنے والے موجود ہیں تو (زندہ و مردہ)انسانوں کو سجدہ کرنے والے بھی موجود ہیں، وجودِ الٰہی کا انکار کرنے والے پائے جاتے ہیں تو خود انسان بھی اللہ بنے بیٹھے ہیں۔

یہ سب اپنی جگہ ہیں، تاہم اس دور میں ان سب قسموں کو جمع کر کے ان کی رکھوالی اور ان کی قیادت کرنے والے طاغوتِ اکبر اور جاہلیتِ کبریٰ سے مسلمانوں کا سامنا ہے۔ اور یہ نظریہ کے قالب میں 'سیکولرزم' اور عمل کی دنیا میں 'سیکولر نظامِ عالم' ہے جس کی سرپرستی اور پشتیبانی مغربی طاقتیں کر رہی ہیں۔

سیکولرزم اور اس کی بنیاد پر قائم تہذیب و نظام

سیکولرزم کا نظریہ، اس نظریہ پر قائم تہذیب اور نظام، اس تہذیب و نظام کا عالمگیر غلبہ واقتدار موجودہ دور میں جدید جاہلیت کا نمائندۂ اعلیٰ ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے اندر جاہلیت کی ہر شکل کو سمولیا ہے اور ہر ایک کو اپنا حصہ بنالیا ہے۔

یہ اس طرح ہے کہ سیکولرزم نے انسانوں کو اس بات کی دعوت دی کہ وہ مراسمِ عبودیت، الہامی تعلیمات، آسمانی ہدایات کو اپنی نجی زندگی کے چند محدود معاملات میں منحصر کرلیں، اور عوامی واجتماعی زندگی میں انسانوں سے ماورا کسی اللہ ورب کی ہدایات کا انکار کر دیں اور اسے انسانوں کی اپنی مرضی پر چھوڑ دیں۔

یہی ہوا کہ مغربی طاقتوں نے دنیا کا اجتماعی نظام اپنے ہاتھ میں لے لیا، معیشت و معاشرت اور اخلاقیات و سیاسیات کی بابت اپنی ناتمام عقلوں سے نظریات واعتقادات بنائے اور ان کی بنیادوں پر تازہ شریعت ایجاد کی، احکامات مدون کیے۔ لبرلزم، نیشنلزم، کیپیٹلزم، سوشلزم، ڈیموکریسی... ان تمام 'ازموں' کو دنیا میں زندہ کیا۔ اور الہامی تعلیمات سے ہٹ کر دنیا میں جہاں بھی انسانی قانون سازی کی محنت ہوئی تھی... چاہے وہ قدیم یونان وروم کے قوانین ہوں یا ماضی قریب میں

انگلینڈ و فرانس کے قوانین ہوں... انھیں زمین پر نافذ کیا۔ یہاں تک کہ اپنے عالمگیر غلبے کے ساتھ پورے عالمِ انسانیت کو ان میں جکڑ دیا۔

بت پرستوں سے لے کر عیسائیت و یہودیت کے ماننے والوں نے بھی سیکولرزم کا بپتسمہ لے کر اس 'دینِ جدید' کو قبول کر لیا۔ ان سب نے تسلیم کر لیا کہ 'الٰہ' و 'رب' کا دائرہ بس مراسمِ عبودیت تک محدود ہے، باقی دنیا گزارنے میں انسان آزاد ہے۔ ریاست، سوسائٹی، کلچر... ان سب میں کسی الہ و معبود کی تعلیمات کا ذکر گناہ، بلکہ 'جرمِ عظیم' ہے۔ افسوس کہ مسلم امت میں سے بھی کتنے ہی اس کی سان چڑھ گئے اور سیکولرزم پر یقین رکھ کر 'ارتداد' کی راہ پر چل پڑے۔

آج 'اسلام' کا مقابلہ اس 'جاہلیت' سے ہے۔ اس میں ادیانِ باطلہ کے ماننے والے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہیں اور انھوں نے 'چہرہ' نیا اپنا لیا ہے۔ اب وہ 'صلیب' کی سربلندی، 'ہیکل' کی بازیابی، 'بھگوان' کی جے جیسے نعرے بلاشبہ رکھتے ہیں، لیکن ان سے اوپر '(خود ساختہ) انسانی حقوق'، 'وطن پرستی (نیشنلزم) اور 'جمہوریت' کا عَلَم لے کر میدان میں اترے ہیں۔ ان سب کی زمام عالمی ساہوکاروں، عالمی طاقتوں اور عالمی اداروں کے ہاتھ میں ہے۔ امریکہ، روس، چین، فرانس اور برطانیہ اسی نظام و تہذیب کی حفاظت میں پوری انسانیت بالخصوص امتِ مسلمہ سے برسرِ پیکار ہیں۔

آج انسانیت کی فوز و فلاح اسی میں ہے کہ اس تہذیبِ لادینی اور اسے غالب کرنے والوں سے دشمنی و عداوت کو حرزِ جاں بنایا جائے، جزوِ فکر و عمل بنایا جائے، اس کی عالمی بالادستی ختم کرنے کے لیے پوری قوت سے میدان میں اترا جائے، دنیا سے عالمی ٹھیکیداروں کی اجارہ داری ختم کی جائے، ان کے عالمی اداروں کو ماننے سے انکار کیا جائے، 'اقوامِ متحدہ' (United Nations) کی بالادستی کے خلاف کھڑا ہوا جائے اور اس سب کے مقابلے میں دینِ اسلام کے غلبے کی جدوجہد کی جائے۔

مسلم ملکوں میں سیکولرزم کا غلبہ

مغربی اقوام نے جہاں اپنے ملکوں میں سیکولرزم کو رائج و غالب کیا، جب وہ مسلم ملکوں پر قابض ہوئے تو وہاں بھی اسی کی بنیاد پر نظامِ سلطنت و حکومت قائم کیا۔ انھوں نے یہاں کے معاشرہ اور تہذیب و تمدن سے اسلام کے مظاہر اور احکام کو ختم کر دیا اور اس کی جگہ اپنی تہذیب اور اپنے قوانین و شریعت کو رائج کیا۔ انھوں نے اپنے ساتھ چلنے والوں کی ایک

نسل تیار کی جو رنگ و نسل میں مقامی تھے، مگر فکر و عمل میں سیکولر تھے۔ یہ سلسلہ انیسویں صدی کی ابتداء میں نپولین کے مصر فتح کرنے سے شروع ہوا اور برطانوی سامراج نے اسے تقویت دی۔

پھر جب (نام نہاد) آزادی کے بعد یہ طاقتیں مسلم ملکوں سے رخصت ہوئیں تو ان کا نظامِ حکومت مستحکم بنیادوں پر قائم تھا، معاشرے میں انہی کے قوانین رائج تھے، بس ایسے لوگوں کی ضرورت تھی جو ان کے تربیت یافتہ ہوں اور نظریات وافکار میں ان کے ہم فکر وہم خیال ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مسلم ملکوں میں جمہوری نظامِ حکومت قائم ہوا، اقوامِ متحدہ کے 'چارٹر' کے مطابق دستور سازی کی گئی، قوانین تو پہلے ہی سے انسانوں کے وضع کردہ 'کفری' رائج تھے۔ حکمرانی کی مسند پر وہ لوگ بیٹھ گئے جو ظاہر میں مقامی تھے مگر باطن میں انگریز سے بڑھ کر انگریز، نام مسلمانوں کے تھے مگر عقائد لادینی۔ نتیجتاً آزادیوں کے بعد بھی سیکولر نظامِ سلطنت جوں کا توں قائم رہا۔ حالانکہ ایک مسلمان جب اجتماعیت وریاست میں دینِ اسلام کی عملداری اور دینی احکامات سے انکار کردے تو وہ مسلمان ہی نہیں رہتا۔ عصرِ سابق کے معروف ومشہور عالمِ دین شیخ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ... جنھیں ہمارے دینی حلقوں میں بھی خاص مقام حاصل ہے... لکھتے ہیں:

"وقد دلت نصوص الكتاب والسنة على أن دين الإسلام جامع لمصلحتي الدنيا والآخرة ولأحكامهما دلالة واضحة، لا ارتياب فيها، فتكون محاولة فصل الدين من الدولة كفرا صارخا منابذا لأعلاء كلمة الله، وعداء موجها إلى الدين الإسلامي في صميمه، ويكون هذا الطلب من هذا المطالب إقرار منه بالانبتار والانفصال فنعده عضوا مبتورا من جسم جماعة المسلمين وشخصا منفصلا عن عقيدة أهل الإسلام.

وما كنا نسمع مثل تلك النعرة قديما حينما كانت الخلافة قائمة، فيكون مبدأ هذا الفساد زوال الخلافة من الوجود، مع أنها أقدم شرع شرعه الله للمجتمع

"قرآن وسنت کی نصوص اس بات پر بلا شک وشبہ واضح دلالت کرتی ہیں کہ دینِ اسلام دنیا وآخرت دونوں جہانوں کے مصالح اور دونوں کے احکام کو جامع ہے۔ پس دین کو ریاست کے معاملات سے الگ کرنا کھلا کفر ہے، اعلائے کلمۃ اللہ کی کھلی مخالفت، دینِ اسلام کی اصل حقیقت سے برسرِ جنگ ہونا ہے۔ اور (مسلمانوں میں سے) جو کوئی دین کو حکومت وسلطنت سے جدا کرنے کا مطالبہ کرے تو یہ اس کی طرف سے اسلام سے علیحدگی کا اقرار ہے، پس ہم اسے مسلمانوں کی جماعت سے کٹا ہوا عضو قرار دیتے ہیں اور مسلمانوں کے عقائد سے خارج ہوا شخص جانتے ہیں۔

ہم نے سیکولرزم کا یہ نعرہ اس وقت نہیں سنا تھا جب خلافت قائم تھی۔ پس اس فساد کی ابتداء خلافت (حکومتِ الٰہیہ) کے خاتمہ سے ہوئی جو ان ابتدائی احکام میں سے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانیت

البشري من غير أن يطرأ عليها النسخ في زمن من الأزمان، حتى استمرت الخلافة قائمة مدى الدهور، إلى أن أزالتها من الوجود يد أثيمة استخفت الأقوام فأطاعوها، إلى أن أصبحت بعض الدويلات الإسلامية تتسابق في خطب ود جياع المستعمرين، مترسمين لخطاهم في الحكم من غير تعزز ولا تقزز غير حاسبين حساب العزة الإسلامية ''۔[14]

کے لیے نازل فرمایا اور یہ حکم کسی زمانے میں منسوخ نہیں ہوا۔ اسی بنیاد پر زمانوں تک خلافت قائم رہی یہاں تک کہ ناپاک ہاتھوں سے اس کا خاتمہ ہوا اور قومِ مسلم نے کمزور پڑ کر اسے قبول کرلیا۔ اب حال یہ ہے کہ بعض مسلم ممالک استعماری بھوکوں کی طرف محبت کی پینگیں بڑھانے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کر رہے ہیں، حکومت کے باب میں ان کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں، انھیں اسلامی عزت وشرف کی کچھ پرواہ نہیں''۔

ان مسلم ممالک میں مغربی جمہوری نظام رائج رکھا گیا اور حکومت کے لیے انھی لوگوں کو موقع فراہم کیا گیا جنھوں نے عالمی طاقتوں سے وفاداری کا دم بھرا، ان کے دل عقائدِ دینیہ سے تہی، لادینیت میں لتھڑے تھے۔ اسی طرح خصوصیت کے ساتھ ان مسلم ممالک کی افواج کو لادینیت کی بنیاد پر تربیت دی گئی، ان کے 'دساتیر' [ڈاکٹرائن] میں متعین کیا گیا کہ عقیدت، محبت، خشوع وخضوع... ہر قسم کے جذبہ انسانی کا محور 'وطن' ہے، مطلق اطاعت اسی کی کی جائے گی، جبکہ مذہب ودین کا امتیاز نہیں رکھا جائے گا۔ اسی کا نتیجہ ہوا کہ ان افواج میں دین پر عمل کرنا معیوب اور بے دینی لائقِ داد قرار پائی، بلکہ لادینی کا پابند بنایا گیا۔ اسی مناسبت سے ان افواج نے کافروں کا دفاع کیا، جبکہ مسلمانوں کے خلاف مظالم کی داستانیں رقم کیں۔ نفاذِ کفر میں اعزازت حاصل کیے، جبکہ نفاذِ دین وشریعت کے لیے بارود کی بارشیں برسائیں۔ مثالوں کے لیے موقع نہیں، وگرنہ شام ومصر، عراق والجزائر، اور اپنے پاکستان کی افواج کی سابقہ نصف صدی کی تاریخ دیکھیں تو حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

اس سب کے ساتھ ان ممالک کے اہلِ دین کو فریب دینے کے لیے اتنا ضرور کیا کہ 'دستور' کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کے 'اقتدارِ اعلیٰ' کا اقرار لکھ دیا، مملکت کے نام میں 'اسلامیہ' کا سابقہ ڈال دیا اور 'مجلسِ قانون ساز' کی پیشانی پر 'کلمہ' لکھ دیا۔ تاکہ اہلِ دین یہ نہ کہہ سکیں کہ کھلا کفر ہے اور کہیں وہ مقابلے میں اٹھ کھڑے نہ ہوں۔ یہ دھوکہ دہی اور فریب

[14] مقالات الكوثري؛ص۲۷۸تا۲۸۰، المكتبة المعروفية، کوئٹہ۔ عبارت میں معمولی تصرف کیا گیا ہے۔

کی کہانی نصف سے زائد صدی سے جاری ہے، لیکن عملاً مسلم ملکوں میں جاہلیت کی بالادستی کو مستحکم سے مستحکم تر کر دیا گیا ہے۔

چنانچہ مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ عالمِ انسانیت پر قابض خدا دشمن اور انسان دشمن طاقتوں اور ان کے لادین سیکولر نظاموں کی مخالفت میں کمربستہ ہوں، اور اسی کے ساتھ اپنے معاشروں اور ملکوں میں ان کے لادین نظامہائے سلطنت وریاست اور یہاں مسلط ان کے لادین سیکولر حاشیہ نشینوں سے عداوت ودشمنی کو سینوں میں بٹھائیں اور ان کی بالادستی سے انکار پر کمر کس لیں۔

۳۔ اسلامی اقتدار قائم کرنے کا طریقہ

ہم نے جان لیا کہ کفر کا اقتدار ختم کرنا اور اس کی جگہ اسلام کا اقتدار قائم کرنا مسلمانوں کے لیے ناگزیر ہے، یہ سنت واستحباب سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ مسلمانوں پر بحیثیتِ مجموعی 'فرض' ہے۔ اب یہ فریضہ ادا کیسے ہو گا، دین میں اس کا طریقِ کار کیا ہے؟ اس معاملے میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بے ہدایت نہیں چھوڑا، قرآنی تعلیمات اور رسول خاتم النبیین ﷺ کے طریقِ کار کی پیروی ہم پر لازم فرمائی۔ تاہم اس کی تفصیل میں جانے سے قبل مقدمہ کے طور پر ایک نکتے کی وضاحت از بس ضروری ہے۔

قیامِ اقتدارِ اسلامی اور انتقالِ اقتدار میں فرق

مسلمانوں کے سامنے اقتدار کے حصول کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ کسی خطے میں کفر کی بالادستی ہو اور اہلِ کفر کا غلبہ ہو... جسے اصطلاحِ فقہاء میں 'دار الحرب' کہتے ہیں۔ اس صورت میں قوتِ حاکمہ کو کفری کہا جاتا ہے اور اس کی جگہ اقتدارِ اسلامی کا قیام 'واجب علی الکفایہ' ہے۔ تاہم اگر یہ صورت وہاں پیش آجائے جہاں پہلے اقتدارِ اسلامی قائم تھا، اس کی جگہ اقتدارِ کفری قائم ہو گیا ہو... ایسے میں اسے ہٹا کر اسلامی اقتدار قائم کرنا 'فرضِ عین' ہوتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کا اقتدار قائم ہے، اسلامی احکام وشرائع معاشرے میں نافذ ہیں، ایسے میں کوئی غیر صالح شخص اقتدار پر متمکن ہو جائے جو معاشرے میں شریعت کے احکام کے عمومی نفاذ میں تو کوئی رکاوٹ پیدا نہ کرے، البتہ اپنی ذات میں کسی قانون کا پابند نہ ہو اور بعض افرادِ مسلماناں پر ظلم وجور میں منہمک ہو۔ ایسے میں مسئلہ عمومی نفاذِ دین کا نہیں ہے، بلکہ حاکم کی تبدیلی کا ہے۔ کیونکہ حاکم کو اسلام نے جن آدابِ حکمرانی سے متصف رکھنے کی

کوشش کی ہے، وہ عمل میں نہیں آسکے، اور خلافت علی منہاج النبوۃ کی بجائے 'جبر واستبداد' کی حکومت قائم ہوئی ہے۔ اس صورت میں ہم قوتِ حاکمہ کو 'اسلامی' تصور کرتے ہیں، جو 'اصلاح طلب' ضرور ہے۔

اول الذکر مسئلہ 'قیامِ حکومتِ الہیہ' اور 'اقامتِ دین' کا ہے، اور ثانی الذکر مسئلہ 'خروج علی الحکام' یا 'انتقالِ اقتدار' کا ہے۔ اور ان دونوں کے طریقِ کار میں فرق ہے۔ آج کے دور میں بیشتر ان دونوں مسائل کو خلط ملط کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے درست طریقِ کار کا انتخاب نہیں ہو پاتا۔ آج کی دنیا میں بیشتر مسلم ممالک کا حال پہلی صورت سے تعلق رکھتا ہے، نہ کہ دوسری صورت سے، کیونکہ ان میں اگرچہ حکام نام نہاد مسلمان ہیں، لیکن نظامِ حکومت اور قوانینِ سلطنت کفری رائج ہیں اور 'کفر' کی گرفت مضبوط اور غلبہ مکمل ہے۔ محض سربراہِ مملکت کے (برائے نام) مسلمان ہونے سے قوتِ حاکمہ کے اسلامی ہونے کا حکم عائد نہیں کیا جاسکتا۔ وگرنہ خلافتِ صدیقی میں ان بیشتر مانعینِ زکوٰۃ عرب فرمانرواؤں پر بھی یہ حکم عائد کرنا پڑے گا جن کے خلاف صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے قتال کیا، اور موجودہ دور میں بھارت جیسے ملک پر بھی یہ حکم عائد کرنا پڑے گا جہاں ذاکر حسین، فخر الدین علی احمد اور کلام جیسے لوگ کئی سال صدارتِ عظمیٰ کے منصبِ اعلیٰ پر متمکن رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے جمہوری طرزِ سلطنت کو اسلامی قرار دینے سے ہی احتراز کیا ہے اور اس کی بنیاد پر کسی ملک پر دار الاسلام کا اطلاق نہیں کیا ہے۔[15]

اقتدارِ اسلامی کے قیام کا راستہ؛ دعوت وجہاد

جب کفر کا اقتدار قائم ہو تو جب تک اسے ختم نہیں کیا جائے گا، اس وقت تک اسلامی اقتدار کا قیام ممکن نہیں۔ اس خاتمے کے لیے اسلام نے 'دعوت وجہاد' کا راستہ متعین کیا ہے۔ رسولِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی راستے کو اختیار کیا اور حجاز پر اسلامی اقتدار قائم فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت اس بات کی شاہد ہے۔ مکہ کے تیرہ سال انتھک دعوت میں گزارے، دین کی صاف ستھری، دوٹوک، بغیر ملاوٹ کے واضح دعوت دی... یہاں تک کہ چند جانثار میسر آگئے، مگر جنگ کی ابتداء کرنے کے لیے ابھی مزید لوازمات درکار تھے جو تاحال پورے نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ مدینہ کے اوس وخزرج کو دعوت دی گئی، ان سے مدد مانگی گئی۔ انھوں نے نہ صرف اطاعت قبول کرلی بلکہ نصرت کا بھی وعدہ کیا اور یوں

---

15 مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان سے متعلق استفتاء میں لکھا ہے کہ چونکہ یہاں جمہوری حکومت ہے جو غیر اسلامی ہوتی ہے، اس لیے ہندوستان جمہوری حکومت کی وجہ سے دار الحرب سے دار الاسلام نہیں بنا۔ دیکھیے: فتاوی محمودیہ؛ ج ۴، ص ۱۳۱، دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی۔ دنیا کے مسلم ملکوں کی صورتحال اس سے بہت مختلف نہیں۔

رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے اپنے جانثاروں کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے۔ یہاں سے بحکمِ خداوندی مشرکینِ مکہ کے خلاف جہاد و قتال شروع کیا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مکہ میں ہی جہاد و قتال کیوں نہ شروع کیا گیا؟ اس کے جواب میں علماء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اس جماعت کی تیاری مقصود تھی جو اسلام و ایمان کے معانی و مفہوم کو اچھی طرح دلوں میں پیوست کر لیں اور ہجرت کے ذریعہ مزید پختہ تر ہو جائیں، اس کام کے لیے وقت لیا گیا، مکہ کے تیرہ سال صرف ہوئے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے، تاہم محض یہی ایک وجہ معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ مہاجرین سے زیادہ تعداد انصار کی تھی اور آئندہ کی ہر جنگ میں بھی انصار ہی زیادہ تعداد میں اترے، ان پر تو محنت میں زیادہ وقت صرف نہیں ہوا تھا۔ اس لیے ہجرتِ مدینہ کے بعد جہاد کے آغاز کی وجہ یہ سمجھ آتی ہے کہ مشرکینِ مکہ کی قوت کے مقابلے کے لیے ان کے تسلط سے آزاد علاقہ اور آزاد قوت کا فراہم ہونا ضروری تھا جو ہجرت کے نتیجے میں حاصل ہو گیا۔ کفر کی قوتِ حاکمہ کے مقابلے میں اسلام کی قوتِ حاکمہ درکار تھی جو مدینہ میں فراہم ہوئی۔[16]

قوت کے اجتماع کی ابتداء دعوت سے ہوئی جس کے نتیجے میں مکہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت وجود میں آئی اور پھر مدینہ میں دعوت کے نتیجے میں انصار کی ایک جماعت میسر آئی۔ پھر جب ایک آزاد علاقے میں آزاد قوت بہم ہوئی تو اس کے ساتھ کفر کی قوتِ حاکمہ کے خلاف جہاد و قتال کی ابتداء کر دی گئی۔ تعداد کے اعتبار سے یہ قوت اب بھی اس قدر نہیں تھی کہ مدِ مقابل کفر کی قوت کا مقابلہ کر سکے، تاہم اب جہاد و قتال کے لوازمات پورے ہو چکے تھے، جبکہ تعداد کی برابری کو اللہ تعالیٰ نے کبھی شرط ٹھہرایا ہی نہیں۔ چنانچہ بدر واحد وخندق کے معرکے ہوئے، ساتھ ساتھ دعوتی سرگرمیاں جاری رہیں۔ ایک طرف دعوت کے ذریعے لوگوں کو اقتدارِ اسلامی کا حصہ بنایا گیا تو دوسری طرف جہاد کے ذریعے اقتدارِ کفری کو کمزور کر کے محدود کیا گیا، بالآخر مکہ فتح ہوا اور پھر پورا حجاز سرنگوں ہو گیا۔ روم وفارس کے سلاطین تک کو دعوتی خطوط بھیجے گئے۔ آپ ﷺ نے ہرقل کے نام خط میں لکھا:

---

[16] اس نکتے کی وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ بعض حضرات آج کے دور کو 'مکی دور' کہہ کر محض دعوت دینے پر زور دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جہاد و قتال کے لیے جن ایمانی کیفیات کی ضرورت ہے، وہ ابھی مسلمانوں میں موجود نہیں، اس کی تیاری کی جائے۔ لیکن ہجرت و جہاد کو ان لوگوں نے یکسر ممنوع قرار دے رکھا ہے، حتیٰ کہ ہجرت وجہاد کے بیش از بیش مواقع میسر آجائیں، یہ لوگ کو اس پر جانے کا حکم نہیں فرماتے، الٹا روکتے ہیں۔ کفر سے مخاصمت کی جو دعوت دین کا لازمی جزو ہے، وہ ان کی دعوت کا حصہ نہیں ہے۔ یوں ان میں دو پہلوؤں سے کمزوری واقع ہوئی ہے؛ ایک دین کی صحیح دعوت میں کمزوری جس میں کفر واہلِ کفر سے مخاصمت سے پہلو تہی، دوسرا جہاد و قتال سے اعراض۔

فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ.[17]

''میں تمہیں اسلام کی طرف بلاتا ہوں، اسلام لے آؤ تو بچ جاؤ گے، اسلام لے آؤ تو اللہ تمہیں دگنا ثواب دیں گے، اور اگر اسلام سے انکار کرو گے تو تمہاری پوری قوم کا گناہ تمہیں ہو گا''۔

اسی طرح آپ ﷺ نے دیگر فرمانرواؤں کے نام دعوتی خطوط لکھے کہ اسلام قبول کرلو، امان میں ہوگے، وگرنہ اعلانِ جنگ ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجہاد میں ان خطوط کے بیان پر باب کا عنوان رکھا:

باب دعوة اليهود والنصارى وعلى ما يقاتلون عليه؟ وما كتب النبي صلى الله عليه وسلم إلى كسرى وقيصر، والدعوة قبل القتال۔[18]

'باب یہود و نصاریٰ کو دعوت دینے کے بیان میں اور اس بات کے بیان میں کہ ان سے کس بات پر جنگ کی جائے، اور رسول اللہ ﷺ نے قیصر و کسری کو کیا لکھا تھا اور جنگ سے پہلے دعوتِ اسلام دی جائے'۔

رسول اللہ ﷺ کا اپنا عمل بھی یہی تھا اور آپ ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو بھی یہی حکم فرمایا۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پرچم تھماتے ہوئے یہی حکم فرمایا:

عَلَى رِسْلِكَ حَتَّى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ فَوَاللَّهِ لَأَنْ يُهْدَى بِكَ رَجُلٌ وَاحِدٌ خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ.[19]

''متانت سے جاؤ، یہاں تک کہ جب تم ان کے میدان میں پہنچ جاؤ تو انہیں اسلام کی دعوت دینا اور جو اللہ کی طرف سے ان پر فرض ہے، اس سے انہیں آگاہ کرنا۔ اللہ کی قسم! اگر تمہارے ذریعے کسی ایک شخص کو بھی ہدایت مل گئی تو یہ عمل تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ اچھا ہے''۔

پھر یہی طریقِ کار خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اپنایا اور رہتی دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک اسوہ اور لائحہ عمل متعین ہو گیا؛ دعوت کے ذریعے بنیادی قوت فراہم کرنا اور پھر اس قوت کے ذریعے کفر کی قوتِ حاکمہ سے ٹکرانا اور اسے ختم

---

[17] صحيح البخاري؛ كتاب الجهاد، ص ٤٢٦

[18] صحيح البخاري؛ كتاب الجهاد، ص ٤٢٣

[19] صحيح البخاري؛ كتاب الجهاد، باب دعاء النبيﷺ الناس إلى الإسلام والنبوة، ص ٤٢٦

کر کے اقتدارِ اسلامی قائم کرنا۔ محض دعوت سے یہ کام نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لیے جہاد و قتال لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جابجا اپنے کلام میں اس کا حکم فرمایا:

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾ [التوبة:۲۹]

”جو لوگ اہل کتاب میں سے اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر (یقین رکھتے ہیں) اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام کی ہیں اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں، ان سے جنگ کرو۔ یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں“۔

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ [الأنفال:۳۹]

”اور ان کافروں کے خلاف قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین تمام کا تمام اللہ ہی کا ہو جائے۔ پس اگر یہ لوگ باز آجائیں، تو بلاشبہ اللہ اسے دیکھتا ہے جو کچھ یہ کرتے ہیں“۔

مفسر و محدث علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

”[یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے] یعنی کافروں کا زور نہ رہے کہ ایمان سے روک سکیں یا مذہب حق کو موت کی دھمکی دے سکیں۔ جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کفار کو غلبہ ہوا، مسلمانوں کا ایمان اور مذہب خطرہ میں پڑ گیا۔ اسپین کی مثال دنیا کے سامنے ہے کہ کس طرح قوت اور موقع ہاتھ آنے پر مسلمانوں کو تباہ کیا گیا یا مرتد بنایا گیا۔ بہر حال جہاد و قتال کا اولین مقصد یہ ہے کہ اہل اسلام مامون و مطمئن ہو کر خدا کی عبادت کر سکیں اور دولتِ ایمان و توحید کفار کے ہاتھوں سے محفوظ ہو (چنانچہ فتنہ کی یہی تفسیر ابن عمر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کتبِ حدیث میں منقول ہے)۔

[اور دین تمام کا تمام اللہ ہی کے لیے ہو جائے] یہ جہاد کا آخری مقصد ہے کہ کفر کی شوکت نہ رہے۔ حکم اکیلے خدا کا چلے۔ دین حق سب ادیان پر غالب آجائے۔ ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ [التوبہ:33] خواہ دوسرے باطل ادیان کی موجودگی میں جیسے خلفائے راشدین وغیرہم کے عہد میں ہوا، یا سب باطل مذاہب کو ختم کر کے، جیسے نزول مسیح کے وقت ہو گا۔ بہر حال یہ آیت اس کی واضح دلیل ہے کہ جہاد و قتال خواہ ہجومی ہو یا

دفاعی، مسلمانوں کے حق میں اس وقت تک برابر مشروع ہے جب تک یہ دونوں مقصد حاصل نہ ہو جائیں"۔

یہ طریقِ کار شریعت کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ عقل کے بھی مطابق ہے، کہ جب کوئی قوت انکار پر مصر ہو جائے تو پھر اسے سرنگوں کرنے کے لیے قوت کا استعمال ہی ناگزیر ہوتا ہے۔ اسی طرح جب اقتدارِ کفر اسلام کے مقابل کھڑا ہو جائے تو اس کے خاتمہ کے لیے جہاد و قتال کی قوت ناگزیر ہوتی ہے۔

جمہوری طریقِ کار کا بطلان

اسی سے معلوم ہوا کہ آج کے دور میں جو جمہوری طریقِ کار رائج ہے، وہ باطل ہے۔ ایک طرف نظامِ سلطنت قوت سے کفر کو نافذ و رائج کر رہا ہو، اور دوسری طرف خود سیاسی میدان فراہم کر رہا ہو کہ اس کی مرضی سے اس میں شرکت کر کے اصلاح کی درخواست کرو۔ بھلا ایسی درخواستوں سے بھی کبھی قوت زیر ہوتی ہے۔ اس وقت دنیا میں جہاں بھی جمہوری نظام رائج ہے، اس کے پیچھے عالمی طاقتوں اور عالمی نظام کا ہاتھ ہے اور وہ اپنی پسِ پردہ قوت سے مختلف ملکوں میں رائج جمہوریتوں کو چلاتے ہیں۔ نیز جمہوریت کو رائج کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اسلامی احکام کے نفاذ کی جگہ انسانوں کو قانون ساز بنا کر قانون سازی میں عالمی طاقتوں کے مصالح اور سیکولر اقدار کی رعایت کو یقینی بنایا جائے۔ اب ایسے میں کوئی یہ توقع لگا بیٹھے کہ وہ انہی قانون ساز اداروں کا حصہ بن کر ان کے ذریعے اسلامی قانون سازی کرے گا، اتنے میٹھے انداز میں محبت کے ساتھ درخواستیں دے دے کر اسلام نافذ کر والے گا، تو ایسا شخص اسلام اور کفر کی طبیعتوں ہی سے ناواقف ہے، وہ قوت وضعف کے فرق ہی کو نہیں سمجھتا، یا پھر جانتے بوجھتے خود کو فریب میں مبتلا کر رہا ہے۔

جمہوری طریقِ کار کی فرضی گنجائش وہاں ہو سکتی ہے جہاں کفر و اسلام کے معرکے میں قوت 'اسلام' کے ہاتھ میں آچکی ہو اور اسلامی احکام غالب ہو چکے ہوں، مسئلہ صرف انتقالِ اقتدار کا ہو، حاکم کے انتخاب کا ہو، ایسے میں جمہور کے ووٹ سے حاکم کا انتخاب کیا جائے۔ لیکن یہ صورت آج کسی جگہ بھی دستیاب نہیں ہے۔ آج مسلم ملکوں میں کشمکش اسلام وکفر کی ہے، دینِ اسلام اور نظامِ کفر کی ہے۔ کفر کا غلبہ ہے، کفری احکام و شریعت نافذ ہے، اس کی جگہ اقتدارِ اسلامی کے قیام اور احکامِ اسلامی و شریعتِ دینیہ کے نفاذ کا مسئلہ ہے۔ یہ قوت سے تبدیلی مانگتا ہے اور قوت سے تبدیلی کے لیے جہاد و قتال کا طریقہ ہی اسلام کا طریقہ ہے، شرعی طریقہ ہے۔ جمہوری طریقِ کار ایک باطل اور غیر شرعی طریقِ کار ہے؛ اپنے اصل کے اعتبار سے بھی، عمل کے اعتبار سے بھی اور انجام کے اعتبار سے بھی۔ اس کی اصل اللہ تعالیٰ سے قانون سازی کا حق چھین کر انسانوں کو تفویض کرنا ہے، اللہ کے قوانین کا انکار کر کے انسانوں کے لیے 'مطلق' قانون سازی کو جواز

فراہم کرنا ہے، اس کے عمل میں ہر قسم کے منکرات کا شیوع ہے؛ ہر عقیدے کو گنجائش فراہم کرنا، اہل کفر والحاد کے ساتھ مصالحت کرنا، ہر قسم کی بد اخلاقی پر خاموش رہنا ہے، اور اس کا انجام اقتدارِ کفری کا استحکام ہے۔ لہٰذا جو لوگ آج جمہوری طریقِ کار کو ہی اقتدارِ اسلامی کے قیام کا راستہ بتلارہے ہیں، صریح غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں اور اقتدارِ اسلامی کے قیام کی طرف قدم بڑھانے کی بجائے پس قدمی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

پھر جو لوگ جمہوری طریقِ کار کے ساتھ 'عدمِ تشدد' کا لاحقہ بھی لگا رہے ہیں تو وہ مسلمانوں کو دہری آزمائش میں مبتلا کرنے کا موجب ہیں اور دینی تعلیمات و شرعی طریقِ کار کی کھلی مخالفت کر رہے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ آج مسلم ملکوں میں اقتدارِ اسلامی کے قیام کا شرعی راستہ 'دعوت و جہاد' ہے، نہ کہ 'عدمِ تشدد' اور 'جمہوری جدوجہد'۔ جہاں تک اقتدارِ اسلامی کی موجودگی میں حاکم کی تبدیلی اور انتقالِ اقتدار کے ذیل میں خروج علی الحکام کا مسئلہ ہے تو اس کے احکام مفصل کتبِ فقہ میں موجود ہیں۔ چونکہ یہ ہماری واقعاتی دنیا سے تعلق نہیں رکھتا، اس لیے اس کے احکام یہاں بیان نہیں کیے جا رہے۔

۴۔ مسلمانوں میں دعوت واصلاح کا عمل

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہم بحکمِ خداوندی پورے اسلام پر عمل پیرا ہونے کے پابند ہیں۔ اسی اسلام کے احکام میں خود مسلمانوں کے اندر دین کے احکامات کو زندہ رکھنا، ان کی تعلیم دینا، ان کے مطابق مسلمانوں کی عادات واخلاق سنوارنا اور مسلمانوں کی زندگیوں میں دین پر عمل کو یقینی بنانا شامل ہے۔ رسول خاتم النبیین ﷺ کے فرائض میں سے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمائے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ [آل عمران: ۱۶۴]

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ انھی میں سے ان کی طرف ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے، انھیں (گناہوں اور برے اخلاق سے) پاک کرتا ہے، اور انھیں کتاب (قرآن) و حکمت (سنت) کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ وہ اس سے قبل کھلی گمراہی میں تھے"۔

رسول اللہ ﷺ نے جہاں دنیا میں قوت کے ساتھ اقتدار قائم کیا اور اس کے ذریعے دین کو دنیا میں غالب اور قائم کیا، وہاں قائم کرنے میں مسلمانوں کی زندگیوں میں دین نافذ کرنا شامل تھا۔ اور اس دین کے نفاذ میں

1) تعلیم یعنی مسلمانوں میں احکامِ دینیہ کی تعلیم عام کرنا،
2) تربیت یعنی مسلمانوں کی زندگیوں میں احکامِ دینیہ پر عمل کو یقینی بنانا، اور
3) تزکیہ یعنی مسلمانوں کی زندگیوں کو گناہوں اور برے اخلاق سے پاک کرنا شامل تھا۔

دوسری جگہ قرآنِ مجید نے ان تمام امور کے لیے جامع اصطلاح 'خیر کی طرف دعوت' اور 'امر بالمعروف و نہی عن المنکر' استعمال فرمائی اور اس کا دائرہ رسول اللہ ﷺ کے جانشینوں تک بڑھا دیا:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[آل عمران:۱۰۴]

"اور چاہیے کہ تم میں ایک جماعت ہو جو (لوگوں کو) خیر کی طرف دعوت دے اور انھیں نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

یہ تمام امور رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد امت میں جاری رہے، اسلامی اقتدار ان کی سرپرستی کرتا رہا، بلکہ اسلامی اقتدار کے فرائضِ منصبی میں یہ امور شامل رہے۔ مساجد کی تعمیر، مکاتب و مدارس کا قیام، علماء کے حلقے، اصلاح و وعظ کے زاویے اور خانقاہیں، پوری تاریخِ اسلامی میں بغیر کسی وقفے اور رکاوٹ کے ہمیشہ جاری رہے۔ اگرچہ ان میں منہمک ہو کر غلبہ کفر کے ماتحت جینے پر راضی ہو جانا ہرگز مقصودِ اسلام نہیں ہے، لیکن غلبہ کفر کے خاتمے کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ، پہلو بہ پہلو، ان تمام کاوششوں کو جاری رکھنا بھی ناگزیر ہے۔ یہ تمام شعبے مسلمانوں کی زندگی کا لازمی حصہ ہیں اور اسلام کو مطلوب ہیں۔ بلاشبہ اقتدارِ اسلامی کے قیام کے لیے جہاد و قتال کے حکم کو دیگر احکام پر 'فوقیت' حاصل ہے اور دیگر تمام شعبوں سے زیادہ وسائل [افرادی و مالی] اسی میں صرف ہونے چاہییں، اس دورِ مغلوبیت میں یہی دین کا تقاضا ہے۔ تاہم اس کے ماتحت ان تمام شعبوں کو زندہ رکھنا بھی تمام مسلمانوں پر لازم ہے۔

یہ دو طرفہ عمل ہو گا تو اسلام کا حقیقی غلبہ ممکن ہو گا۔ ایک طرف کفر کی قوتِ حاکمہ سے جنگ ہے تو دوسری طرف مسلمانوں کی داخلی اصلاح و ترقی ہے۔ چاہیے کہ مسلمانوں کی داخلی اصلاح کے یہ تمام شعبے اقتدارِ اسلامی کے قیام کی جدوجہد اور جہاد و قتال کو تقویت فراہم کرنے والے ہوں، اور ان کے مابین کسی قسم کا تعارض پیدا کرنا کسی طور اسلام کو قابلِ قبول نہیں۔

۵۔ مسلمانوں میں وحدت پیدا کرنا، انھیں ایک امت بنانا

مذکورہ بالا تمام امور تبھی ممکن ہو پائیں گے جب مسلمانوں میں 'وحدت' پیدا کی جائے، انھیں ایک 'امت' بنایا جائے، ہر قسم کے 'تفرقہ' سے روکا جائے۔ اختلافِ آراء اور اختلافِ امور کو... شرعی حدود کے اندر... جگہ دے کر افتراق کا راستہ قطع کیا جائے۔ مسلمانوں میں جب تک... مرکزی خلافت کی شکل میں... سیاسی وحدت قائم نہیں ہو جاتی، معنوی وحدت ضرور پیدا کی جائے۔ معنوی وحدت ہی سیاسی وحدت کے قیام کا وسیلہ ہوتی ہے۔ مسلمانوں میں اس وحدت کا پیدا کرنا ایک شرعی حکم اور نبوی فریضہ ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے جابجا اس کا حکم فرمایا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾ [آل عمران:۱۰۳]

"اور اللہ کی رسی کو سب ملکر مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقے میں نہ پڑو، اور اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے"۔

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [آل عمران:۱۰۵]

"اور مت ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جو آپس میں متفرق ہو گئے، اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح احکام پہنچے آپس میں اختلاف کر لیا، اور یہ لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے"۔

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ [الشوری:۱۳]

"اس (اللہ) نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس کا حکم نوح علیہ السلام کو دیا تھا، اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جس کی ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا، وہ یہ کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ مت پیدا کرو"۔

رسولِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی ہی احادیث میں اجتماعیت میں جڑنے، باہم ایک رہنے اور افتراق سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وهذا الأصل العظيم... وهو الاعتصام بحبل الله جميعا وأن لا يتفرقوا... هو

"اللہ کی رسی تھام کر مجتمع رہنا اور تفرقہ نہ کرنا... یہ اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اہم اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں

من أعظم أصول الإسلام، ومما عظمت وصية الله به في كتابه، ومما عظم ذمه لمن تركه من أهل الكتاب وغيرهم، ومما عظمت به وصية النبي صلى الله عليه وسلم في مواطن عامة وخاصة۔ ... وباب الفساد الذي وقع في هذه الأمة بل وفي غيرها هو التفرق والاختلاف فإنه وقع بين أمرائها وعلمائها وملوكها ومشائخها وغيرهم من ذلك والله به عليم۔[20]

اس کا حکم فرما کر اسے اہمیت دی اور جن لوگوں نے... بشمول اہلِ کتاب کے... اسے ترک کیا، ان کی مذمت فرما کر اسے اہمیت دی۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے عام وخاص مواقع پر اس کا حکم فرما کر اسے اہمیت دی۔ اس امتِ محمدی ﷺ میں ...بلکہ دیگر امتوں میں بھی... فساد کا دروازہ اسی افتراق نے کھولا۔ جو افتراق اس امت کے امراء، علماء، سلاطین اور مشائخ وغیرہ میں پیدا ہوا، اسی نے امت میں فساد کو راستہ دیا"۔

آج امت میں سب سے زیادہ کمی اسی کی نظر آتی ہے[21]، اور اہلِ کفر و باطل کی کوشش یہی ہے کہ مسلمانوں میں افتراق پھیلے، وہ باہم ایک نہ ہو سکیں۔ کہیں سیاسی عناصر کو ہوا دے کر افتراق پیدا کیا جاتا ہے، کہیں دنیوی مفادات اتحاد کے راستے میں حائل ہو جاتے ہیں اور کہیں فروعی دینی مسائل تفرقے کے باعث بن جاتے ہیں۔ مسلمان ان وجوہات کی بنا پر ایک دوسرے سے الجھ کر رہ جاتے ہیں اور اس تفرقے سے فائدہ اٹھا کر اہلِ باطل مضبوط اور نظامِ کفر مسلمانوں پر اپنی گرفت مضبوط کر لیتا ہے۔ بالخصوص اہلِ دین میں تفرقہ پیدا کرنے کو عالمی کفری اور مقامی طاغوتی طاقتیں اپنے لیے ناگزیر سمجھتی ہیں، انہیں معلوم ہے کہ جب اہلِ دین طبقہ ایک ہو گیا اور ان کی پشت پر عوام کھڑے ہو گئے تو بس یہی ان کے لیے موت کا پیغام ہے۔

ان حالات میں مسلم امت کے حق میں لازم ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے تمام مکاتبِ فکر... اہل السنۃ کی حدود میں رہتے ہوئے... اتفاق پیدا کریں، اپنے درمیان اہل السنۃ سے خروج کی کسی شکل کو بھی موقع فراہم نہ کریں۔ دین کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والے آپس میں نزاع پیدا نہ کریں، ہر ایک شرعی حدود کی پاسداری اور غیر شرعی امور کی روک

[20] رسالة الألفة بين المسلمين؛ ص ٢٧، دار البشائر الإسلامية، بيروت لبنان

[21] یہ معاملہ آج ہی کا نہیں ہے، بلکہ غربتِ اسلام کے سابقہ ادوار میں بھی یہی وہ مصیبتِ عظمیٰ تھی جس نے کفر کے مقابلے میں اسلام کے غلبے میں رکاوٹ پیدا کی۔ بلکہ یہ تو الٰہی سنت ہے کہ تفرقہ وتنازعہ نصرت وغلبہ میں مانع ہوتا ہے۔ یاد کرنا چاہیے کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نصف صدی تک تحریک چلانے کے بعد آخرِ کار گرفتار ہوئے اور پھر زندگی کے آخری ایام میں رہا ہوئے تو انھوں نے مسلمانوں کی ذلت کے دو ہی اسباب قرار دیے، ان میں سے ایک مسلمانوں میں وحدت کا نہ ہونا تھا۔

تھام کرتے ہوئے یک جان ہونے کی کوشش کرے۔ اہلِ باطل کے مقابل اہلِ دین طبقہ ایک ہو جائے، اسی ایک ہونے سے مسلمان عوام کی وابستگی پیدا ہو گی اور اہلِ باطل تنہا ہو جائیں گے۔ علماء واہلِ مدارس، زاویوں اور خانقاہوں کے مشائخ، داعیانِ دین اور اہلِ تبلیغ سب ایک صف بن جائیں اور یہ تمام اپنے اپنے خطوں میں کفر کی بالا دستی کے خلاف لڑنے والے اہلِ حق مجاہدین کے شانہ بہ شانہ کھڑے ہو جائیں۔

یہ تبھی ممکن ہو گا جب مجاہدین معاشرے میں موجود علمائے کرام اور اہلِ دین کی قدر جانیں، علمائے کرام سے رہنمائی لینا اپنے اوپر لازم سمجھیں، ان کے سامنے کندھے جھکائیں، ان کا عزت ووقار مسلمان عوام میں پیدا کرنا اپنا فرض سمجھیں۔ اور دوسری طرف علمائے کرام، داعیانِ دین اور دیگر اہلِ دین غلبہ اسلام کے راستے میں مجاہدین کو اپنی قیادت سمجھیں، اہلِ باطل کے مقابل ان کا ساتھ دیں، ان کے تحت مسلمان عوام کو جمع کریں اور ان کی پشتیبانی کو اپنا فریضہ باور کریں۔ اور یہ وحدت بھی اس وقت قائم ہو گی جب اہلِ دین کے تمام طبقات ایک دوسرے سے محبت کرنے والے بنیں گے۔ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

والألفة إحدى فرائض الدين وأركان الشريعة ونظام شمل الإسلام۔[22]

”مسلمانوں کے مابین محبت دین کے محکم فرائض اور شریعت کے ارکان میں سے ایک ہے، اور یہی اسلام کی جمعیت کی بنیاد ہے“۔

صالح قیادت تلے جمع ہونا

’وحدت‘ پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مسلم امت اور مسلمان اپنے میں سے صالح قیادت کے تحت جمع ہوں۔ عالمی طاقتوں اور عالمی نظام نے جن لوگوں کو مسلمانوں پر براہِ راست مسلط کر رکھا ہے یا جن کے مسلط ہونے میں بالواسطہ موید ہیں، ان کی سیادت سے انکار کیا جائے۔ اور مسلمانوں میں سے ایسے لوگوں کو قیادت پر فائز کیا جائے جن کا کردار پاک صاف ہو، جن کی دین سے وابستگی شک سے بالاتر ہو، جو للّٰہیت و تقویٰ میں درجہ کمال پر فائز ہوں، جن کے اخلاق نبوت کے آئینہ دار ہوں، جو علم و فہم میں گہرائی کے حامل ہوں، جن کا فہمِ دین سنت وجماعتِ صحابہ اور سلفِ صالحین کے علم سے ماخوذ ہو، ارجاء سے بھی محفوظ ہو اور خارجیت سے بھی پاک، جن کے فیصلوں اور آراء میں خواہشاتِ نفسانی کا دخل نہ ہوتا ہو، جن میں حبِ جاہ وحبِ منصب کا شائبہ بھی نہ پایا جاتا ہو، جو ہر کس وناکس سے نصیحت اور خیر کی بات کو قبول

[22] إكمال المعلم بفوائد مسلم؛ ج ١، ص ٢٧٦، دار الوفاء المنصورة مصر

کرتے ہوں، تکبر وعناد ان میں نہ ہو، جن کے دل امت کے غم میں گھلتے ہوں اور جو دشمنانِ دین وامت کے خلاف صفِ اول میں نظر آتے ہوں۔

یہ وہ لوگ نہیں ہوسکتے جن کی سیاست کا محور دین کی بجائے 'دنیا' ہو، منصب وکرسی جن کا مقصود ہو، جن کے نزدیک مسلمانوں کی مظلومیت کی کوئی قیمت نہ ہو جب تک کہ ان کا سیاسی مفاد وابستہ نہ ہو، کفر کے سامنے مداہنت جن کا مسلک ہو، اہلِ باطل سے دوستی وتعلق جن پر گراں نہ گزرے، جھوٹ وفریب جن کی نمایاں نشانی ہو، جن کے کردار میں قربانی وایثار کی کوئی جھلک نہ ہو، جن کے پیکر اخلاص سے تہی داماں ہوں اور نمود ونمائش جن کا طبیعت ہو۔

اسی طرح مسلمانوں کی قیادت کا حق وہ بھی نہیں رکھتے جن کے ہاتھ خونِ مسلم سے رنگین ہوں، مسلم ملکوں کی افواج کا تو ذکر ہی نہیں کہ وہ تو ہیں ہی کفر کی فرنٹ لائن [23]، یہاں بات ان کی ہے جو غلبہ اسلام کی دعوت لے کر اٹھا ہو۔ جو بھی خلافت وجہاد اور مسلمانوں کے دفاع کے نام پر اٹھیں لیکن 'ناحق' تکفیر کر کے، آدابِ قتال میں شرعی حدود سے تجاوز کر کے اور اہل السنۃ سے ہٹی ہوئی 'خودساختہ' تاویلات کر کے خونِ مسلم کو مباح کرنے لگیں، ایسے لوگ مسلمانوں کی صالح قیادت نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح جو مسلمانوں کی عزت وناموس کی قدر نہ جانتے ہوں، علمائے کرام کو ان کا حق نہ دیتے ہوں، صرف اپنے آپ کو حق پر اور باقی سب کو باطل سمجھتے ہوں، اہلِ سنت کے مسلک سے ہٹے ہوں، مسلمانوں کے اموال پر ناجائز قابض ہونا روا سمجھتے ہوں، بھتہ خوری جن کا شیوہ ہو، غلو جن کے فکر وعمل کی لازمی صفت ہو، دوست ودشمن کی تفریق سے عاری ہوں، جن کے فیصلے قومی وقبائلی عصبیت اور حبِ جاہ کے زیرِ اثر ہوتے ہوں... ایسے لوگ مسلمانوں کی صالح قیادت نہیں ہوسکتے۔

مسلمانوں کی صالح قیادت وہی ہیں جو دنیا بھر میں پون صدی سے عالمی طاقتوں کے مقابل سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑے ہیں، جن کی زمام یادگارِ اسلاف امیر المؤمنین ملا محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ نے تھامی تھی اور آپ کے بعد آپ کے جانشینوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور جو اخلاص ولگن، للّٰہیت وتقوی اور بے غرضی وبے لوثی کے ساتھ ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مختلف مسلم ملکوں میں عالمی طاقتوں اور ان کے مقامی آلہ کاروں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں اور جن کی پشت پر معاشرے کے صالحین، علمائے صادقین، داعیانِ دین موجود ہیں۔

[23] اور ان کے خلاف جہاد وقتال فرض، ان کا خون بہانا مباح اور ان کی قوت توڑنا لازم۔

آخری بات

یہ وہ بنیادیں ہیں جن پر موجودہ دور میں احیائے دین کی تحریک جاری ہے اور اسی تحریک سے امید ہے کہ یہ دنیا میں اسلام کو عروج اور رفعتوں کی منزل تک پہنچائے گی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر مسلمان اس تحریک کا حصہ بنے۔ خوش نصیب وہ ہے جو اس تحریک کا ہراول دستہ بنے اور کفارِ عالم کے مقابل صفِ اول میں مجاہدین کے قافلے میں شریک ہو جائے۔ حمیتِ دینی کا تقاضا ہے کہ نوجوانانِ امت اپنی جوانیاں اس دین کے لیے تج دیں اور اس امت کے دفاع اور دینِ اسلام کی سربلندی و غلبے کے لیے جہاد کے میدانوں کا رخ کریں۔ جو لوگ میدانوں میں حاضری کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو ان پر لازم ہے کہ وہ مسلمانوں میں ان بنیادوں کو زندہ کرنے، رائے عامہ ہموار کرنے، شکوک و شبہات اور غلط افکار کا ازالہ کرنے، غلبہ اسلام کی تحریک کو مضبوط کرنے میں ہر ممکن کردار ادا کریں۔ اس کام کو اپنی ذمہ داری سمجھیں، خود کو اس تحریک اور اس قافلے سے جوڑیں جو اس دور میں اسلام کی بالادستی کے لیے برسرِ عمل ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو دین کا صحیح فہم عطا فرمائیں، اس پر کماحقہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، کفارِ عالم کو مغلوب اور اہلِ اسلام کو غالب فرمائیں اور پوری دنیا میں اللہ کے کلمے کو سربلند اور اسلام کو غالب فرمائیں، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

دین کا متبادل بیانیہ

علماءِ کرام کے لئے لمحۂ فکریہ

اقتباس: عید الفطر 1439ھ کا پیغام از مولانا عاصم عمر

”تاریخ نے ایسا تاریک اور دجل و فریب کا دور کہاں دیکھا ہو گا جہاں حق و باطل کے معیارات ہی الٹ دیے گئے ہوں۔ اللہ کے دین سے محبت کرنے والے انتہا پسند کہلانے لگیں، اللہ کی زمین پر اللہ کی شریعت کا مطالبہ کرنے والے واجب القتل قرار پائیں، رحمۃ للعالمین ﷺ کی حرمت پر جان قربان کر جانے والے باغی بنا کر پھانسی کے تختے پر چڑھائے جانے لگیں، شریعت کے لیے قتال فی سبیل اللہ حرام اور سودی نظام کی حفاظت کے لیے جنگ جہاد قرار پائے، کفریہ سودی نظام کی حفاظت کی خاطر جان دینے والے شہادت کے رتبے پر فائز ہونے لگیں، اور جو شریعت کے نفاذ کے لیے اسلحہ اٹھائے وہ مستحق جہنم قرار پائے۔ ظلم یہیں نہیں رکا بلکہ نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ مسلمان سے اس کا دین و ایمان چھیننے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ محمد ﷺ کے لائے دین کے مقابلے دین کا ”متبادل بیانیہ“ تیار کر کے مسلمانوں کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ بھی اس متبادل دین پر ایمان لانے کا اعلان کریں۔“

....

”جو قلم کل تک قادیانی و غامدی بیانیے کو گمراہی قرار دیتے تھے، اب وہی بیانیہ ان کی جانب منسوب ہو کر محمد ﷺ کے لائے دین کا متبادل بنا دیا گیا ہے۔ جو قلم کل تک امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو افضل جہاد ثابت کیا کرتے تھے، اس پر جان قربان کرنے کو افضل شہادت کہا کرتے تھے، آج وہی قلم، کفر کے مراکز اور حرام کاری کے اڈوں کی حفاظت کی اہمیت کو ثابت کر رہے ہیں۔ دین کا یہ ”متبادل بیانیہ“ محض اولیٰ و غیر اولیٰ سے متعلق نہیں ہے جنہیں معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے، بلکہ جھوٹ کی صنعت میں ڈھلے یہ فتاویٰ کفریہ

نظام، سودی مراکز اور زناکاری کے اڈوں کی حفاظت کو جہاد ثابت کر رہے ہیں۔ جب کہ ان اللہ والوں کی جان و مال کو مباح بتا رہے ہیں جو اس دجل کے دور میں شریعت کی شمع اٹھائے پوری انسانیت کو تاریکی سے نکالنے کے لیے نکلے ہیں۔‘‘

....

’’اب صرف جہاد کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اسلام کے دشمن آپ سے آپ کا ایمان بھی چھین لینا چاہتے ہیں۔ تمہارے نبی کے دین کے مقابلے دین کا متبادل بیانیہ پیش کیا گیا ہے، جس میں کفریہ نظام کے خلاف جہاد نہیں ہو گا۔ الاسلام یعلو ولا یعلیٰ کا تصور نہیں ہو گا، محمد ﷺ کی لائی شریعت کے غلبے کی بات نہیں ہو گی، مسلمان ہندوؤں کے ساتھ ہولی کھیل کر بھی مسلمان باقی رہے گا، جس میں کفریہ شعائر کی تعظیم و احترام کو دین کا حصہ بنا دیا جائے گا، مرتد و مسلمان برابر سمجھے جائیں گے، اقوام متحدہ کے کفریہ چارٹر کو دین کا حصہ قرار دیا جائے گا اور قرآن کی محکم آیات و احکامات کو قرآن سے خارج کر دیا جائے گا‘‘۔

....

’’اب محمد ﷺ کے لائے دین کی تعبیر و تشریح علمائے حق کی بجائے نبی کے دشمن قادیانی کے شاگرد قادیانی و غامدی کیا کریں گے اور بندوق کی نوک پر علما کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ بھی اس بیانیے اور اسی تعبیر کی تصدیق کریں۔‘‘

....

’’جو دین جدید پر آجائے گا وہ پکا ٹھکا مسلمان کہلائے گا جس کے ایمان کو کوئی بھی کفر نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ خواہ وہ کفر کرے، اسلامی شعائر کا مذاق اڑائے، ہندوؤں کے ساتھ ہولی کھیلے، سودی نظام کی حفاظت کی خاطر مردار ہو، اللہ کی شریعت سے ساری عمر جنگ کرتا رہے، کہ اب فرد کے کفر و اسلام کا فیصلہ علمائے حق نہیں بلکہ کفریہ عدالتوں کے جج کیا کریں گے۔ اور اگر اس کے مقابلے میں کسی نے چودہ سو سال پہلے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دین

پر اصرار کیا، دین کو سلف صالحین سے سمجھنے پر بضد رہا، اسے دہشت گردی کے نام پر مار کر تمہارے گلی کوچوں میں پھینک دیا جائے گا، بلکہ دین سے ہی خارج کر دیا جائے گا"۔

....

"مغل بادشاہ اکبر نے بھی دین الٰہی کے نام سے دین کا متبادل بیانیہ تیار کیا تھا اور ریاستی طاقت کے ذریعہ اسے مسلمانوں پر تھوپنے کی کوشش کی تھی، اس نے بھی اپنی قوت کے زور پر وقت کے بڑے بڑے علماء کو مجبور کر کے اپنے ساتھ کھڑا کیا تھا۔ لیکن کیا ہوا؟ دین اکبری بچا یا محمد ﷺ کا لایا دین باقی رہا؟ چنانچہ اس ریاستی بیانیے کا انجام بھی وہی ہو گا جو دین اکبری کا ہوا"۔

....

" اے کتاب و سنت کی تعبیر کی حفاظت کرنے والو! اپنے ایمان کو بچانے کی خاطر بیدار ہو جائیے، اپنے مدارس کی حفاظت کی خاطر اٹھ جائیے، شریعت کے دشمنوں کے ظلم و جور اور دھونس و دھمکیوں سے نہ گھبرائیے! باطل حق کو مٹا نہ سکے گا! باطل کو حق ثابت نہ کیا جا سکے گا! محمد ﷺ کے لائے دین کو رینڈ کارپوریشن کے دین سے بدلا نہ جا سکے گا! ہاں مسئلہ اپنے اپنے ایمان کا ہے! مسئلہ اپنی اپنی آخرت کا ہے! وہاں زبانوں پر تالے ڈال دیے جائیں گے، سرکاری تاویلات اور متبادل بیانیہ تیار کرانے والے ساتھ چھوڑ جائیں گے! اس دن کی فکر کیجیے جب دلوں کے بھید ظاہر کر دیے جائیں گے!

....

"جہاد کے خلاف جتنی بھی سازشیں کر لی جائیں، جہاد کو بدنام کرنے کے لیے داعش جیسے خوارج کھڑے کر دیے جائیں، یا جہاد کو ریاستی اداروں کا محتاج بنا کر جہاد کو ناکام ثابت کیا جائے، جہاد ترو تازہ رہے گا۔ سرکاری و درباری بیانیوں کے ذریعے امت مسلمہ کو اب جہاد سے روکا نہیں جا سکے گا!"

ومن كان يؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلیحفظ جارہ

چین دوست نہیں!

استاد اسامہ محمود

"واللہ ہم شام میں لڑیں یا یہاں (افغانستان میں)... فرض ادا ہو جاتا ہے، مگر کیا کریں اب صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، مظالم کی واللہ انتہا ہو گئی، دین ممنوع ہے، مکمل ممنوع... جوانوں سے جیل بھر گئے...باپ کے سامنے بیٹیوں کی عزتیں لٹیں، ہم کتنا صبر کریں؟ واللہ، ترکستان میں ہماری یہ مائیں اور بہنیں ہمارا انتظار کرتی ہیں، مگر ہم؟...ہم یہاں ہیں! کب جائیں گے؟ کب انہیں بچائیں گے؟...ٹھیک ہے بارڈر مضبوط اور راستے مسدود ہیں، مگر اللہ کی قسم... راستہ پھر بھی مل جاتا ہے، اللہ مدد کرتا ہے، ہمیں بہر صورت ترکستان میں داخل ہونا ہے... آپ بتائیں، ہم کیا کریں؟"

یہ ۲۲، ۲۳ سالہ نوجوان مقبوضہ مشرقی ترکستان کے مہاجر مجاہد تھے، چینی مظالم سے تنگ آکر انہوں نے پہلے شام ہجرت کی، چار سال وہاں لڑے اور اب افغانستان میں امارت اسلامی کے تحت یہاں جہاد میں مشغول ہیں، ان کے چہرے پر ایک پاکیزہ نور، انداز میں ایمانی حرارت اور سینے میں چٹان جیسا عزم دکھائی دیتا تھا، حیا ان کے چہرے سے ٹپک رہی تھی، جھکی نگاہوں کے ساتھ ہمارے سامنے زمین پر بیٹھے مٹی میں لکیریں کھینچ رہے تھے، پھر اچانک انہوں نے ایک گہری آہ بھری اور مخاطب ہو کر اوپر کے یہ کلمات کہے، ہم نے انہیں بہترین موقع کے انتظار، اپنی جماعت کے ساتھ جڑے رہنے، امراء پر اعتماد اور راہ جہاد پر صبر و استقامت کی نصیحت کی، پھر سمجھاتے بجھاتے گپ شپ میں ان کے والدین کے حوالے سے سوال کیا کہ ان سے آخری رابطہ کب ہوا؟ بولے "میرے والدین، ابا اماں اور جوان بہن...سب جیل میں ہیں" پوچھا "کب سے؟" بولے "چار سال سے!" یہ باتیں انہوں نے ایسے کرب کے ساتھ کہیں کہ میری بھی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ بولے "یہ صرف میری کہانی نہیں، ہماری پوری قوم اس درد سے گزر رہی ہے۔"

مشرقی ترکستان میں اسلام کی کیا حالت ہے؟ یہاں کے مسلمان کس کیفیت سے گزر رہے ہیں؟ اس کا ہمیں تھوڑا بہت پہلے بھی علم تھا، ترکستانی مجاہدین کے ساتھ تعلق بھی تھا مگر اب یہ پہلا موقعہ تھا کہ ان مجاہدین سے ہم نے براہ راست وہاں کے درد بھرے احوال سنے۔ یہ احوال بتانا اور ان کے پس منظر میں اپنے پاکستانی اہل دین بھائیوں کی خدمت میں گزارشات رکھنا اس مضمون کا مقصد ہے۔ ضروری ہے کہ پہلے مشرقی ترکستان کا مسئلہ اور وہاں کے مجاہدین کا تعارف مختصراً ذکر ہو، یہ علاقہ میڈیا میں ''سنکیانگ'' کے نام سے جانا جاتا ہے مگر یہ نام اس پر قابض چین کی طرف سے دیا گیا ہے۔ اس کا اپنا نام اسلامی مشرقی ترکستان ہے اور یہ ساڑھے تین کروڑ مسلمانوں کی سرزمین ہے، رقبہ کے لحاظ سے یہ پاکستان سے بڑا جبکہ چین کے کل رقبہ کا پانچواں حصہ ہے۔ یہاں کی تہذیب، نسل، زبان، رسم و رواج، تاریخ اور سب سے اہم یہاں کے رہنے والوں کا دین چین سے مکمل طور پر مختلف ہے۔ چینی تہذیب دین سے بغاوت، شرکیہ خرافات اور غلیظ ترین حیوانیت کا مرکب ہے جبکہ یہاں اسلام ہے، اللہ کی عبادت اور عفت و پاکیزگی سے محبت ہے اور چینی دین اور تہذیب سے گہری نفرت ہے۔ یہاں ایغور قوم آباد ہے جس کی زبان چینی زبان سے بالکل مختلف ہے۔ اس ایغوری زبان کا رسم الخط چینی نہیں بلکہ عربی ہے۔ یہاں کی تاریخ چین کی جگہ عالم اسلام کے ساتھ جڑتی ہے۔ یہاں کا مرکزی شہر کاشغر ہے، یہ شہر ہمارے ہاں اقبال کی شاعری کے سبب بھی مشہور ہے، اقبال رحمہ اللہ اپنے ایک شعر میں جب مسلم امت کی وحدت اور اسلام کے رشتے سے ایک اکائی ہونے کا بیان کرتے ہیں تو اس میں کاشغر کے مسلمانوں کا بطور خاص ذکر کرتے ہیں۔

'ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے، نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاک کاشغر'

آج کاشغر کے مسلمانوں پر بدترین ظلم ہو رہا ہے مگر وطن عزیز میں اس ظلم پر خاموشی ہے اور یہ خاموشی اقبال کو قومی شاعر قرار دینے والوں کے ہاں 'قومی مفاد' کے تحت ضروری ہے۔ شہر کاشغر کو پہلی صدی ہجری میں قتیبہ بن مسلم باہلیؒ نے فتح کیا، پھر اسی صدی میں اسلام یہاں سے پورے ترکستان میں پھیلا اور ترکستانی مسلمانوں نے ہی اس کی دعوت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے وسطی چین تک اس کا نور پہنچایا۔ چینیوں نے جب ۱۷۶۰ء میں پہلی دفعہ اس پر قبضہ کیا تو اس قبضے کے خلاف بھی اس وقت تحریک اٹھی اور لاکھوں مسلمان اس میں شہید ہوئے۔ تب یہ تحریک کامیاب ہوئی، چینیوں کو باہر نکالا گیا اور اسلامی حکومت بھی قائم کی گئی مگر ہر کچھ عرصہ بعد چینی دوبارہ حملہ آور ہوتے اور یوں یہ کشمکش جاری رہتی۔ ۱۸۶۵ء میں یعقوب بک نے چینیوں کو نکال باہر کر کے جب یہاں اسلامی حکومت قائم کی تو اس نے خلافت عثمانیہ

کے ساتھ الحاق کا بھی اعلان کیا اور پھر کئی سال تک یہ سرزمین خلافت عثمانیہ کے ساتھ مربوط رہی۔ ۱۹۴۸ میں ماؤزے تنگ جب اقتدار میں آیا تو اس نے ایک دفعہ پھر ترکستان پر چڑھائی کی اور اس سے ظلم وستم کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا، کمیونسٹ چین نے اس جارحیت میں ۳۵ لاکھ مسلمانوں کو شہید کیا۔ ماؤزے تنگ کا شروع کردہ ظلم جاری رہا جو آج اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ کمیونسٹ چینیوں کا ہدف محض تحریک آزادی کو ختم کرنا قطعاً نہیں ہے، ان کا ہدف خود اسلام اور مسلمان ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب محض اسلام پر عمل کے سبب مسلمانوں کو ہدف بنایا جاتا ہے تو ردعمل میں مسلمان تحریک آزادی میں شامل ہوتے ہیں۔ یہاں کے مسلمانوں کی غیرت ایمانی کو سلام ہے کہ یہ اس سارے دور میں سرخ آندھیوں کے مقابل کبھی تسلیم نہیں ہوئے۔ یہ بلاشبہ ایک عظیم زندہ قوم ہے، کہ بدترین مظالم اور دشمن کی طرف سے گھٹیاترین مکروفریب کے مقابل بھی اسلام پر ڈٹی اپنے دین کو محفوظ کیے ہوئے ہے۔

ان مسلمانوں کے ہاں اپنے دینی وتہذیبی تشخص قائم رکھنے کی اس مبارک جدوجہد کا سلسلہ یہاں کی پوری تاریخ میں کبھی نہیں ٹوٹا۔ آج بھی اپنے اس ایمان پرور ماضی کا تسلسل بنی یہاں کے مجاہدین کی ایک مبارک جماعت 'حزب الاسلامی ترکستان' ہے۔ یہ جماعت تیس سالوں سے زائد عرصہ سے تحریک آزادی کی قیادت کررہی ہے۔ حزب اسلامی ترکستان کے مؤسس ذمہ داروں نے امارتِ اسلامی افغانستان کے پہلے دور (۱۹۹۶ - ۲۰۰۱) میں یہاں افغانستان بطورِ جماعت ہجرت کی اور امارتِ اسلامی کے دفاع واستحکام میں پیش پیش رہے، پھر امارت کے سقوط کے بعد پاکستانی قبائل کے اندر ان کی بڑی تعداد مصروفِ جہاد رہی، انہوں نے خراسان میں امریکہ کے خلاف جہاد میں جہاں بھرپور حصہ ڈالا وہاں ساتھ ساتھ ترکستانی مسلمانوں کے زخموں پر مرہم رکھنا اور انہیں آزادی دلانا بھی ان کا ہدف رہا۔ اس طرح شامی مظلوموں نے جب مدد کے لیے امت کو پکارا تو خراسان، ترکستان اور دنیا کے دیگر حصوں میں مقیم ترکستانی مجاہدین لشکر در لشکر وہاں پہنچ گئے۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے کہ امت کے غالب طبقہ نے تو خود انہیں تن تنہا دشمن کے رحم وکرم پر چھوڑا ہے مگر انہوں نے امت کے زخموں کو کبھی دوسروں کے زخم نہیں سمجھا۔ امت کے امت ہونے کا تصور ان کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر سمجھا سکتا ہے۔ جہاں بھی امت مسلمہ پر ظلم ہوا تو یہ مظلوم ہوکر بھی وہاں پہنچے اور مظلوموں کے زخموں پر مرہم رکھتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں جہادی تحریکوں کو یہ مجاہدین اپنی تحریک سمجھتے ہیں اور کہیں پر بھی کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتے ہیں، جب یہ مجاہدین شام پہنچے تو جہاں انہوں نے بے شمار شہداء پیش کیے اور جہاں جہاد شام کی کامیابی میں اپنی اعلی صلاحیتیں پیش کیں وہیں فتنہ داعش کے سامنے بھی یہ ڈٹے رہے۔ ان کے قدم اس فتنے میں بھی

ایک لمحے کے لیے نہیں ڈگمگائے بلکہ اس مرحلے پر بھی یہ ثابت قدم رہے اور علمائے حق کی رہنمائی میں داعشی فساد کا ہر محاذ پر مقابلہ کیا۔ ہمیں یہ گواہی دینے میں کوئی تردد نہیں کہ یہ مجاہدین جہاں بھی رہے، ان کے بارے میں ہم نے خیر سنی اورالحمدللہ انہیں خیر پھیلاتے دیکھا ہے (نحسبهم كذالك والله حسيبهم)، ان کی نرم خوئی، خوش اخلاقی، اتباع شریعت اور جہاد کے ساتھ شدید لگاؤ جہادی صفوں میں مشہور ہے۔ ان کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ انہوں نے چونکہ اپنی تحریک کو شریعت کے کھونٹے سے باندھا ہے اس لیے چین جیسے بڑے دشمن کے خلاف بھی اپنے جہاد میں امت کے کسی دوسرے قاتل کے کھیل کا مہرہ کبھی نہیں بنے، خود امریکہ نے بھی الكفر ملة واحدة کے مصداق بن کر کبھی انہیں 'اچھے دہشت گرد' نہیں سمجھا بلکہ جب کبھی بھی چین اور امریکہ کے درمیان کسی سطح کی مفاہمت ہوئی تو اس کا فوری نتیجہ ان بھائیوں پر امریکہ کے خصوصی چھاپوں اور بمباریوں کی صورت میں نظر آیا۔ اللہ ان مجاہدین کی مدد و نصرت فرمائے، انہیں ہدایت پر رکھے، امت کے لیے انہیں باعث ہدایت رکھے اور اللہ امت کو ان کا حق ادا کرنے کی توفیق دے، چین کے ہمہ گیر حملے کے مقابل ان مجاہدین کا وجود اور دین و شریعت سے جڑے رہنے کی ان کی چاہت آج کے اس دور میں کسی معجزہ سے کم نہیں۔ انہیں دیکھ کر بے اختیار اللہ کی ثنا زبان پر آتی ہے کہ اللہ کیسے گھپ اندھیروں میں بھی اپنے دین کی حفاظت کے لیے رجال پیدا کرتا ہے۔ ان مجاہدین سے ہم نے ترکستان کے تفصیلی احوال سنے اور اس داستان غم نے بلاشبہ ہمارے دل زخمی اور رونگٹے کھڑے کر دیے، یہ درد بھرے احوال اپنی پاکستانی عوام تک پہنچانا ہم اپنے اوپر اپنی امت کا قرض سمجھتے ہیں۔ اس لیے پہلے یہ احوال پیش خدمت ہیں پھر آگے اس نکتے پر بات ہوگی کہ ان احوال میں پاکستان کے اندر ہمارے اہلِ دین اور داعیانِ دین کی کیا ذمہ داری بنتی ہے:

- ترکستان کو فلسطین کی طرح مسلمانوں کا ایک وسیع و عریض قید خانہ اگر کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ یہ مسلمان ضروری سہولیات اور بنیادی آزادیوں سے بالکل محروم ہیں۔ ویسے تو چین میں صنعتی ترقی اپنے عروج پر ہے مگر ترکستانی مسلمانوں کو باقاعدہ منصوبے کے تحت پسماندہ رکھا گیا ہے۔ ہر وہ شخص جو اسلام کا نام لیتا اور اسلام کے ساتھ اپنا تعلق جوڑتا ہے اس کے لیے ملازمتوں کے دروازے یہاں بند ہیں۔
- تمام تر اسلامی شعارات پر پابندی ہے، حجاب اور اسلامی لباس بھی مکمل طور پر ممنوع ہیں، ایک وقت تھا جب چوراہوں اور راستوں میں لگے بڑے بڑے سائن بورڈوں کے ذریعے حجاب اتار پھینکنے کی 'محض' ترغیب دی جاتی تھی۔ حجاب والی خواتین پر غلیظ قسم کی لعن طعن ان کتبوں پر لکھی ہوتی تھی (مجاہدین نے ایسے سائن

بورڈوں اور کتبوں کی تصاویر ہمیں دکھائیں جن پر حجاب کے خلاف نعرے تھے۔ مثلاً ایک پر لکھا تھا ''اپنا حجاب اتار پھینکو تاکہ حسین شہر کی خوبصورتی خراب نہ ہو' دوسرے پر لکھا تھا 'حجاب اتارو اور اپنی زلفوں سے دوسروں کو مسحور کرو') یہ تین سال پہلے تک کی حالت تھی جبکہ اب ترغیب اور زبانی طعن و تشنیع سے معاملہ آگے بڑھا ہے، اب اگر کہیں کوئی خاتون حجاب یا اسلامی لباس کے ساتھ نظر آئے تو پولیس اس کو ایسے دھرتی ہے جیسے کسی ڈاکو اور قاتل کو پکڑا جاتا ہے، سکیورٹی کے مرد اہلکار اس کے حجاب کو زبردستی اتارتے ہیں اور اگر خاتون تھوڑی سی بھی ناگواری کا اظہار کرے تو اسے زود کوب کرکے جیل میں ڈالا جاتا ہے۔

- ان حالات میں مسلمان خواتین گھروں کے اندر پردہ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دیتی تھیں مگر یہ اختیار بھی ان سے لیا گیا، اب تمام خواتین کو مردوں کے بیچ جبراً نکلنا ہوتا ہے۔ قصبوں کی سطح پر ایک اسٹیڈیم متعین ہوتا ہے جہاں روزانہ کی بنیاد پر ٹھیک مقررہ وقت پر سب خواتین نے مردوں کے ساتھ جمع ہونا ہوتا ہے، ایسے میں انہیں بے ہودہ چینی لباس زیب تن کرنا لازم ہے۔ معمولی تاخیر پر بھی سزا دی جاتی ہے۔ میدان میں جمع ہو کر پھر چینی جھنڈے کے سامنے سب حاضرین سے سلامی دلوائی جاتی ہے اور چین کے ملی نغمے پڑھوائے جاتے ہیں۔
- مسلمان عورتوں کو مردوں کے ساتھ زبردستی اکٹھا نچوایا جاتا ہے، اس کے لیے خصوصی طور پر مخلوط اجتماعات مقرر کیے جاتے ہیں جہاں بوڑھے، جوان اور خواتین سب کو ڈھول کی تاپ پر بانہوں میں بانہیں ڈال کر ناچنا ہوتا ہے اور جو اس سے انکار کرے وہ جیل جاتا ہے۔
- راستوں اور عوامی مقامات میں اسلام کے خلاف کتبے لگائے گئے ہیں۔ جیسے 'اسلام عوام کا افیون ہے'، 'اسلام عربوں کا گھڑا ہوا جھوٹا دین ہے'، 'اسلام علم کا دشمن ہے' وغیرہ وغیرہ۔
- رمضان المبارک میں روزوں پر پابندی ہے، حکومتی نگرانی میں دن کے وقت ایسے فنکشن منعقد ہوتے ہیں جہاں جبراً کھانا کھلایا جاتا ہے، اس سے ان کا مقصد روزے سے منع کرنا ہوتا ہے تاکہ کوئی خفیہ روزہ نہ رکھ سکے۔ ان کھانوں میں شراب اور خنزیز کا گوشت بھی لازماً دیا جاتا ہے۔
- قرآن سیکھنا سکھانا مکمل طور پر ممنوع ہے۔ خلاف ورزی کرنے والے کے لیے قید کی سزا ہے۔ یہاں ترکستانی مجاہدین میں ایک نوجوان حافظ قرآن بھی تھے جو ہمیں نماز پڑھاتے تھے، جب قرآن پر پابندی کا سنا تو ہم نے

ان سے پوچھا کہ پھر آپ نے کیسے حفظ کیا ہے تو اس نے بتایا کہ دو سال مکمل طور پر زیر زمین تہہ خانے میں رہ کر اللہ کی کتاب حفظ کی ہے، دن کے وقت طلباء کو مکمل طور پر تہہ خانے میں رہنا ہوتا تھا جبکہ رات کے وقت ایک دو گھنٹے ہوا خوری کے لیے اوپر آتے تھے۔ اس مجاہد کے مطابق خود ان کے استاذ کا بھی چینیوں کو بالآخر پتہ چل گیا اور وہ گرفتار ہو کر قرآن سکھانے کے جرم میں اب بیس سال قید کی سزا کاٹ رہے ہیں۔

- دینی تعلیم کے لیے ترکستان سے باہر بھی سفر پر پابندی ہے، بلکہ اس بات کا مکمل اہتمام کیا گیا ہے کہ کہیں باہر کی اسلامی دنیا سے ترکستانی عوام کا کوئی رابطہ نہ ہو۔ موبائیلوں کے اندر ایک خاص قسم کی ایپ (app) لازم ہے، اگر کوئی اپنے موبائیل پر اسلامی مواد دیکھے تو اس ایپ سے چینی استخبارات کو پتہ چلتا ہے جو گرفتار کرنے فوراً پہنچ جاتی ہے۔
- اکثر شہروں اور قصبوں میں نوجوان کم اور بوڑھے و خواتین زیادہ ہیں، نوجوانوں کی بیشتر تعداد سلاخوں کے پیچھے جی رہی ہے۔ لاکھوں مسلمان آج جیلوں میں ہیں، اتنی بڑی تعداد کے لیے انتہائی وسیع و عریض علاقوں پر کئی منزلہ جیل بنائے گئے ہیں، ان جیلوں میں قیدیوں سے بیگار بھی لی جاتی ہے جبکہ انہیں اپنے رشتہ داروں سے ملنے ملانے پر بھی مکمل پابندی ہے۔ قیدیوں کو ماورائے عدالت قتل کرنے کے واقعات میں بھی آج کل کافی اضافہ ہوا ہے۔
- مردوں کی گرفتاری کے بعد پیچھے خواتین کے لیے گھر کا دروازہ چوبیس گھنٹے کھلا رکھنا لازم کیا گیا ہے، ایسے میں دن ہو یا رات چینی اہلکار جب چاہے کمروں کے اندر (خواب گاہ) تک میں آتے ہیں۔ ایسے میں عزتوں کی پامالی معمول بن گیا ہے۔ کئی بہنوں نے عزت بچانے کی خاطر دیواروں کے ساتھ سر ٹکرایا اور خودکشی کی۔ ان اموات سے بھی چینیوں کے دلوں میں کوئی رحم نہیں آیا بلکہ الٹا سانپ اور بچھو کھانے والے ان حیوانوں کے لیے خواتین کی یہ خودکشیاں بھی لذت و فرحت کا باعث ہیں۔
- پہلے ترکستانی مسلمانوں پر دو سے زیادہ بچے جننے پر پابندی تھی، اگر دو بچوں کے بعد بھی کوئی خاتون حاملہ ہو جاتی تو خاتون یا اس کے پیٹ میں موجود بچے میں سے کسی ایک کو ضرور قتل کرنا ہوتا مگر یہ پہلے کی پالیسی تھی، اب پندرہ سال سے پچیس سال کی لڑکیوں کو ایسے انجکشن لگائے جاتے ہیں کہ وہ آئندہ بچے پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتیں۔

- جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ چینی اور ترکستانی زبان، قوم، مذہب اور تاریخ و ثقافت ہر لحاظ سے ایک دوسرے سے مکمل طور پر مختلف ہیں، اب چین ترکستانی مسلمانوں کی اس انفرادیت کو مکمل طور پر مٹانے کے درپے ہے، اس مقصد کے لیے سکولوں میں صرف چینی زبان اور الحاد پر مبنی چینی نصاب پڑھایا جاتا ہے، جس سے ظاہر ہے مسلمانوں کی نئی نسل کو ملحد اور مشرک بنانا مقصود ہے۔
- پانچ سال کی عمر تک بچہ جب پہنچتا ہے تو اسے والدین سے چھین کر مذکورہ بالا سکولوں میں داخل کیا جاتا ہے، یہاں انہیں ہاسٹلوں میں رکھا جاتا ہے، تعلیم اور تربیت کا پورا نظام چینی کمیونسٹوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے، یہاں انہیں حرام کھلایا بھی جاتا ہے اور حرام کام سکھائے بھی جاتے ہیں۔ پندرہ دن بعد محض ایک رات کے لیے گھر جانے کی اجازت ہوتی ہے مگر اس پر استخبارات والوں کی ہمہ وقت نگرانی رہتی ہے، واپسی پر بچے کی تفتیش ہوتی ہے، اگر پتہ چل جائے کہ بچے سے گھر میں کوئی دینی بات (محض بات) کہی گئی ہے تو پھر والدین کو اٹھا کر بدترین تشدد سے گزارا جاتا ہے۔
- اسلامی ناموں پر مکمل پابندی ہے۔ باقاعدہ اسلامی ناموں کی فہرست نشر کی گئی ہے، ان میں سے کوئی بھی نام اگر رکھا گیا تو سزا دی جاتی ہے۔
- ٹی وی چینلوں میں اسلام کا تمسخر اڑانا اور اسلام کے خلاف دعوت روزانہ کی نشریات کا بڑا اور لازمی حصہ ہے۔ اس طرح ان چینلوں پر غلیظ ترین فحاشی بھی دکھائی جاتی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ان چینلوں کا دیکھنا ہر ترکستانی پر لازم کیا گیا ہے اور نہ دیکھنے والوں کو جرمانے اور سزا سے گزرنا ہوتا ہے۔
- امام مسجد کی ذمہ داری ہے کہ وہ نماز کے بعد چینی جھنڈے کو نمازیوں سے سلامی دلوائے، اس طرح اذان کے الفاظ تبدیل کرنے کے لیے بھی سیکورٹی اداروں کی طرف سے دباؤ ڈالا جارہا ہے، کئی علاقوں میں یہ تبدیلی ہوئی بھی ہے جہاں اب اذان کے اندر صدر 'زی جن پنگ' کی تعریف، چین اور کمیونسٹ پارٹی زندہ باد جیسے نعرے شامل کیے گئے ہیں۔
- مسلمانوں کی مقامی معیشت کو بھی تباہ کرنے کے لیے منظم منصوبہ بندی پر عمل ہورہا ہے، وہ زمینیں جن کی قیمت پہلے لاکھوں ڈالر تھی آج دو دو ہزار ڈالر میں بھی کوئی نہیں لیتا۔

- باہر کے ممالک میں اگر کہیں ترکستانی نوجوان دینی علوم حاصل کرتے ہوں تو چینی حکومت وہاں کی حکومت کے ذریعے دباؤ ڈالتی ہے۔ ابھی حال ہی میں مصری حکومت نے کئی ایسے طلبۂ علم کو چین کے حوالے کیا جو جامعہ ازہر میں زیر تعلیم تھے۔ اس سے پہلے پاکستانی حکومت نے بھی دینی تعلیم حاصل کرنے والے کئی طلبا کو چین کے حوالے کیا ہے۔
- چینی یہاں ترکستانی مسلمانوں کی گھریلو چھریوں تک سے بھی خوف زدہ ہیں، اس لیے ہر گھر میں صرف ایک چھری رکھنے کی اجازت ہے جو باقاعدہ لائسنس پر دی جاتی ہے۔ یہ چھری بھی گھر کے اندر خاص جگہ زنجیر کے ساتھ بندھی ہوتی ہے تاکہ کوئی اسے اپنی حفاظت کے لیے استعمال نہ کر سکے۔ یہی طریقہ ہوٹلوں اور قصابوں کے ہاں بھی ہے جہاں چھریاں زنجیر کے ساتھ دیوار میں نصب ہیں۔
- ترکستانی سرزمین سے مسلمانوں کو دربدر کرنا اور ان کی جگہ چینی ملحدین کو یہاں آباد کرنا قومی ایکشن پلان کا حصہ ہے۔ اس مہم میں مسلمان خاندانوں کو جبراً چین منتقل کیا جاتا ہے اور ان کی جگہ چینیوں کو یہاں آباد کیا جاتا ہے۔ خود سی پیک کو بھی اس مہم کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ سی پیک کے اس پراجیکٹ میں مشرقی ترکستان کے اندر فیکٹریوں کو منتقل کیا جا رہا ہے، ان کارخانوں میں تمام تر مزدور چینی ہوں گے، ان چینی مزدوروں کی اتنی بڑی تعداد میں یہاں آباد ہونے سے مسلمانوں کی اکثریت اقلیت میں تبدیل ہو جائے گی۔
- ترکستانی مسلمان آج تین اقسام میں منقسم ہیں، ایک بڑا طبقہ اپنے دین اور تہذیب کے ساتھ محبت رکھنے والوں کا ہے۔ اس طبقہ کے افراد کو امید ہے کہ ایک نہ ایک دن یہ ظلم ختم ہو گا اور وہ آزادی کے ساتھ اپنے دین پر عمل کر سکیں گے۔ اس مقصد کے لیے یہ طبقہ اپنے پیاروں کو خود اپنے ہاتھوں ترکستان سے باہر جہادی میدانوں کی طرف روانہ کر رہا ہے۔ میدان جہاد میں آنے والے ایسے مہاجرین کی تعداد الحمدللہ مناسب ہے، ان مہاجرین کی کہانیاں انتہائی دردناک ہیں۔ کہیں بیوی اُدھر ہے تو شوہر اور چھوٹے بچے یہاں ہیں تو کہیں والدین ترکستان میں ہیں اور انہوں نے خود سے اپنے جوان بیٹا بیٹی کو میدان جہاد میں بھجوایا ہے (ایک ایسے بھائی سے بھی ہم ملے جس نے جب ہجرت کرنا چاہی، تو تب بیوی کسی عذر کے سبب ساتھ نہیں آسکی، بیوی نے اپنے چھوٹے پانچ سالہ بیٹے کو خود سے شوہر کے حوالے کیا، رو رو کر اسے شوہر کے گود میں دیا کہ اسے ساتھ لے جاؤ تاکہ اس کا دین تو کم از کم محفوظ ہو جائے۔ یہ بچہ چار سال تک ماں کے بغیر ارض ہجرت میں رہا)... یہ

بھائی بہنیں کن صعوبتوں سے گزر کر یہاں پہنچتے ہیں اور کن تکالیف کے ساتھ یہاں ان پہاڑوں میں رہ رہے ہیں کاش کہ ہمارے پاکستانی بھائی بہنیں دین کی یہ والہانہ محبت بھی کبھی دیکھ لیں، دین کی قدر و قیمت ان دینداروں کو دیکھ کر سمجھ میں آتی ہے... تو ایک طبقہ ہے جو جہاد میں آرہا ہے اور جہاد کے ساتھ کسی نہ کسی طرح جڑا ہوا ہے، دوسرا طبقہ مظالم سے تنگ آکر ترکی اور ملائشیا جیسے ممالک میں جابستا ہے۔ ظاہر ہے اس آپشن سے چین کو بھی فائدہ ہے اور اس میں ترکی بھی چین کے ساتھ تعاون کر رہا ہے، تیسرا طبقہ اپنا دین، تہذیب اور شناخت چھوڑنے کی قیمت پر چینیوں کو راضی کرنے کی کوشش کر رہا ہے، یہ ان کے رحم و کرم پر ہے، اس طبقے کے افراد کو عام طور پر ترکستان کی جگہ چین کے دیگر علاقوں میں سکونت دی جاتی ہے۔

'حقوقِ انسانی' نامی ادارے بھی ان حقائق کی تصدیق کرتے ہر کچھ عرصہ بعد ترکستانی مسلمانوں کی یہ حالت زار دنیا کے سامنے رکھتے ہیں۔ ان کی یہ ساری رپورٹیں معلومات میں محض اضافے کا باعث تو ہیں مگر ان کے سبب ترکستانی مسلمانوں پر روا رکھے گئے مظالم میں رتی بھر کمی نہیں آتی۔ 'حقوق انسانی' کے علمبردار ممالک کے تو چونکہ اپنے حقوق اور مفادات محفوظ ہیں اس لیے ان کے لیے ترکستان کا قضیہ مسئلہ نہیں، سیاسی کھیل ہے، اس طرح ان رپورٹوں سے امت مسلمہ کے حکمرانوں کے کانوں پر بھی جوں نہیں رینگتی، چین سے کوئی سنجیدہ شکایت کرنا تو دور کی بات دکھاوے کا سیاسی احتجاج بھی یہاں نظر نہیں آتا، ان سب کو اس ظالم چین کے ساتھ دوستی بنانے اور نبھانے کی فکر لاحق ہے۔ ہم پاکستانی تو ترکستانی مسلمانوں کے پڑوسی ہیں۔ ہمارا دوسروں کی نسبت زیادہ فرض بنتا تھا کہ اپنے ان بھائیوں کے زخموں پر مرہم رکھتے... مگر افسوس کہ یہاں تو دوسروں سے زیادہ چین دوستی کا راگ الاپا جارہا ہے۔... کہتے ہیں 'چین ڈوبتی معیشت کا سہارا ہے'، قرضے دیتا ہے، امریکہ کے 'مقابل' مخلص دوست ہے... پاک چین دوستی کے محاسن ہیں جو گنواتے گنواتے ختم نہیں ہوتے۔ خود فریبی کا ایک نشہ ہے جو حقائق سمجھنے اور تسلیم کرنے سے روک رہا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ایشیا سے افریقہ تک چین کی تجارت اور اس کی 'دوستی' گواہ ہے کہ یہ جہاں بھی گیا وہاں کی معیشت ٹھیک نہیں ہوئی، معیشت سنبھلی نہیں بلکہ ہڑپ ہوئی اور تباہ و برباد ہوئی۔ یہ جہاں بھی تشریف لے گیا وہاں کی آبادی کو اپنا معاشی غلام بنایا اور اُدھر کی تہذیب کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ یہاں بھی ترقی کا ایک سراب ہے جس کی خاطر چین کی کھلم کھلا اسلام دشمنی پر بھی چپ سادھ رکھی ہے۔ اس سراب کی طرف لپکنے پر یہاں کے حکمرانوں (جرنیلوں) سے تو شکوہ نہیں کہ ان کا دین، دل اور دماغ سب کچھ پیٹ اور شہوت کے غلام ہیں، یہ مفادات کے لیے جیتے اور خود غرضی ہی کے سمندر میں ڈوب مرتے ہیں۔ ان

سے تو نہ توقع ہے اور نہ شکوہ... ہمارا شکوہ تو ان اہلِ دین سے ہے جو مسلمانوں کی قیادت اور رہنمائی کا بھرم رکھتے ہیں۔ ان کی طرف عوام دیکھتی اور انہی کی یہ سنتی ہے مگر افسوس کہ یہ بھی آج جرنیلوں کی زبان بولتے بے حس بنے بیٹھے ہیں (الا ماشاء اللہ)، ان داعیانِ دین کو دیکھ کر ہمیں دکھ ہوتا ہے کہ ان کا تو کام ہی اُن دینی تصورات کو زندہ رکھنا تھا جنہیں وقت کے فرعون دفنانے کے درپے ہیں، دین بیزار جرنیلوں کے تنخواہ دار دانشور اگر حق و باطل کو گڈ مڈ کرتے ہیں، سچ کو جھوٹ، جھوٹ کو سچ اور ظلم کو عدل دکھاتے ہیں تو یہ کس کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ امت کے سامنے حقیقت حال واضح کرے؟ امت کو اس پر حملہ آور لٹیروں کے مقابل بیدار رکھنا کیا داعیان دین کے علاوہ بھی کسی کی ذمہ داری ہے؟ دینی قیادت کی تو شان ہی یہ ہے کہ وہ خود غرضی اور نام نہاد مصلحتوں کی عینکوں سے حالات کا تجزیہ نہیں کرتے ہیں، باطل دجل وفریب سے مطلع کو جتنا بھی آلودہ کرے، داعیانِ دین کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ نورِ ایمان سے حالات کو دیکھتے ہیں اور گھپ اندھیروں میں بھی مسلمانوں کو مطلوب منزل کی طرف چلاتے ہیں۔ ہمیں دکھ ہے کہ ہمارے اکثر داعیانِ دین بھی آج امت کے زخموں کا احساس نہیں کر رہے ہیں، علاج تو دور کی بات امت کے دکھوں اور دردوں کے اظہار تک کی جرأت بھی یہاں مفقود ہو رہی ہے۔

پاکستان میں دین پر مر مٹنے والے میرے عزیزو...!

مظلوموں کے ساتھ پہلی ہمدردی ان کے درد کا احساس اور تکلیف کا اعتراف ہے، ظالم کے ظلم سے اپنی ماؤں اور بہنوں کو چھڑانے کا پہلا قدم ان کی عزتیں پامال کرنے والوں کے خلاف دل سے نفرت کرنا ہے۔ مظلوم مسلمان مشرق کا ہو یا مغرب کا وہ ہمارے جسم کا حصہ ہے، اس کے درد پر درد مند ہونا اور دکھ پر دکھی ہونا ایمان کی نشانی ہے۔ ظالم کا ہاتھ روکنا اور مظلوموں کے آنسو پونچھنا واجب ہے۔ اپنی بہنوں کی پکار پر بھی حرکت میں نہ آنا اور ان کی مدد و نصرت کے لیے کمر نہ کسنا اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔ ہلکے ہوں یا بوجھل، خوشحال ہوں یا کمزور اور پریشان حال، مدد کے لیے پکارنے والے بھائی بہنوں کی مدد و نصرت فرض عین ہے مگر کیا کریں کہ ہم دیندار کہلانے والوں کے یہاں بھی یہ تمام فرائض اور بنیادی دینی تصورات 'قومی مفاد' کے نام پر آج قربان ہو رہے ہیں! وطن سے محبت اور وطن نامی بت کی عبادت میں تمیز قائم رکھنا دینی قائدین کا فرض تھا مگر افسوس کہ آج اس فرق کو خود اہل دین کے ہاتھوں سے مٹایا جا رہا ہے۔ آج 'حب الوطنی' کے نام پر وطن پرستی کروائی جا رہی ہے اور قومی مفاد کے نام سے دین دشمن جرنیلوں کے مفادات کا تحفظ ہو رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وطن اور ریاست کے اس بت کدے پر اسلام، مسلمان اور پوری امت کو بلی

چڑھایا جارہا ہے، پاکستان سے سعودیہ تک پورے عالم اسلام کے حکمرانوں کی یہی ذلت بھری کہانی ہے۔ 'قومی مفاد' کے عنوان سے امت کے غدار جرنیل اور ذلیل حکمران ظالموں کے ساتھ کھڑے ذاتی اور خاندانی مفادات سمیٹ رہے ہیں۔ پھر ترکستانی مسلمان اس امت کا حصہ ہیں، ان کے ساتھ رشتہ وہی ہے جو کشمیر کے مسلمانوں کے ساتھ ہے، ان کی مدد کرنا اور انہیں ظلم سے نجات دلانا ہمارے اوپر ایسا ہی فرض ہے جیسا کہ کشمیری عوام کی نصرت وحمایت ہم اہل دین اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ مگر افسوس کہ پہلے ہم نے امت کو اپنے وطن میں محدود سمجھا اور پھر یہاں بھی نہیں رکے، ایک دفعہ انسان جب خود کو گرنے دیتا ہے تو کہاں رکتا ہے۔ آگے بڑھ کر دوسری زیادتی یہ ہوئی کہ اس وطن کا سود وزیاں بھی وہی سمجھا گیا جو دین بے زار منافق جرنیلوں نے بتایا، آج اسی کا ثمرہ ہے کہ 'ملکی مفاد' کے نام پر اسلام کے دشمنوں کے بھی یہاں حقوق ہیں، وہ دن دہاڑے پاکستانیوں کو قتل کرتے ہیں اور بحفاظت سلامی لیکر رخصت ہو جاتے ہیں جبکہ اسلام کی خاطر کٹ مرنے والوں کا اسلام کے اس 'قلعے' میں کوئی حق نہیں۔ ہم داعیان دین کے دل کیوں نہیں کُڑھتے کہ آج یہاں اللہ اور رسول کی محبت تعلقات کی بنیاد نہیں رہی، بلکہ یہ جرنیلوں کا وضع کردہ نام نہاد 'قومی مفاد' ہے جو اپنے اور پرائے کا تعین کرتا ہے... کشمیری مسلمانوں پر ظلم کے خلاف یہاں احتجاج ہوتا ہے، ریلیاں نکالی جاتی ہیں، 'کشمیریوں سے رشتہ کیا......' کے نعرے لگتے ہیں، (جو یقیناً مطلوب ہے بلکہ اس سے بہت زیادہ کرنا فرض ہے جو کرنے نہیں دیا جارہا) مگر کیا وجہ ہے کہ کشمیر کی طرح ہمارے بالکل پڑوس میں ترکستانی مسلمانوں پر بدترین مظالم دیکھ کر بھی ہم تماشائی ہیں، تماشائی بھی خاموش نہیں... آنکھیں کھلی اور دل ودماغ بند کرکے اس ظلم کرنے والے کے ساتھ دوستی کے شادیانے بجارہے ہیں! کیا ترکستانی مسلمان نہیں؟ کیا ان کی مدد اور نصرت فرض نہیں؟ کیا ان بے کسوں کے بارے میں اللہ پوچھے گا نہیں؟ یا کیا مسلمان بس وہ ہیں جن کے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ آئی ایس پی آر سے جاری ہو؟... یا امت اور امت کا تصور بس وہ ہے جس کی اجازت ریاست نامی دین اور اس دین کے 'ناخدا' جرنیل ہمیں بتائیں!

پھر اے میرے بھائیو! مسئلہ آج ترکستانی مسلمانوں کا صرف نہیں رہا... سوال یہاں مال واولاد اور جانوں تک سے بھی عزیز اسلام کا ہے! کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ ترکستانی مسلمانوں سے چین کی دشمنی محض ان کے اسلام کے سبب ہے؟... ایسے میں 'پاک چین دوستی' کا ڈھول پیٹنے والوں سے سوال ہے... چین کی یہ اسلام دشمنی کیا پاکستان میں اسلام دوستی میں تبدیل ہو جائے گی؟ کیا بارڈر کے اُس پار اللہ اور رسول ﷺ کے دشمن سرحد کے اِس پار اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ بن جائیں گے؟... یہاں ہمارے پاکستان میں لاکھ مسائل ہیں مگر الحمد للہ یہاں اب بھی قال اللہ و قال رسول

ﷺ پر آباد مدارس اور مساجد موجود ہیں، یہاں غلب اسلام کی تحریکیں آج بھی کسی نہ کسی صورت میں جی رہی ہیں، یہاں کی عوام میں جہاد کی محبت اور اللہ کے دین کے لیے قربانی کا جذبہ آج کے اس گئے گزرے دور میں بھی الحمدللہ ختم نہیں ہوا ہے، پاکستانی معاشرے میں عفت وحیا کو آج بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آج بھی پاکستان میں اللہ کی محبت اور رسول ﷺ کی حرمت پر مر مٹنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ کیا چین جیسا اسلام دشمن اور تہذیب کے نام پر بدبودار حیوانیت کا علمبردار ہمارے ملک میں موجود اس عظیم خیر کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرلے گا؟ چینی جانتے ہیں کہ اسلام اور ان کی گندی غلیظ تہذیب ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ انہیں علم ہے کہ ایک آگ جبکہ دوسرا پانی ہے اور ان دونوں میں کہیں کوئی ایک چیز مشترک نہیں۔ یہی وہ وجہ ہے کہ ان کی سرگرمیاں آج محض تجارتی نہیں ہیں، چینی فوج کا یہاں قیام، چینی زبان کی تعلیم، چینی معاشرت کی ترویج، چینی فلموں کے تراجم، چینی سکول وکالجوں کا قیام اور مساج سنٹروں کی صورت میں چینی عورتوں کی 'خدمات' غرض ممالک اور معاشروں کو اپنے چنگل میں لینے کا کونسا حربہ رہتا ہے کہ جس سے چین غفلت برت رہا ہے۔ ایسے میں اس ہمہ جہت چینی نفوذ کو محض تجارت ومعیشت کی نگاہ سے اگر کوئی دیکھتا ہے تو وہ اپنی نظر کا معائنہ کروائے۔ ہم مانیں یا نہ مانیں یہ اسلام کے خلاف سانپ اور بچھو کھانے والی غلیظ تہذیب کی چڑھائی ہے۔ جس طرح انگریزوں نے تاجروں (ایسٹ انڈیا کمپنی) کا روپ دھار کر برصغیر کے حکمرانوں کو پہلے اپنا مقروض بنایا، پھر یہاں کی تعلیم، تہذیب اور قانون سب کچھ اپنے ہاتھ میں لیا اور آخر میں پورے برصغیر کو مقبوضہ برصغیر میں تبدیل کرکے اپنے نوآبادیات میں شامل کیا، بالکل اسی طرح آج بھی تجارت اور معاشی تعاون کے نام پر ایک اور 'استعمار' یہاں ڈیرے ڈال رہا ہے۔ آج 'سی پیک' کے راستے سے ترقی اور خوشحالی نہیں بھیجی جارہی ہے بلکہ اس راستے سے ترقی اور خوشحالی قابو کی جارہی ہے اور اس شاہراہ سے چینی الحاد اور اس کی غلیظ ترین تہذیب برآمد ہورہی ہے۔

میرے بھائیو! اہل دین کی قیادت کرنے والے محترم رہنما حضرات!

حالات کی سنگینی کو سمجھئے... اپنے فرائض کا احساس کیجیے! یہ ہماری قوم، دین اور تہذیب پر حملہ ہے، فرق صرف یہ ہے کہ حملہ میٹھی چھری کے ذریعے سے ہورہا ہے۔ دیکھئے، اس حملے کو سمجھنا اور سمجھانا کوئی مشکل نہیں ہے... اس حملہ آور دشمن کے دوسرے ہاتھ میں زہر آلود خنجر بھی ہے اور بیک وقت اس سے ترکستانی مسلمان ذبح ہورہے ہیں... پس ہمیں اپنی خاموشی توڑنی ہوگی... اگر ہم خاموش رہے تو یاد رکھنا چاہئے کہ نہ اللہ ہمیں معاف کرے گا اور نہ تاریخ ہماری رعایت

کرے گی، پھر یہ بھی نوٹ کیجیے کہ مسلمانوں کے لیے وہ معیشت کبھی بھی برگ و بار نہیں لا سکتی جس کی عمارت اللہ سے بغاوت اور اپنوں پر ظلم پر کھڑی ہو۔ جرنیل اپنے اعداد و شمار سے جتنا بھی آپ کو دھوکہ دیں حقیقت یہ ہے کہ چینی اقتصاد کا یہ دیوہیکل عفریت ہماری ہی معیشت کو کھائے جا رہا ہے۔ اس نے ہمیں سہارا کیا دینا... آج اسی کے سبب ہماری مصنوعات اور برآمدات کا گراف گرتا جا رہا ہے، ہمارے صنعت کار دیوالیہ ہو رہے ہیں اور فیکٹریاں بند ہونے لگی ہیں۔ چین کا ہماری معیشت کو سہارا اگر ہے تو وہ یہ کہ یہ ہماری زراعت کو بھی اپنے قبضے میں لے رہا ہے۔ عزیز بھائیو اور بزرگو! چینی منصوبے پر بغلیں بجانے والوں کی چکنی چپڑی باتیں بھی سنیں مگر چینی منصوبوں کی تفاصیل بھی ذرا پڑھیے۔ ان میں سے کونسا بڑا منصوبہ ہے جو یہ 'دوست' آپ کو تحفے میں دے رہا ہے۔ برآمدات ان کی ہماری ہی زمین سے سمندر پار دنیا کو پہنچ رہی ہیں اور اس کے لیے سڑکوں اور پلوں کی رقم بھی ہم نے ہی بھرنی ہے۔ ہماری زمین سے ان کے تجارتی قافلے گزریں گے جس کا خاطر خواہ کرایہ اور اپنا حصہ لینا چاہیئے تھا مگر عجیب یہ کہ ان کی سڑکوں کا خرچہ بھی قرضوں کی صورت میں ہم نے ہی ادا کرنا ہے۔ پھر ان قرضوں کی شرح سود کی تفاصیل بھی تھوڑی سی ملاحظہ کیجیے چینی دوستی کی حقیقت سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

ایسے میں اے ہمارے محترم بھائیو اور بزرگو! آپ کے یہ ترکستانی بھائی آپ سے چین کے خلاف اسلحہ اٹھانے کا مطالبہ نہیں کرتے، اس سرخ آندھی کے سامنے یہ مساکین خود کھڑے قربانیاں دے رہے ہیں، ان کے مرد اور عورتیں ہجرت و جہاد کی سختیاں خود کاٹ کر اپنے دین کو اپنی مدد آپ بچانے کی کوشش کر رہے ہیں، ان مظلوموں کی آپ سے بس ایک ہی درخواست ہے... چین کے اسلام دشمن چہرے سے نقاب اتار دیں، چینی ظلم اور اسلام دشمنی کے خلاف آپ بس اپنی آواز اٹھائیں! چین ظالم، جابر اور اسلام دشمن غلیظ ترین کافر ہے، اس کے ظلم کو عدل مت کہیں، اسے دوست نہیں، دشمن کہیے!... پھر امت کا دشمن نمبر ایک امریکہ کا بھاگنا اب نوشتہ دیوار ہے... آپ کی نصرت اور مجاہدین کی قربانیاں ان شاء اللہ رنگ لانے والی ہیں... افغانستان میں شریعت کی ہوائیں بہت جلد چلنے والی ہیں... ایسے میں ایک بھاگتے دشمن کے پیچھے تازہ دم دشمن کا ہاتھ پکڑ کر گھر لانا کہاں کی سمجھداری ہے، چین بھی دشمن ہے، اس کو دشمن دیکھیے! غداران ملت جرنیلوں نے پہلے امریکہ کا ہاتھ تھاما، اسے مالک اور آقا بنا رکھا، مسلمانوں کے اس قاتل کو پاکستان و افغانستان پر قابض کروایا، اس کی خاطر اللہ کے اولیاء کا خون بہایا اور اپنی عوام پر آگ و بارود برسایا، پھر آج جب امریکہ ڈالروں کا حساب مانگنے لگا، تو یہ چین کی طرف دیکھنے لگے، اب امریکہ کے سامنے ان کے جھکے سر چین کی بھی پوجا کرنے لگے اور آج

یہ بے حیا 'پاکستان برائے فروخت' کا کتبہ اٹھائے وطن عزیز کو ملحد کمیونسٹوں کی گود میں دے رہے ہیں، محترم بھائیو! امریکہ اور چین دونوں مسلمانوں کے قاتل اور اسلام کے دشمن ہیں، ان شیاطین کے مقابل اللہ، عزیز و رحمان پر بھروسہ کیجئے اور اللہ کی رسی کو تھامیے۔ واللہ، ترکستانی مسلمانوں کی حمایت میں آپ نے محض اپنی آواز بھی اگر بلند کی تو ترکستانی ماؤں اور بہنوں کے کلیجے ٹھنڈے ہوں گے، ان کی عزتیں محفوظ ہوں گی (ان شاء اللہ)... وہ اپنے آپ کو بھی ڈیڑھ ارب سے زیادہ مسلمانوں کے اس جسم کا حصہ سمجھیں گی۔ آپ نے اگر چینی جارحیت کے خلاف آواز اٹھائی تو اس سے ترکستانی مسلمانوں کی بھی صرف مدد نہیں ہو گی، یہ خود پاکستانی مسلمانوں کے دین، خود مختاری اور معیشت کی بھی حفاظت ہو گی۔ آپ سے ہماری بس ایک ہی درخواست ہے...، اللہ کی خاطر دوستی رکھیے اور اللہ ہی کی خاطر دشمنی کیجئے... کہ یہ ایمان کی بنیادی اساس ہے اور اللہ عزیز و جبار کے بارے میں کسی بدگمانی کا شکار نہ ہوں، وہ اللہ اپنے بندوں کی مدد پر قادر ہے...وہ عزیز ہے، قدیر اور ذوانتقام ہے۔ پس اس عظیم رب کے امر پر اٹھیے اور چین میں ظلم مین پسنے والے ان مظلوم اہل اسلام کی کرب و بلا کی کہانیاں اور دین کی خاطر قربانیوں کی لازوال داستانیں مسلمانان پاکستان میں پھیلایئے، انہیں اس دین دشمن شیطان کے مقابل بیدار کیجئے... کہ دشمن کو دشمن سمجھنا دفاع کا پہلا قدم ہوتا ہے... یہ پہلا قدم اٹھایئے اور اپنی قوم اور آئندہ نسلوں کو اس محاذ پر محفوظ کیجئے!

اللہ سے دعا ہے کہ وہ کشمیر، ترکستان، افغانستان، شام اور فلسطین سمیت سب مظلومین کی مدد فرمائے، اللہ ہمارے پاکستانی مسلمانوں کے دین و دنیا کو ہر شر سے محفوظ کرے، پاکستان کو اسلام اور مسلمانوں کا مضبوط قلعہ بنائے اور اللہ ہمیں دوست اور دشمن کی صحیح پہچان سے بھی نوازے۔ آمین

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

فاعتبروا یا أولی الأبصار

سی پیک: 'ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ'

نعمان حجازی

تمہید

---

1 China CPEC project won't lead to new colonialism in Pakistan, Pakistan Today, June 13, 2017

تعارف

بیلٹ اینڈ روڈ حکمت عملی (Belt & Road Initiative)

(Belt & Road)

(Maritime Silk Road)

(Silk Road Economic Belt)

---

[2] Overselling CPEC, DAWN, May 12, 2017

[3] One Belt, One Road, Caixin Online, December 10, 2014

[4] Our bulldozers, our rules, The Economist, July 2, 2016

（Maritime Silk Road）

（Silk Road Economic Belt）

（Asian Infrastructure Investment Bank）

---

5 Xi in call for building of new 'maritime silk road', China Daily, October 4, 2013

6 Building the 21st Century Maritime Silk Road, China Institute of International Studies, September 15, 2014

7 China to Contribute $40 Billion to Silk Road Fund, Jeremy Page, Wall Street Journal, November 8, 2014

8 SilkRoadEconomicBelt.com

9 The Asian Infrastructure Investment Bank: Multilateralism on the Silk Road, China Economic Journal, April 4, 2016

（China-Mangolia-Russia Corridor）

（New Eurasian Land Bridge）

（New Eurasian Land Bridge）

（Nanning-Singapore Economic Corridor）

SilkRoadEconomicBelt.com [10]

Silk Road Economic Belt, An Initiative by China, DOOK International, January 8, 2016 [11]

（BCIM-EC）

（CPEC）

（Nanning-Singapore Economic Corridor）

BCIM-EC

Xinhua Insight: New momentum over China-Singapore economic corridor, Shanghai Daily [12]

Nanning-Singapore Economic Corridor, Beijing Review, November 24, 2010 [13]

BCIM Economic Corridor: A Giant Step towards Integration, Institute of Peace and Conflict Studies, [14]
November 12, 2013

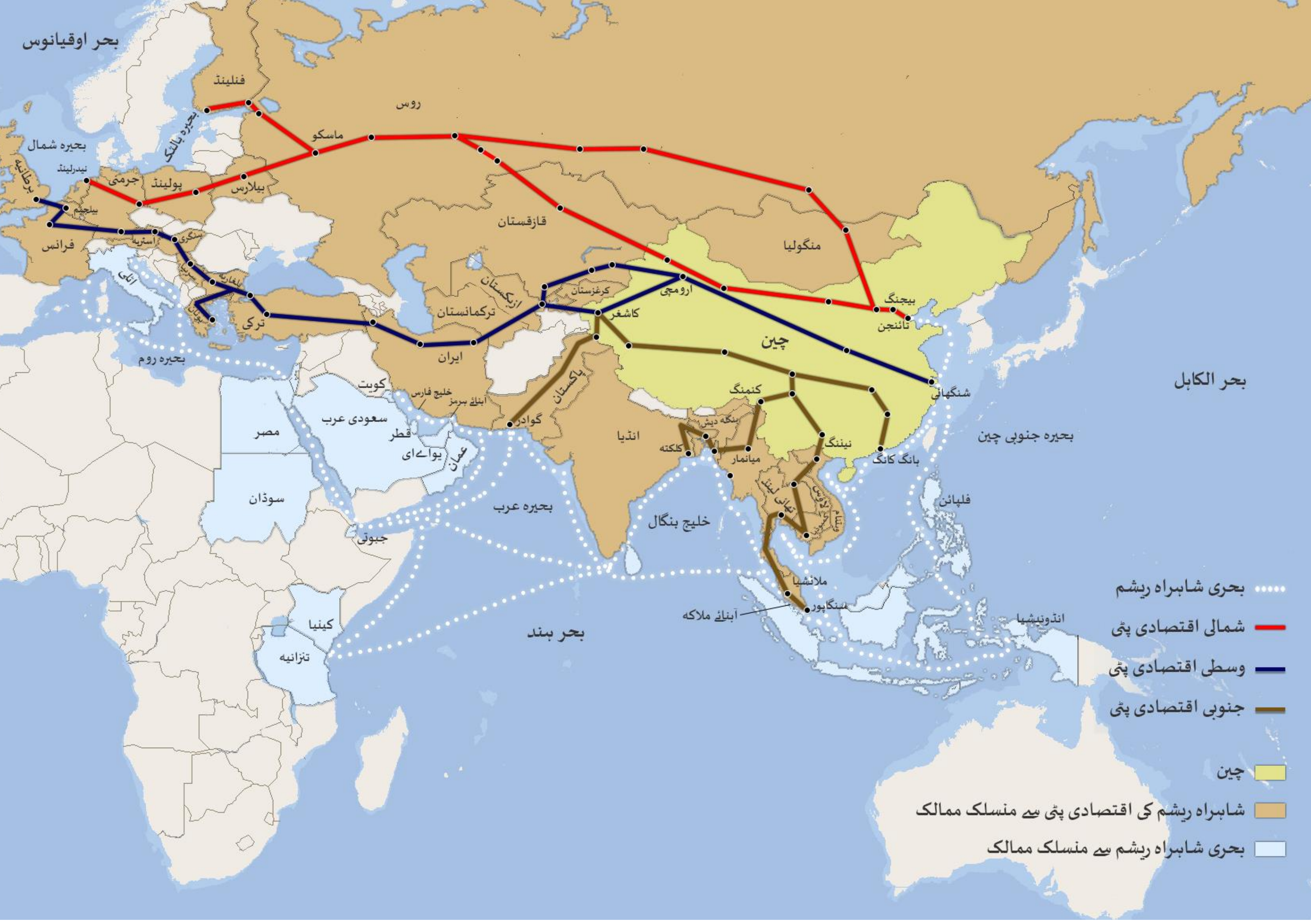
BCIM Economic Corridor Builds Steam, Dezan Shira, Asia Briefing, October 2013 [15]

[16] Sino-Myanmar Relations: Analysis and Prospects by Lixin Geng, The Culture Mandala, Vol. 7, no. December 2, 2006

[17] India and China compete for Burma's resources, World Politics Review, August 21, 2006

[18] Chinese dilemma over Burma, BBC, September 25, 2007

[19] Changing Dynamics of Sino-Bangladesh Relations, Anand Kumar, South Asia Analysis Group, April 21, 2005



بحری شاہراہ ریشم
شمالی اقتصادی پٹی
وسطی اقتصادی پٹی
جنوبی اقتصادی پٹی
چین
شاہراہ ریشم کی اقتصادی پٹی سے منسلک ممالک
بحری شاہراہ ریشم سے منسلک ممالک
بحر اوقیانوس
فنلینڈ
روس
ماسکو
بحیرہ بالٹک
بحیرہ شمال
نیدرلینڈ
برطانیہ
جرمنی
پولینڈ
بیلارس
بیلجیم
فرانس
آسٹریا
ہنگری
اٹلی
ترکی
بحیرہ روم
قازقستان
منگولیا
ازبکستان
ترکمانستان
کرغزستان
ارومچی
کاشغر
بیجنگ
تائنجن
چین
ایران
کویت
خلیج فارس
آبنائے ہرمز
سعودی عرب
قطر
یو اے ای
عمان
مصر
سوڈان
جبوتی
کینیا
تنزانیہ
گوادر
پاکستان
انڈیا
کلکتہ
بنگلہ دیش
میانمار
کنمنگ
ننینگ
بانگ کانگ
شنگھائی
بحر الکاہل
بحیرہ جنوبی چین
فلپائن
ویتنام
لاؤس
تھائی لینڈ
ملائشیا
سنگاپور
آبنائے ملاکہ
انڈونیشیا
بحیرہ عرب
خلیج بنگال
بحر ہند

[21]



[20] CPEC Investment Pushed from $55b to $62b, Salman Siddiqui, The Express Tribune, April 14, 2017

[21] China-Pakistan Economic Corridor, Wikipedia English

[22] Industrial potential: Deep sea port in Gwadar would turn things around, The Express Tribune, 17 March 2016

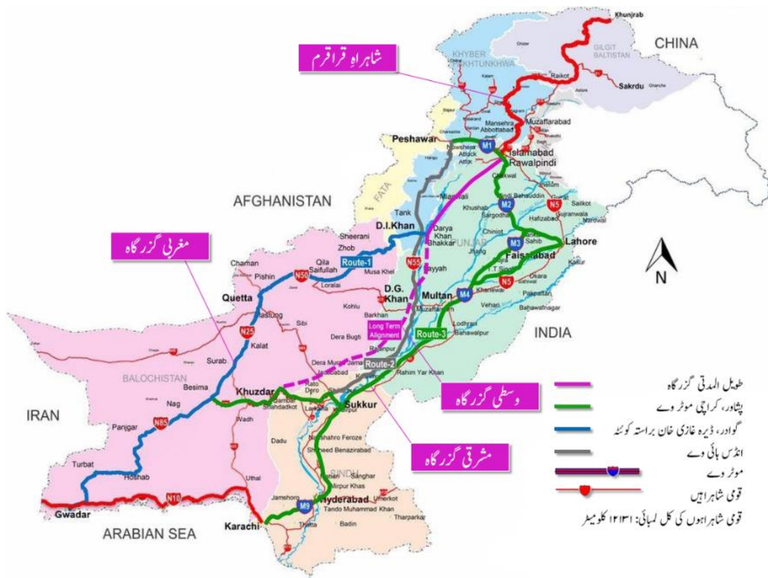
-
- (LNG)
-
-
-
-
-

Groundwork laid for China-Pakistan FTZ, Li, Yan, ECNS. November 17 2015 [23]

Gwadar-Nawabshah LNG project part of CPEC, The Nation, 28 March 2016 [24]

China to build Pakistan's largest airport at Gwadar, Daily Times, November 12, 2015 [25]

China kick-starts Pakistan's Gwadar East Bay Expressway, World Highway, 9 September 2015 [26]



PM Inaugurates Western Alignment of CPEC, Daily Frontier Star, 31 December 2015 [27]

Overcoming Challenges to CPEC, Spearhead Research, May 27, 2015 [28]

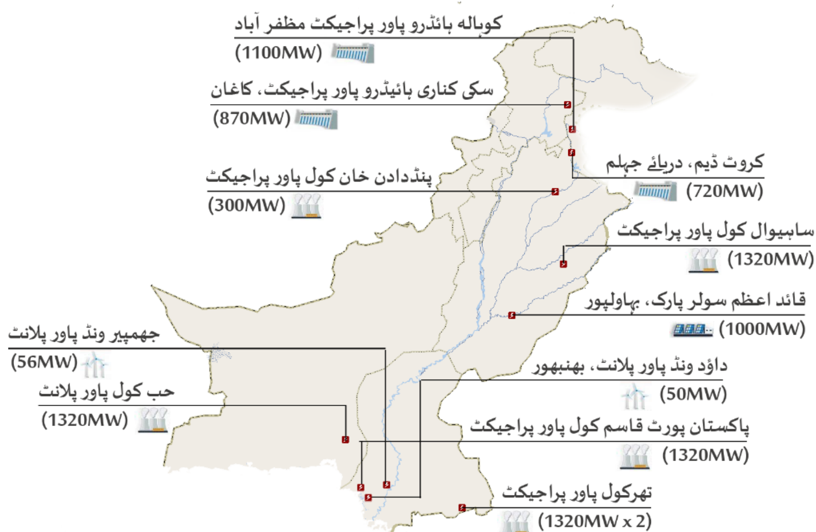
Railway tracks to be built, upgraded as part of CPEC project: report". Dawn. 21 December 2015 [29]

30 New railway tracks planned under CPEC, Dawn, 20 December 2015

31 Orange Line part of CPEC, LHC heard, The Nation, 22 January 2016

32 New railway tracks planned under CPEC, Dawn, 20 December 2015

33 1st Phase of CPEC to bring $35bn investment in energy: Ahsan Iqbal, Business Recorder, April 17 2015



کوہالہ ہائڈرو پاور پراجیکٹ مظفر آباد
(1100MW)
سکی کناری ہائیڈرو پاور پراجیکٹ، کاغان
(870MW)
کروٹ ڈیم، دریائے جہلم
(720MW)
پنڈدادن خان کول پاور پراجیکٹ
(300MW)
ساہیوال کول پاور پراجیکٹ
(1320MW)
قائد اعظم سولر پارک، بہاولپور
(1000MW)
جھمپیر ونڈ پاور پلانٹ
(56MW)
داؤد ونڈ پاور پلانٹ، بھنبھور
(50MW)
حب کول پاور پلانٹ
(1320MW)
پاکستان پورٹ قاسم کول پاور پراجیکٹ
(1320MW)
تھرکول پاور پراجیکٹ
(1320MW x 2)

[35] CPEC to introduce technology in agriculture, The Express Tribune, May 09 2015

•

•

Exclusive: CPEC master plan revealed, Dawn, May 15th 2016 [36]

Exclusive: CPEC master plan revealed, Dawn, May 15th 2016 [37]

(Internet

Bandwidth)

[38] Ibid.

[39] PM inaugurates Pakistan-China Fiber Optic project, The News, May 19 2016

سی پیک کے اثرات

Exclusive: CPEC master plan revealed, Dawn, May 15 2016 [40]

Exclusive: CPEC master plan revealed, Dawn, May 15 2016 [41]

چین پر اثرات

---

[42] Impact of CPEC on Regional and Extra-Regional Actors, Journal of Political Science (2015), GC University Lahore p28



(Belt & Road)

[43] Impact of CPEC on Regional and Extra-Regional Actors, Journal of Political Science (2015), GC University Lahore. p29

China gets 40 years management, The Express Tribune, April 15, 2015 [44]

Impact of CPEC on Regional and Extra-Regional Actors, Journal of Political Science (2015), [45]

GC University Lahore p31

پاکستان پر اثرات

[46] Pakistan Pounds Insurgent Hideouts, Targeting Uygur Separatists, South China Morning Post, May 24, 2014

[47] Pakistan-FAOSTAT, Food and Agriculture Organization, UNO

[48] FAS Report, Foreign Agriculture Service, United States Department of Agriculture, November 2000

(Tariff)

([49]ASEAN)

Industrial Parks

(Organization for

Advancement and Safeguard of Industrial Sector)

[49] Association of South East Asian Nations

[50] SWOT Analysis of Pakistan-China Free Trade Agreement, International Journal of Asian Social Science, AESS, July 1, 2017, p48

CPEC posing challenges to domestic industry, DAWN, November 12, 2016 [51]

U.S. Geological Survey, Mineral Commodity Summaries – Cement, 2013-14 [52]

(Early Harvest)

Statistics on textile industry in Pakistan, The Express Tribune [53]

Economy of Pakistan, Wikipedia English [54]

Exclusive: CPEC master plan revealed, Dawn, May 15th 2016 [55]

(Sovereign Guarantees)

Pakistan: CPEC – A "game-changer" or another "East India Company", Abdul Khaliq, CADTM, 21 March 2017 [56]

CPEC sovereign guarantees may not augur well for budget, Business Recorder, March 1st 2017 [57]

Mystery of CPEC Payments, Khurram Husain, Dawn, April 6th 2017 [58]

(National Electric Power

Regulatory Authority)

4.7

Hidden costs of CPEC, Khurram Husain, Dawn, September 29th 2016 [59]

Power consumers to pay security cost of CPEC projects, Khaleeq Kiani, DAWN, August 05, 2017 [60]

Karachi murder raises red flag on China's $50 billion projects, Bloomberg, February 13, 2018 [61]

Tax breaks for Chinese won't hit economy: govt, Khaleeq Kiani, DAWN, April 25, 2017 [62]

（Early Harvest）

Pakistan：CPEC － A “game−changer” or another “East India Company”, Abdul Khaliq, 64
CADTM, 21 March 2017

65

IMF warns of looming CPEC bill, Khurram Hussain, DAWN, October 17, 2016 66

Pakistan Total External Debt, TradingEconomics.com 67

•

[68] Pakistan's economic fortunes now in the hands of the IMF, F.M. Shakil, Asia Times, December 17, 2017

[69] Exclusive: CPEC master plan revealed, Dawn, May 15th 2016

How Pakistan is becoming China's land of opportunity, Shazia Hasan, DAWN, June 4th 2017 [70]

CPEC could become another East India Company, Dawn, October 18th 2016 [71]

[72] Exclusive: CPEC master plan revealed, Dawn, May 15th 2016

[73] Shanghai Electric to Pay $1.8 Billion for Stake in K-Electric, Dale Crofts, Bloomberg.com August 30 2016

[74] Defense Ministry clears sale of K-Electric to Chinese firm, Shahbaz Rana, The Express Tribune, September 29, 2017

[75] PSX sells 40pc stake to Chinese consortium, Dilawar Hussainm, DAWN, December 23, 2016

اختتامیہ

76 Pakistan will be paying China $90b against CPEC related projects, Salman Siddiqui, The Express Tribune, March 12, 2017

[77] Why is Turkey so eager to be led down the Belt and Road?, Nicol Brodie, East Asia Forum, October 28, 2017

[78] Turkey promises to eliminate anti-China media reports, Reuters, August 2017



ابتدائی بات

یہ مضمون امریکی مصنف ولیم بلم (William Blum) کی کتاب 'روگ سٹیٹ' (Rogue State: A Guide to the World's Only Superpower) سے کیا جانے والا 'انتخاب' ہے جو مصنف نے ۲۰۰۰ء میں لکھی تھی۔ کتاب کا موضوع سرد جنگ کے دوران سوویت اتحاد کے حلیف ممالک کے ساتھ روا رکھی جانے والی امریکی خارجہ پالیسی کا تنقیدی جائزہ ہے۔ اس کتاب سے امریکی ذہنیت کی بھی عکاسی ہوتی ہے اور واضح ہوتا ہے کہ امریکہ کے پالیسی ساز یا ملک کو چلانے والے پس پردہ حکمران یا بینکار کس قدر انسانیت دشمن اور غلیظ اقدار کے مالک ہیں، جن کے لیے انسانیت کا خون بہانا نہایت سہل اور آسان ہے۔

اسی لیے عالمی جہادی تحریک کے مؤسس شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ نے ۱۹ جنوری ۲۰۰۶ء کو امریکی عوام کے نام اپنے ایک بیان میں اس کتاب کا حوالہ دیا اور اس وقت کے صدر 'جارج بُش' سے مخاطب ہو کر کہا:

''اگر بش اپنی دروغ گوئی اور ظلم و استبداد پر مبنی پالیسی جاری رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کتاب یعنی روگ اسٹیٹ کا مطالعہ کرے (تاکہ اسے اپنے پیش روؤں کی حرکات کا اندازہ ہو سکے)''۔

آپ رحمہ اللہ نے دنیا میں امن و سلامتی قائم کرنے کا طریقہ بتاتے ہوئے صدر 'بُش' سے مخاطب ہو کر یہ بھی فرمایا:

''اگر میں امریکہ کا صدر ہوتا تو میں امریکہ اور امریکی عوام کے خلاف ہونے والے دہشت گردانہ حملے محض چند لمحوں میں ...ہمیشہ کے لیے... رکوا دیتا۔ سب سے پہلے تو میں اخلاص اور کھلے دل کے ساتھ عوام کے سامنے اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتا اور زیادتیوں کی معافی مانگتا۔ ان تمام بیواؤں، یتیموں، تمام تباہ حال افراد

سے جن پر تشدد کیا گیا اور ان لاکھوں متاثرین سے جو امریکی استعمار کا شکار ہوئے، میں معافی مانگتا۔ پھر میں اس بات کا اعلان کرتا کہ امریکی عالمی عسکری دخل اندازیاں اب اختتام پذیر ہو گئی ہیں"...

کتاب میں درج بیشتر واقعات... جن کا ذکر اس مضمون میں اختصار کے ساتھ کیا جائے گا... امریکی استعمار کی جانب سے سرد جنگ کے دوران سرزد ہوئے۔ چاہیے تھا کہ امریکہ اس سے سبق حاصل کرے اور آئندہ اپنا رویہ درست کرے، مگر یہی تمام مظالم اور زیادتیاں آج وہ امت مسلمہ کے خلاف پوری دنیا میں روا رکھے ہوئے ہے۔ انڈونیشیا، ملائیشیا وفلپائن سے لے کر مراکش، تیونس، مصر، لیبیا تک اور صومالیہ، سوڈان، نائجیریا، کینیا سے لے کر برصغیر پاک وہند اور افغانستان تک یہی کہانی ہے۔ ان تمام ممالک پر امریکی استعماری پالیسیاں اس لیے اثر انداز ہیں کہ ایک تو امریکہ ملتِ روم کا حالیہ سرغنہ اور عالمِ کفر کا شہنشاہ ہے، جس کا اصل مقصد صرف اور صرف اسلام و مسلمانوں کا خاتمہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اِن ممالک پر امریکی تجارت اور امریکی حکومت کا حد سے بڑھتا ہوا اثر رسوخ بھی اس کی وجہ ہے۔ اس اثر ورسوخ کا اصل سبب امریکیوں کی عالمی اسلحے کی صنعت پر بعض اَن دیکھے سیاسی مہروں کی مدد سے مکمل اجارہ داری اور مسلمان ممالک بلکہ پوری دنیا کے قدرتی وسائل کی مقامی آلہ کاروں اور بادشاہوں کی مدد سے مجرمانہ لوٹ کھسوٹ ہے۔ چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ آج امریکہ عالمِ انسانیت کے لیے ایک عظیم ترین خطرہ ہے، اور اس کے شر کو سمجھنا، اس کے خلاف دل میں نفرت رکھنا اور اس کے خلاف کھڑا ہونا ہر صاحب دل اور غیرت و حمیت رکھنے والے کا فرض اوّلین ہے۔

ہمارے ملکِ پاکستان میں بہت سے قائدین ایسے ہیں جو امریکہ مخالفت پر دل سے یکسو ہیں مگر ان کا عمل ان کے موقف کے مطابق نہیں ہے۔ وہ امریکہ کی نفرت تو دل میں رکھتے ہیں، مگر اس کے عملی تقاضوں کو پورا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں۔ اسی لیے ہمارے ملک کے بہت سے دین بیزار دانشور یہ ہانکتے پھرتے ہیں کہ "مذہبی جماعتوں کے افراد 'گو امریکہ گو' یا 'امریکہ کا جو یار ہے، غدار ہے' کے نعرے تو لگاتے ہیں مگر پھر یہ سب امریکی سفارت خانے کے باہر امریکی ویزے کے حصول کی خاطر لائنوں میں دھکے بھی کھاتے ہیں"۔ ہم جانتے ہیں کہ مذہبی جماعتوں سے متعلق خاص یہ بات مطلقاً درست نہیں، بعض افراد کی حد تک درست ہو بھی سکتی ہے، گو بالعموم رویہ بہت مختلف بھی نہیں۔ البتہ جہاں تک ہماری عوام کا تعلق ہے تو وہ امریکہ، امریکہ نواز حکمران ٹولے اور غدار فوجی جرنیلوں سے اس قدر بیزار آ چکے ہیں کہ وہ وقت دور نہیں جب یہ عوام بھی امریکہ کے چہیتوں حسنی مبارک، زین العابدین بن علی، علی عبد اللہ صالح کی مانند مملکتِ خداداد پاکستان میں ایک اسلامی بہار برپا کر ڈالیں۔ پس ہمارے ملک کے تمام مخلصین کو وقت کی یہ پکار سمجھ لینی چاہیے کہ

آج اس دنیا میں 'بنیادی' منبعِ شر وفساد اور محورِ شرک و الحاد 'امریکہ' ہے جس سے نفرت ہر صاحبِ غیرت و حمیت مسلمان کا ایمان ہونا چاہیے، جس کے خلاف قتال فی سبیل اللہ فرضِ عین ہے، جسے ہر جگہ ہدف بنانا سانپ کا سر کچلنے کے مترادف ہے اور اسلامی ممالک پر مسلط جس کے ٹوڈی جرنیلوں اور سیاستدانوں کے خلاف قتال فی سبیل اللہ ناگزیر ہے۔

یہاں ہم یہ ضرور واضح کرتے چلیں کہ کتاب میں جہاں دوسری عالمی طاقتوں کے خلاف امریکی جارحیت اور ظلم کے واقعات ذکر کیے گئے ہیں، تو ہمیں اس کے بیان سے امریکہ کے مقابلے میں کسی دوسری عالمی قوم سے ہمدردی کا اظہار مقصود نہیں۔ سوویت یونین ہو، چین ہو یا یورپ کے ٹھیکیدار... دنیا میں بدامنی اور ظلم کے پھیلانے میں سبھی شریک ہیں، ہاں امریکہ کا نمبر 'پہلا' ہے۔ عالمی سیاست پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لیے ہر ایک طاقت اپنی استطاعت کے بقدر حصہ ڈالنے میں کوشاں ہے۔ کوئی سر تک ظلم و سربریت میں ڈوبا ہوا ہے، تو کوئی گردن تک۔ لیکن ان کے ظلم کی شکار انسانیت، خواہ مسلمان ہوں یا کافر، وہ یقیناً ہمدردی کے مستحق ہیں، ان پر ظلم کو دفع کرنا ہر انسان کی ذمہ داری ہے۔ اور دنیا میں حقیقی 'امن' کی ضمانت صرف اور صرف اسلام کی عالمی حکومت کے قیام میں ہے جو خدا ترس اور اسلام پر مکمل عمل پیرا مسلمان قیادت کے ہاتھوں قائم ہو۔

یہاں سے ہم کتاب کے بعض مندرجات قارئین کی نظر کر رہے ہیں:

امریکہ کی خارجہ پالیسی: انسانیت کے لیے تباہی

۱۹۹۴ء کی کانگریس رپورٹ کے مطابق امریکہ نے ۱۹۴۰ء میں دو کیمیائی گیسوں؛ مسٹرڈ (mustard) گیس اور بلسٹر (blister) گیس کے تجربہ کے لیے ۶۰ ہزار فوجیوں کو 'تجرباتی جانوروں' کی جگہ پر استعمال کیا۔ ان تمام افراد کو تجربات کے بعد کسی قسم کی طبی امداد بھی نہ دی گئی، الٹا انھیں سختی سے ڈرا دھمکا کر کہا گیا کہ اس امر کا ذکر اپنے والدین، بیویوں، یہاں تک کے خاندانی ڈاکٹر سے بھی نہ کریں، ورنہ 'لیون ورتھ' کے قید خانے (Fort Leavenworth) میں بند کر دیا جائے گا۔ ان تجربات کے نتیجے میں یہ تمام افراد مختلف بیماریوں، معذوریوں اور ذہنی امراض میں مبتلا ہوئے۔

۱۹۹۰ء میں 'خلیج جنگ' سے واپس آنے والے اکثر فوجی مختلف نقصان دہ کیمیائی اور حیاتیاتی عوامل کے باعث اعصابی تکالیف، یاداشت کی کمی، خطرناک خارش، پھیپھڑے کے امراض، پٹھوں اور جوڑوں کے شدید درد کا شکار ہوئے۔ جب امریکی عوام سراپا احتجاج بنی تو پینٹاگان (Pentagon) نے اعلان کیا کہ اس جنگ میں کیمیائی ہتھیاروں کے گوداموں کو نشانہ بنایا گیا تھا جس کے سبب زہریلا مواد فضا میں پھیلا اور امریکی فوجیوں کو ایسی جگہوں پر تعینات رکھا گیا جہاں یہ زہریلا

مواد پھیلا تھا۔ ان فوجیوں کی تعداد ابتدا میں چھپائی گئی مگر بعد میں معلوم ہوا کہ کم از کم بیس ہزار آٹھ سو سڑسٹھ (20,867) افراد ان عوارض کا شکار ہیں۔ رفتہ رفتہ مزید کھل کر معلوم ہوا کہ خلیج جنگ کے سبب کم از کم ایک لاکھ امریکی فوجیوں اور ملازمین میں سارین (sarin) گیس (ایک مہلک گیس جو کیمیائی حملوں میں استعمال ہوتی ہے) کے اثرات پائے جاسکتے ہیں۔

نیز 'انتھریکس' (anthrax) اور اعصاب کو متاثر کرنے والی گیس کے علاج کے لیے سپاہیوں کو ایسی ویکسین لینے پر مجبور کیا گیا جو خوراک وادویات کے امریکی ادارے ایف، ڈی، اے (Food and Drug Administration) سے منظور شدہ نہ تھی۔ اس دوا کے لینے سے انکار پر بہت سے افراد کو سزا دی گئی، گویا بیماری اور عذاب میں بھی وہی مبتلا ہوئے اور سزائیں بھی انہیں ہی ملیں جبکہ قصور واروں کے ہاتھ بالکل صاف رہے۔ بالآخر ۱۹۹۹ء میں امریکی ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ فوجیوں کو درپیش امراض میں انھیں فراہم کردہ ویکسین کا کچھ نہ کچھ کردار ضرور ہے۔

اس سے قبل جنگِ عظیم دوم میں امریکی سپاہیوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ 'پیلے بخار' (yellow fever) کی ویکسین لیں، جس کے نتیجے میں ۳لاکھ ۳۰ہزار سپاہی ہیپاٹائٹس (بی) کا شکار ہوگئے۔

الغرض ۱۹۴۰ء سے لے کر ۱۹۹۱ء تک امریکی حکومت نے اپنے ہی باشندوں کے ساتھ نہایت ہی بہیمانہ سلوک کیا؛ سپاہیوں کو جانوروں کی جگہ تجربات کے لیے استعمال کیا گیا، انھیں ایسی جگہوں پر رکھا گیا جہاں ایٹمی تابکاری کے اثرات ہوں، پائلٹوں کو کیمیائی بادلوں کے دوران پرواز کرنے پر مجبور کیا گیا، اپنی ہی عوام پر حیاتیاتی ہتھیاروں کے تجربات کیے گئے، انسانی رویوں کو تبدیل کرنے والی ادویات کے تجربات بھی اپنے باشندوں پر کیے گئے جس سے بہتوں کی یادداشتیں چلی گئیں۔ ان تجربات سے نہ تو امریکی عوام کو آگاہ کیا گیا اور نہ ہی بعد میں ان کا علاج معالجہ کیا گیا۔

یہ چھوٹی سی تاریخ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے جو امریکہ اپنی عوام اور سپاہیوں کا خیال نہیں رکھتا، وہ غیر ملکیوں کا کیونکر خیال رکھے گا؟

تبت کے علیحدگی پسند رہنما اور روحانی پیشوا 'دالائی لامہ' (Dalai Lama) سے 'سی آئی اے' کے اہلکار نے پوچھا کہ 'تبتیوں کی مدد کرکے کیا ہم نے اچھا کیا یا برا؟' اُس کا جواب تھا کہ 'گو اس مدد سے چین کے مخالفین کو فائدہ پہنچا، لیکن درحقیقت امریکی مدد تبتیوں کے لیے نہیں بلکہ چین کو سرد جنگ کے مروجہ طریقہ کار کے مطابق دھمکانے کے لیے تھی۔ تاہم اس سارے کھیل میں ہزاروں جانیں ضائع ہوگئیں۔ (اس سب کا ذمہ دار کسے ٹھہرایا جائے؟)'

’اقوامِ متحدہ‘ میں امریکی سفیر ’میڈلین البرائٹ‘ (Madeleine Albright)کا وہ انٹرویو کس کے ذہن سے محو ہوا ہو گا جب رپورٹر لیسلی(Lesley Stahl)نے اس سے سوال کیا کہ خلیج جنگ کے دوران عراق میں ایک اندازے کے مطابق اب تک نصف ملین بچے مر چکے ہیں اور یہ تعداد ہیروشیما میں مرنے والے بچوں سے زیادہ ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ ایسے ہونا چاہیے تھا؟اس نے مخصوص انداز میں بھنویں اچکا کر کہا:

”میرے خیال میں گو یہ ایک سخت راستہ ہے مگر ایسا ہی ہونا چاہیے تھا“۔

اسی البرائٹ کو جب فروری ۱۹۹۸ء میں کولمبس کے مجمعِ عام میں آڑے ہاتھوں لیا گیا تو وہاں اس نے عراق میں امریکی قتلِ عام کا دفاع کرتے ہوئے کہا:”ہم دنیا کا عظیم ترین ملک ہیں (یعنی ہمارے ہر قدم کو مبنی بر عدل سمجھا جائے)“۔

’ورلڈ بینک‘ کے چیف اکانومسٹ ’لارنس سمرز‘ (Lawrence Summers)نے تجویز پیش کی کہ:

’آلودہ مواد خارج کرنے والی صنعتوں کو ترقی پذیر ممالک میں منتقل کرنے کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے، کیونکہ اس طرح ہمارے اپنے ملک میں آلودگی سے ہونے والی اموات اور صحت کے مسائل کے حل میں ہونے والے اخراجات کم ہو جائیں گے، نیز ان ممالک میں متاثرہ کارکنوں کو فراہم کئے جانے والے معاوضے پر کم لاگت آئے گی کیونکہ اُن ممالک میں ملازموں کی اجرتیں ویسے ہی کم ہیں۔ان وجوہات کی بنیاد پر ہم سمجھتے ہیں کہ یہی تجویز بہترین ہے‘۔

لارنس کی اس تجویز پر امریکہ میں کافی لے دے ہوئی مگر اس کے باوجود ۱۹۹۹ء میں صدر ’کلنٹن‘ (Clinton) نے لارنس سمرز کو پذیرائی دیتے ہوئے ’انڈر سیکریٹری‘ برائے بین الاقوامی معاملات سے ترقی دے کر ’سیکرٹری خزانہ‘ بنادیا۔

کلنٹن کے دورِ حکومت میں نائب صدر اور ۲۰۰۰ء کے الیکشن میں بش کے مد مقابل ’الگور‘ (Albert Gore)کا حال ملاحظہ کیجیے۔۱۹۹۸ء میں جب جنوبی افریقہ نے اپنے باشندوں کے لیے ایڈز سے بچاؤ کی سستی ادویات کی فراہمی کا منصوبہ بنایا تواِس شخص نے جنوبی افریقہ پر تجارتی پابندیاں لگانے کی دھمکی دے کر اس سے باز رکھنے کی کوشش کی کیونکہ جنوبی افریقہ کے اس اقدام سے امریکی ادویات کی کمپنیوں کو نقصان کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا۔ بعد میں جب ایک مجمعِ عام

میں اس سے اس حرکت کا جواب مانگا گیا تو اس نے یہی کہا کہ ’مجھے اپنے ملک سے پیار ہے‘ (لہذا اس کی منفعت کے لیے سب روا ہے)۔

۱۹۹۱ء میں عراق پر امریکی بمباری کے دوران ایک ایسی شہری حفاظت گاہ کو جلا کر راکھ کر دیا گیا جس میں عورتیں اور بچے پناہ گزین تھے۔ اس سانحے پر امریکی وائٹ ہاؤس کے ترجمان مارلن فٹنز واٹر (Marlin Fitzwater) نے بڑی معصومیت کے ساتھ یہ بیان دیا کہ ’ہمیں نہیں معلوم تھا کہ شہری وہاں کیا کر رہے تھے مگر ہمیں یہ ضرور معلوم ہے کہ انسانی زندگی کی قدر و قیمت ہم سے زیادہ صدام حسین میں نہیں ہے‘۔

ویتنام کی جنگ کے دوران امریکی خون ریزی جاری تھی اور اس وقت کا امریکی صدر جانسن (Johnson) یہ یقین دلانے میں مصروف تھا کہ ’انسانی زندگی کی تعظیم ہم سے زیادہ ایشیا والوں میں نہیں ہے‘۔ یہ باتیں اس وقت کہی جا رہی تھیں جب امریکی بم، طیارہ بردار ہیلی کاپٹر ویتنامیوں کی زندگیاں اجاڑ رہے تھے۔ ٹھیک اسی وقت میں امریکی صحافی ڈیوڈ لارنس (David Lawrence) اپنے شماروں میں یہ لکھ رہا تھا کہ ’امریکی ویت نام میں جو کچھ کر رہے ہیں، وہ انسانی ہمدردی کی ایک ایسی شاندار مثال ہے جو پہلے دیکھنے میں نہیں آئی‘۔ اس پر میں نے ویتنام میں امریکی کرتوت پر مبنی ایک پمفلٹ اُس کی طرف روانہ کیا اور ساتھ اس پمفلٹ کے نیچے لکھا کہ ہم دونوں میں سے ایک دیوانہ ہے اور کہا کہ اپنی بات لکھنے سے پہلے ان امریکی جرائم کو بغور مطالعہ کر لو۔ تو اس مسخ شدہ ذہن کے حامل صحافی کا جواب تھا کہ ’میرے خیال میں یہ پمفلٹ میرا نکتہ واضح کرتا ہے، یعنی غیر مہذب اور خونخوار لوگوں کی ضرورت ہے کہ انھیں تہذیب یافتہ زندگی کی سچی بنیادیں سمجھائی جائیں‘۔

امریکی ذہنیت یہ ہے کہ جو بھی غیر اخلاقی عمل اگر امریکی سلامتی کے حق میں ہے تو اسے کر گزرنا عین ثواب ہے۔ اس میں پوری دنیا کے معاملات میں دخل اندازی، بمباریاں، بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلنا، سب شامل ہے۔

جاپان کے شہروں ’ہیروشیما‘ و ’ناگاساکی‘ پر جو ایٹم بم برسایا گیا اس کے بارے میں دنیا کو جو جواز فراہم کیا گیا، وہ یہ تھا کہ جاپان کو زمینی جارحیت سے باز رکھنے اور ہزاروں امریکیوں کی جانوں کو بچانے کے لیے یہ عمل نہایت مجبوری کے عالم میں کیا گیا ہے۔ بعد میں سامنے آنے والے حقائق سے معلوم ہوا کہ جاپان کئی ماہ سے ہتھیار ڈالنے کی کوشش میں تھا مگر امریکہ صرف اس لیے نظر انداز کر رہا تھا کہ اسے ایٹمی دھماکے کا جواز چاہیے تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ یہ ایٹمی دھماکہ

جاپانیوں کو ذلیل کرنے کے لیے نہیں بلکہ روس کو خوفزدہ کرنے کے لیے کیا گیا تھا اور اسی لیے یہ بات بلا مقصد نہیں کہی گئی کہ 'یہ جنگ عظیم کا آخری حملہ نہیں، سرد جنگ کا پہلا حملہ تھا'۔

امریکی خارجہ پالیسی کے ستون

امریکہ نے ہمیشہ دوسروں کو اپنی خواہشات کا پابند بنانے کے لیے خارجہ پالیسی بنائی ہے اور اس کے مطابق عمل درآمد کیا ہے، لیکن ہمیشہ دھوکہ دہی کے ساتھ دنیا اور اپنی عوام کو یہی باور کروایا ہے کہ اسے دنیا، دنیا میں رہنے والی اقوام اور ان کی تہذیبوں کا تحفظ مقصود ہے اور وہ بے غرضی کے ساتھ اس مقصد کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہے۔

پہلی جنگِ عظیم کے بعد نومولود سوویت یونین نے جب دنیا کے بعض خطوں کو سرمایہ دارانہ اجارہ داری سے نکالا تو اس وقت اس پر حملہ آور اقوام میں سرِ فہرست امریکہ تھا۔ امریکہ نے اپنے سرمایہ دارانہ مفادات کے تحفظ کے لیے سوویت یونین کے مقابلے میں مختلف گروہوں کو تعاون دیا، لیکن جب مطلع صاف ہو گیا تو اس وقت امریکی فوج کے سربراہ نے یہ اعلان کیا کہ: 'ہماری یہ مہم عزت مندی اور بے غرض و بے لوث تعامل کے باب میں تاریخِ انسانی کی سب سے صاف ستھری مثال ہے، وہ باب یہ کہ اپنے سوا ان لوگوں کی مدد کی جائے جو اپنی آزادی کی جدوجہد کر رہے ہوں'۔

اس کے ٹھیک ستر سال بعد اس وقت کے امریکی فوج کے چیئرمین جوائنٹ چیفس 'جنرل کولن پاول' (Colin Powell) نے 'پانامہ' (Panama) کی عوام کا قتلِ عام کرنے کے چند دن بعد 'کیلی فورنیا' کی ایک مجلس میں کہا: 'ہماری بے لوثی و بے غرضی اور ہماری اقدار کے سبب بحر الکاہل میں ہمارے بہت سے دوست ممالک ہیں'۔

امریکہ کے اس رویے پر تبصرہ کرتے ہوئے امریکی صحافی 'گیری ولز' (Garry Wills) لکھتا ہے:

> 'ہم سمجھتے ہیں کہ ہم دوسروں سے ہمدردی میں انھیں عملاً قتل کر سکتے ہیں، دوسروں سے انتہائی محبت میں ان پر اپنی بندوقیں تان سکتے ہیں۔ چنانچہ جب امریکہ اپنے بے غرضانہ موڈ میں ہو تو دوسری اقوام کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ قلعہ بند ہو جائیں'۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکی خارجہ پالیسی کی بنیاد میں کسی قسم کی انسانی ہمدردی یا اخلاقیات کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ اس کی تاریخ کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکی خارجہ پالیسی کی عمارت درج ذیل چار ستونوں پر کھڑی ہے:

1. گلوبلائزیشن یعنی پوری دنیا میں امریکی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے کردار کو بڑھانا۔

2. اندرونِ ملک دفاعی ٹھیکیداروں کی مالی استعداد بڑھانا جو کانگریس کے ارکان اور وہائٹ ہاؤس کے مکینوں کو فیاضانہ نوازنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔
3. کسی بھی ایسے ملک کی ترقی کو روکنا جس کے بارے میں اندازہ ہو کہ وہ سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔
4. دنیا بھر میں سیاسی، معاشی اور فوجی اجارہ داری کو اس حد تک بڑھانا کہ کوئی بھی علاقائی طاقت امریکی برتری کے لیے خطرہ نہ بن سکے اور ایسا عالمی نظام پیدا کیا جائے جو دنیا کی نام نہاد واحد عظیم طاقت کی مرضی اور مفاد کے مطابق ہو۔

امریکی 'سینٹ کوم'(CENTCOM) کے افسر 'نارمن شوارزکوف' (Norman Schwarzkopf) کا کانگریس کے سامنے دیا جانے والا بیان امریکی فوج کی ذہنیت واضح کرتا ہے:

"ہم مختلف ممالک کو سلامتی کے حوالے سے جو مدد فراہم کرتے ہیں، یہی ہمارے لیے ان ممالک میں 'رسائی' کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ اگر ہمارے دوست اس مدد کی اجازت نہ دیں، تو ہمارے لیے امریکی افواج کو اس مطلوبہ علاقے میں پہنچانا ناممکن ہو جاتا ہے اور نہ ہی ہم ایک خاص وقت تک اپنی فوج کو وہاں رکھ سکتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر ہمارا فوجی اعانت کا پروگرام ختم کر دیا جائے تو دنیا پر ہمارا دباؤ اور اثر ختم ہو کر رہ جائے گا اور ہم واپس اس مقام پر آ جائیں گے جہاں ہمارے پاس ہتھیاروں کے استعمال اور دشمن کو قابو کرنے کے مواقع نہایت ہی کم رہ جائیں گے۔ ہماری حکمتِ عملی کا دوسرا پہلو 'موجودگی' ہے، یہ علاقے کے استحکام کے حوالے سے امریکی مفادات اور کارگزاریوں کو ظاہر کرتی ہے۔ امریکی سینٹ کام (CENTCOM) کی حکمتِ عملی کا تیسرا پہلو 'مشترکہ فوجی مشقیں' ہیں، یہ بھی علاقوں کے حوالے سے ہماری ذمہ داریوں اور فیصلوں کو ظاہر کرتی ہیں۔ یہ تعاون کو بڑھاتی ہیں اور اپنے دوستوں کے ساتھ اتحاد و یگانگت کی فضا میں کام کرنے سے ہماری صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے"۔

انسانیت کے خلاف امریکہ کے جنگی جرائم

یہاں ہم دنیا میں امریکہ کی طرف سے ہونے والے جنگی جرائم میں سے بعض کا ذکر درج کر رہے ہیں:

امریکہ کی فضائی بمباریوں کے چند واقعات

یوگوسلاویہ (Yugoslavia) پر بمباری

امریکی محکمہ دفاع کے مطابق ۱۹۹۹ء میں 'یوگوسلاویہ' پر حملے کے دوران امریکی جنگی جہازوں نے ۱۱۰۰ 'کلسٹر' بم گرائے جن میں سے ہر ایک بم ۲۰۲ بموں پر مشتمل تھا۔ گویا دولاکھ بائیس ہزار دو سو (۲۲۲۲۰۰) بم زمین پر برسائے گئے۔ محکمے کے بیان کے مطابق ان بموں کی ناکامی کی شرح ۵ فیصد تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ کم از کم گیارہ ہزار ایک سو (۱۱۱۰۰) کلسٹر بم نہیں پھٹے اور جنھوں نے بعد میں بارودی سرنگوں کا کام دیا اور مزید لوگ اس کے سبب ہلاک ہوئے۔ کلسٹر بم لوہے کی آتش گیر گولیوں کی صورت میں ہوتا ہے جو آندھی کی طرح پھیل کر ہر طرف آگ لگا دیتی ہیں، آہنی دھاتوں کو پگھلا دینے والی خصوصیت کے باعث یہ ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں میں سوراخ کر دیتی ہیں اور اتنی تیز دھار اور نوکیلی ہوتی ہیں کہ لوہے کی ایک چوتھائی 1\4 کی پلیٹ یا انسانی گوشت اور ہڈیوں کو قاش کی طرح کاٹ دیتی ہیں۔

یوگوسلاویہ کے ہڈیوں کے ایک ماہر ڈاکٹر نے کہا کہ 'میں نے اور میرے ساتھی ڈاکٹروں نے آج تک ایسے خوفناک زخم نہیں دیکھے جو کلسٹر بموں کا شکار ہونے والوں کو لگے تھے۔ ایسے زخم تھے جو بڑی حد تک معذوری کا نتیجہ بنے، ہڈیوں کا ایسا چورا ہوتا تھا کہ متعلقہ عضو کو جسم سے الگ کرنے کے سوا کوئی چارا نہیں ہوتا تھا'۔

لاؤس (Laos) پر بمباری

لاؤس میں ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۳ء تک ہونے والی امریکی بمباری میں کم و بیش ۲ ملین ٹن بارود کے بم کارپٹ بمباری کی شکل میں برسائے گئے، جن میں سے ۳۰ فیصد بم نہیں پھٹ سکے اور نہ پھٹنے والے اِن بموں کی وجہ سے اب تک گیارہ ہزار حادثات ہو چکے ہیں۔

خلیج جنگ (Gulf War) کے دوران عراق پر بمباری

خلیج کی پہلی جنگ میں ایک رپورٹ کے مطابق ۲۴ سے ۳۰ ملین کلسٹر بم برسائے گئے جن میں سے 1.2 سے لے کر 1.5 ملین بم ایسے تھے جو نہ پھٹ سکے اور اب تک ۱۲۲۰ کویتی اور ۴۰۰ عراقی شہریوں کی ہلاکت کا باعث بن چکے ہیں۔

امریکہ کا مختلف ملکوں پر کیمیائی اور حیاتیاتی ہتھیاروں سے حملہ

جزائر بہاما (Bahama Islands)

۱۹۴۰ء کی دہائی کے اواخر اور ۵۰ء کی دہائی کے اوائل میں امریکہ، کینیڈا اور برطانیہ کی مشترکہ ٹیموں نے اِس علاقے میں مضرِ صحت بیکٹیریا (bacteria) کا چھڑکاؤ کیا جو بحر الکاہل کے اس علاقے کے لیے خطرناک ترین سمجھا جاتا ہے، ان تجربات کے نتیجے میں ہزاروں جانور ہلاک ہوگئے جبکہ انسانی جانوں کا اندازہ نہیں لگایا جا سکا۔ اس کی معلومات تاحال مخفی ہیں۔

کینیڈا

امریکہ نے ۱۹۵۴ء میں کینیڈا کے شہر 'وینیپیگ' (Winnipeg) میں ٹرکوں کے ذریعے 'زنک کیڈمیم سلفائیڈ' (zinc cadmium sulfide) کا چھڑکاؤ کیا جو کہ اس کے کیمیائی وحیاتیاتی ہتھیاروں کے تجربات کا حصہ تھا۔

چین اور کوریا

۱۹۵۲ء کے آغاز میں جب کوریا کی جنگ جاری تھی، تب چین نے احتجاج کیا کہ امریکہ، کوریا اور شمال مشرقی چین میں بہت بڑی تعداد میں مختلف الاقسام بیکٹیریا، کیڑے مکوڑے، جانوروں اور مچھلیوں کے گلے سڑے حصے اور نہایت ہی عجیب وغریب قسم کی چیزیں پھینک رہا ہے جو بیماریوں کا باعث بن رہی ہیں۔ چینی حکومت نے اعلان کیا کہ طاعون، انتھراکس اور اینسی فلائٹس (encephalitis) سے نہایت تیزی کے ساتھ اموات ہو رہی ہیں۔ اس الزام کا ثبوت چینی حکومت نے ۳۶ امریکی ہوابازوں کو گرفتار کر کے اُن کی گواہیوں کی صورت میں شائع کیا جو مہلک مواد سے لیس جہاز اڑاتے تھے۔ نیز جراثیمی بموں اور کیڑوں کی تصاویر بھی شائع کیں۔ اُن ہوابازوں نے یہ الزامات قبول کیے مگر اپنے ملک میں جا کر کورٹ مارشل کے خوف سے انہوں نے اپنے اقبالی بیان واپس لے لیے۔ ان ہوابازوں میں سے بعض خود یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ وہ جو پھینک رہے ہیں، وہ دھماکہ خیز بارود ہے یا جراثیم۔ وہ تمام شدید ذہنی دباؤ کے تحت جی رہے تھے۔

امریکہ نے کوریا میں 'نیپام' (napalm) بھی بڑی مقدار میں گرایا، ایک اندازے کے مطابق ۱۹۵۲ء میں روزانہ تقریباً ۷۰ ہزار گیلن یہ زہریلا مواد گرایا جاتا تھا۔ اسی طرح ۱۹۸۰ء میں یہ بات بھی منظرِ عام پر آئی کہ ۱۹۶۷ء سے ۱۹۶۹ء کی مدت میں امریکہ نے شمالی وجنوبی کوریا کے درمیان غیر فوجی زون کی جنوبی سرحد کے تئیس ہزار چھ سو سات

(۲۳۶۰۷) ایکڑ رقبے پر نباتات تباہ کرنے کے لیے 'ایجنٹ اورینج' (agent orange) نامی زہریلے مواد کا چھڑکاؤ کیا۔

ویتنام

۱۹۶۰ء کے آغاز سے تقریباً اِس پوری دہائی میں امریکہ نے جنوبی ویتنام کے تیس لاکھ ایکڑ رقبہ (اس میں لاؤس اور کمبوڈیا کے چند علاقے بھی شامل ہیں) پر لاکھوں ٹن ہربیسائڈ (herbicide) کا چھڑکاؤ کیا جس کا مقصد فصلوں کی تباہی اور اُن گھنے پتوں کا صفایا تھا جو دشمن کے بچاؤ میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ ہربیسائڈ خاص طور پر 'ایجنٹ اورنج' کے استعمال نے ویتنام کو آلودہ کرکے رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ۵۰۰ پاؤنڈ ڈائی آکسن (dioxin) کے استعمال نے تباہ کن آلودگی پیدا کی۔ یہ نہایت ہی زہریلا مادہ ہے، اتنا ہی زہریلا جتنا اعصابی گیس انسانی جان کے لیے زہریلی ہے۔ اس کے استعمال سے جو امراض پھیلتے ہیں ان میں جسم میں غذائیت پیدا ہونے میں خرابی آنا، قوتِ مدافعت کی کمزوری پیدا ہونا، پیدائشی نقائص اور ذہنی ونفسیاتی معذوریاں شامل ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق نیویارک کی آبادی کا صفایا کرنے کے لیے شہر میں سپلائی ہونے والے پانی میں صرف 3 اونس ڈائی اوکسن (dioxin) کافی ہے۔

ویتنام میں ان زہریلے حملوں سے بیس لاکھ لوگ متاثر ہوئے۔ ویتنامی حکومت کے اندازے کے مطابق ۵ لاکھ بچے چھڑکاؤ کے علاقوں میں پیدائشی نقائص کے ساتھ پیدا ہوئے۔ مزید برآں امریکی فوج نے ویتنامی عوام پر 'سی ایس'، 'ڈی ایم' اور 'سی این' نامی گیسوں کے حملے کیے، مگر امریکی اہلکاروں کا اصرار رہا کہ یہ کیمیائی جنگ نہیں بلکہ ہنگاموں پر قابو پانے والے ہتھیار ہیں۔ ویتنام میں اِن گیسوں کا بے دریغ استعمال کیا گیا۔ 'سی ایس' گیس شدید دست آور ہے اور اس کی وجہ سے قابو سے باہر الٹیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ ویتنام میں اِن گیسوں سے بے شمار عورتیں بچے ہلاک ہوئے۔ اس گیس کے اثرات میں آنکھوں کے ڈیلوں کا بہہ جانا، چہرے پر آبلے پڑ جانا، پھوڑے پھنسیاں پھوٹ پڑنا اور جلد کا جھلس جانا وغیرہ شامل ہیں۔ امریکی نائب وزیرِ دفاع 'سائرس وینس' (Cyrus Vance) نے اعتراف کیا کہ اِن حملوں میں سائینائیڈ (cyanide) اور سنکھیا (arsenic) استعمال ہوا تھا۔ نیپام اور نیفتھلین (naphthalene) نامی کیمیائی مواد کا استعمال اس کے علاوہ تھا۔

لاؤس

ستمبر ۱۹۷۰ء میں امریکی فوجیوں نے لاؤس میں 'آپریشن ٹیل وِنڈ' (Operation Tailwind) کے تحت کارروائی کی۔ اس آپریشن کے دوران 'لاؤٹیان' (Laotian) نامی گاؤں میں ایک بیس کیمپ پر حملے کے لیے امریکی افواج نے 'سارین گیس' استعمال کی۔ یہ سارین گیس اس قدر زہریلی ہے کہ اگر اس کے بخارات سانس کے ذریعے انسانی بدن میں داخل ہو جائیں تو چند منٹ میں موت واقع ہو سکتی ہے۔ اور اگر اس کا چھوٹا سا قطرہ انسانی جلد سے مَس کر لے، تب بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ کپڑوں میں سے بھی سرایت کر جاتا ہے۔

مذکورہ کارروائی کے دوران جب امریکی حملے کے لیے موزوں راستہ تلاش کر رہے تھے تو انہیں شمالی ویتنامیوں اور لاؤ سپاہیوں کی طرف سے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ امریکیوں نے فضائیہ سے مدد طلب کی جنھوں نے 'سارین گیس' کے کنستر پھینکنے شروع کر دیے۔ اس کے نتیجے میں ویتنامیوں اور لاؤ جنگجوؤں کے جسم اینٹھ گئے، انھوں نے الٹیاں شروع کر دیں اور بعضے مر گئے۔ اس گیس نے بعض امریکی فوجیوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لیا، جن میں سے ایک آج تک اس کا شکار ہے۔ اس کارروائی کے نتیجے میں سو سے زائد لوگ مارے گئے جن میں فوجی اور عوام سبھی شامل تھے، خود دو امریکی فوجی بھی مارے گئے۔

اس واقعہ کی تصدیق ۷ جون ۱۹۹۸ء کو 'سی این این' (CNN) کے پروگرام 'نیوز سٹینڈ سی این این اینڈ ٹائم' (NewsStand CNN & Time) میں امریکی جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کے سابقہ چیئرمین 'ایڈمرل تھامس مورر' (Thomas Moorer) نے کی۔ اس پر امریکہ میں تہلکہ مچ گیا، بڑے مگرمچھ … ہینری کسنجر (Henry Kissinger)، کولن پاول … چلا اٹھے، فوجی سرباز بول پڑے، امریکہ نواز صحافی پِل پڑے، پینٹاگان بھی کود آیا، یہاں تک کہ سی این این کو رجوع کرنا پڑا، ایڈمرل کو رجوع کرنا پڑا اور پروگرام کے پیش کاروں کی چھٹی ہو گئی۔

پانامہ

۱۹۴۰ء سے ۱۹۹۰ء تک امریکہ نے ہر قسم کے کیمیائی ہتھیاروں … جن میں مسٹرڈ گیس، وی ایکس (VX)، سارین، ہائڈروجن سایانائیڈ (hydrogen cyanide) وغیرہ شامل ہیں … کے تجربات کے لیے 'پانامہ' کو بطور تجربہ گاہ استعمال کیا۔ یہ ہزاروں ٹن کیمیائی مواد راکٹوں، کارتوسوں اور بارودی سرنگوں کی صورت میں استعمال ہوا۔ ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء کی دہائیوں میں امریکی فوج نے پانامہ میں 'ایجنٹ اورنج' اور دیگر زہریلے نباتات کش کیمیائی مواد (Herbicides) کے

خفیہ تجربات کیے۔ بہت سے شہری اور فوجی اس مہلک کیمیائی مواد سے متاثر ہوئے۔ 'ایجنٹ اورنج' پر مشتمل ڈائی آکسن کے سینکڑوں ٹرک بحری جہاز کے ذریعے پانامہ بھیجے گئے، وہاں کے جنگلات اور گردونواح کے تفریحی مقامات پر ان کا چھڑکاؤ کیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ یہاں اس کے اثرات کا جائزہ لیا جائے اور جانا جائے کہ جب اس کا استعمال شمال مشرقی ایشیا کے محاذ پر کیا جائے گا تو کیا اثرات ہوں گے۔

اسی طرح ۱۹۸۹ء میں پانامہ پر امریکی حملے کے دوران وہاں کے ایک گاؤں 'پکورا' (Pacora) پر امریکی جنوبی کمانڈ نے ہیلی کاپٹروں اور جہازوں کی مدد سے کیمیائی حملہ کیا۔ وہاں کے رہائشیوں نے بتایا کہ ایسا مواد پھینکا گیا جس سے ان کی جلد جلنے لگی اور انھیں اسہال کا مرض لاحق ہو گیا۔ ایسا کرنے کا سبب اس علاقے کے رہائشیوں کو پانامی فوجیوں کی مدد سے باز رکھنا تھا۔

کیوبا

کیوبا سے سوویت یونین کو بر آمد ہونے والی چینی کو مختلف مواقع پر امریکی سی آئی اے ایجنٹوں نے آلودہ کیا جس کا مقصد صرف اور صرف سوویت یونین مخالف یا اشتراکیت مخالف کارروائی کی انجام دہی تھی۔ اس کا اعتراف سی آئی اے کے ایک اہلکار نے کیا جو کیوبا کے خلاف عالمی سطح پر امریکی اقدامات میں براہ راست شریک رہا۔ اس نے بتایا کہ: 'کیوبا سے بہت بڑی مقدار میں چینی دنیا بھر میں بھیجی گئی جسے ہم نے آلودہ کیا'۔

اسی طرح ۱۹۶۲ء میں امریکہ نے ایک خفیہ اہلکار کے ذریعے کینیڈی ماہرِ زرعیات کو... جو کیوبا کی حکومت کے مشیر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا... پانچ ہزار ڈالر اس کام کے لیے دیے کہ وہ کیوبا کے فیل مرغوں میں 'نیو کیسل' نامی بیماری (Newcastle disease) کے جراثیم داخل کرے۔ اس کے نتیجے میں آٹھ ہزار سے زائد فیل مرغ ہلاک ہو گئے۔

۱۹۶۹ء اور ۱۹۷۰ء کے مابین سی آئی اے نے کیوبا کی چینی کی فصل تباہ کرنے اور معیشت برباد کرنے کے لیے موسموں میں مصنوعی تبدیلی لانے والی جدید ٹیکنالوجی کو استعمال کیا۔ کیلیفورنیا میں قائم بحری ہتھیاروں کے مرکز (China Lake Naval Weapons Center) سے... جہاں یہ جدید ٹیکنالوجی تیار کی جاتی تھی... جہاز اڑتے اور مطلوبہ مقام پر بادل بنا کر چلے جاتے۔ یہ مصنوعی بادل غیر زرعی زمینوں پر طوفانی بارش برساتے، جبکہ گنے کے کھیت و فصل بارش سے محروم رہ جاتی۔

۱۹۷۱ء کی ایک کارروائی میں سی آئی اے نے کیوبا کی حدود میں ایسے جراثیم چھوڑے جو افریقی خنزیروں کا بخار (African Swine Fever) نامی بیماری کا باعث بنتے تھے۔ اس جراثیمی حملے کے چھ ہفتوں بعد کیوبا میں وبا پھوٹ پڑی اور حکومت کو اس خوف سے پانچ لاکھ خنزیر از خود مارنے پڑے کہ کہیں قومی سطح پر جانوروں میں یہ مرض نہ پھیل جائے۔

اس کے دس سال بعد ان وبائی حملوں کا انسان نشانہ بنے اور 'ڈی ایچ ایف' (Dengue Hemorrhagic Fever) یعنی 'ڈینگی بخار' کی بیماری جزیرے میں پھوٹ پڑی۔ یہ بیماری خون چوسنے والے کیڑوں... عام طور پر مچھروں... کے ذریعے پھیلتی ہے، شدید نزلہ وزکام اور ہڈیوں میں ناقابلِ برداشت درد اس بیماری کی علامت ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں مئی سے اکتوبر تک کیوبا میں ۳۰۰،۰۰۰ افراد اس بیماری میں مبتلا ہوئے جبکہ مرنے والوں کی تعداد ۱۵۸ تک پہنچ گئی جس میں ۱۰۱ پندرہ سال کی عمر تک کے بچے تھے۔

اس بیماری کو پھیلانے میں بڑا کردار امریکی فوج کے 'جارجیا' (Georgia) اور 'فلوریڈا' (Florida) میں ۱۹۵۶ء اور ۱۹۵۸ء کے مابین مچھروں کے جھنڈ پر کیے جانے والے تجربات نے ادا کیا۔ ان تجربات سے امریکیوں کا مقصود یہ جاننا تھا کہ آیا کیڑے مکوڑوں کے ذریعے سے پھیلنے والی بیماریوں کو حیاتیاتی جنگ میں بطورِ ہتھیار استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یہ پالے ہوئے مچھر 'ایڈیس ایجپٹی' (aedes aegypti) قسم سے تعلق رکھتے ہیں جو دیگر بیماریوں کے ساتھ ساتھ ڈینگی بخار کا خاص طور پر باعث بنتے ہیں۔

۱۹۶۷ء میں یہ رپورٹ نشر ہوئی کہ 'میری لینڈ' (Maryland) کے 'فورٹ ڈیٹرک' (Fort Detrick) کے حکومتی مرکز میں جو بیماریاں زیرِ تحقیق تھیں، ان میں ڈینگی بخار بھی شامل تھا۔ تحقیق یہ کی جارہی تھی کہ ان بیماریوں کو آیا حیاتیاتی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

۲۱ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو مطلع بالکل صاف تھا، کیوبا کے صوبے مٹنساز (Matanzas) پر جہاز اڑاتے ہوئے کیوبا کے ایک پائلٹ کی توجہ ایک ایسے جہاز پر پڑی جس نے فضا میں ۷ بار کسی قسم کے مواد کی گرد چھوڑی۔ اس نے فوری طور پر کنٹرول ٹاور رابطہ کرکے اطلاع دی تو معلوم ہوا کہ وہ امریکی جہاز ہے جسے گرینڈ کیمن جزیرے (Grand Cayman Island) کے راستے کولمبیا (Columbia) جانے کے لیے کیوبا پر سے گزرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ بعد ازاں ۱۸ دسمبر ۱۹۹۶ء کو اچانک ہی کیوبا میں طاعون کی بیماری پودے کھا جانے والے 'تھرپس پالمی' (Thrips palmi) نامی

کیڑوں کے ذریعہ سے پھیلنے کا انکشاف ہوا۔ اس سے قبل یہ کیڑے کبھی کیوبا میں نہ پائے گئے تھے۔ یہ کیڑے نہ صرف فصلوں کو مکمل طور پر تباہ کر دیتے تھے بلکہ اپنے خلاف مزاحمانہ کارروائیوں کا بھرپور مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ گویا انہیں ختم کرنا بہت مشکل تھا۔ اس نے نہایت تیز رفتاری سے ہر طرف پھیل کر مکئی، پھلیاں، کدو، کھیرے اور دیگر فصلوں کو بری طرح متاثر کر دیا۔

کیوبا کے خلاف امریکہ کی کیمیائی وحیاتیاتی جنگ کے بارے میں مکمل تفصیلات آج تک سامنے نہیں آسکیں۔ البتہ گزشتہ عرصے میں 'کاسترو' (Castro) نے امریکی حکومت پر کیوبا میں مختلف قسم کے طاعون پھیلانے کا الزام لگایا جس سے بے شمار مویشی ہلاک اور فصلیں تباہ ہوئیں۔

امریکہ کا خود اپنے ملک میں کیمیائی وحیاتیاتی ہتھیاروں کا استعمال

ان واقعات کے علاوہ امریکی حکومت اور سی آئی اے دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے اپنے ہی ملک کی مختلف ریاستوں میں اپنے لوگوں اور فوجیوں پر مختلف تابکاری، کیمیائی، حیاتیاتی مواد کا چھڑکاؤ کرتی رہی ہیں اور اس کے اثرات کا درست جائزہ لے کر اسے اپنے اسلحے کے اسٹاک میں شامل کرتی رہی ہیں۔ ان تجربات کا مقصد یہ جاننا تھا کہ:

1. اس مواد کو گرانے کی درست مقدار کیا ہونی چاہیے؟
2. اس مواد کے اثرات کو زائل ہونے میں کتنا وقت لگتا ہے؟
3. حیاتیاتی اور تابکاری جنگ کے امکانات کیا ہیں؟
4. یہ اعصاب شکن گیسیں اور تابکاری وحیاتیاتی مواد کس حد تک اثر انداز ہوتی ہیں؟
5. ایٹمی تابکاری مواد بالخصوص پلوٹونیم (plutonium) کے ساتھ اس مواد کے استعمال سے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟
6. انسانی ذہن کو کنٹرول کرنے والی ادویات 'ایل سی ڈی' کس طرح اثر انداز ہوتی ہیں؟

ذیل میں امریکہ کی طرف سے اپنے ہی ملک میں کیے گئے بعض حملے ملاحظہ کیجیے:

سان فرانسسکو کا خلیجی علاقہ (San Francisco Bay Area)

۲۰ سے ۲۷ ستمبر ۱۹۵۰ء: ایک بحری جہاز کے ذریعے امریکی فوج نے 'سان فرانسسکو' کے خلیجی علاقے میں حیاتیاتی حملوں کے چھ تجربے کیے، جس میں دو طرح کے بیکٹیریا، بیسیلس گلوبیجی (Bacillus globigii) اور سیراٹیا

مار سیسنس (Serratia marcescens) استعمال کیے گئے۔ اس تجربے کا مقصد کسی ساحلی شہر پر، سمندر کی طرف سے، ہوا کے ذریعے سے کیے جانے والے حیاتیاتی حملے کے ضرر رساں نتائج کا مطالعہ کرنا بتایا گیا۔

۲۹ ستمبر سے سٹانفورڈ (Stanford) یونیورسٹی، سان فرانسسکو کے ہسپتال میں آنے والے مریض سیر اٹیا مار سینس بیکٹیریا سے متاثر پائے گئے۔ اس طرح کی انفیکشن والے مریض پہلے کبھی اس ہسپتال میں نہیں دیکھے گئے تھے۔ گیارہ مریضوں میں اس انفیکشن کی تشخیص ہوئی جن میں سے ایک کی موت ہو گئی۔ ۱۹۷۷ء میں سینٹ کی ایک کمیٹی کے سامنے نیویارک کی سٹیٹ یونیورسٹی کے مائکروبائیولوجی کے پروفیسر نے اس متعلق ایک رپورٹ پیش کی۔ اس رپورٹ کے مطابق سیر اٹیامار سیسنس بیکٹیریا کی تعداد میں اضافہ ایک صحت مند انسان کو بیمار کرنے اور پہلے سے بیمار کو خطرناک بیماری میں مبتلا کرنے کا باعث ہو سکتا ہے۔

منیاپولس (Minneapolis)

۱۹۵۳ء: شہر کے چار حصوں میں 'زِنک کیڈ میم سلفائڈ' (zinc cadmium sulfide) کا اِکسٹھ (۶۱) بار چھڑکاؤ کیا گیا۔ امریکہ کی ماحولیاتی تحفظ کی تنظیم 'ای پی اے' (Environmental Protection Agency) کے مطابق اس مواد میں 'کیڈ میم' کی موجودگی کی وجہ سے یہ مواد بہت نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ ۱۹۷۲ء میں ایک سابق امریکی فوجی سائنس دان نے ایک رسالے میں لکھا کہ کیڈ میم کے آمیزے، بشمول زِنک کیڈ میم سلفائڈ، زہر آلود ہوتے ہیں اور ان کا کھلی فضا میں تجربوں میں استعمال صحت کے لیے شدید خطرے کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس سائنس دان کے مطابق زِنک کیڈ میم سلفائڈ پھیپھڑوں کی خرابی، گردوں میں شدید سوزش اور جگر کی کمزوری کا باعث بن سکتا ہے۔

واشنگٹن

۱۹۶۰ء کے آغاز میں امریکی فوج نے خفیہ طور پر 'واشنگٹن نیشنل ایئرپورٹ' پر بڑی تعداد میں بیکٹیریا چھوڑے۔ اس تجربے کا مقصد یہ جاننا تھا کہ دشمن کے کسی ایجنٹ کے لیے ہوائی مسافروں کے ذریعے سے پورے ملک میں چیچک کے جراثیم پھیلانا کس حد تک ممکن ہو سکتا ہے۔ اس تجربے میں 'بیسیلس سبٹلس' (bacillus subtilis) بیکٹیریا استعمال کیا گیا۔ 'جارج ٹاؤن میڈیکل سنٹر' میں کام کرنے والے ایک مائیکروبائیولوجی کے پروفیسر کے مطابق یہ بیکٹیریا بچوں، بوڑھوں، کمزور قوت مدافعت رکھنے والوں، سرطان، دل کے امراض اور اس طرح کی دیگر امراض میں مبتلا افراد

کے لیے شدید نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کا تجربہ واشنگٹن کے گرے ہاؤنڈ (Greyhound) بس اڈے پر بھی کیا گیا۔

فلوریڈا

۱۹۵۵ء: سی آئی اے نے 'ٹامپا' کے خلیجی علاقے (Tampa Bay) میں کھلی فضا میں 'کالی کھانسی' کے بیکٹیریا پھیلانے کا تجربہ کیا۔ اس تجربے سے پہلے ۱۹۵۴ء میں کالی کھانسی کے مریضوں کی تعداد 'تین سو انتالیس' (۳۳۹) تھی جن میں سے ایک کی موت ہوئی، جبکہ اس تجربے کے بعد ۱۹۵۵ء میں کالی کھانسی کے مریضوں کی تعداد 'ایک ہزار اسی' (۱۰۸۰) ہو گئی جن میں سے بارہ (۱۲) افراد کی موت واقع ہو گئی۔

امریکی فوج کی دیگر ممالک کو حیاتیاتی و کیمیائی جنگ کی تربیت

مصر

۱۹۶۹ء میں یہ بات سامنے آئی کہ امریکی فوج گزشتہ کئی برسوں سے غیر ملکی ماہرین کو کیمیائی و حیاتیاتی جنگ کی تربیت دے رہی ہے۔ ۳۶ ممالک جن میں مصر، اسرائیل، عراق، اردن، لبنان، سعودی عرب، یوگوسلاویہ اور جنوبی ویتنام شامل ہیں، ان کے 'پانچ سو پچاس' (۵۵۰) افراد کو 'الابامہ' (Alabama) کے 'فورٹ مک کلیلن' (Ft. McClellan) میں فوج کے کیمیکل سکول میں یہ تربیت دی جاتی رہی۔ مصری ماہرین نے اس تربیت کے حصول کے بعد ۱۹۶۷ء میں 'یمن' پر زہریلی گیسوں سے حملے کیے۔ 'بین الاقوامی صلیبِ احمر' (Red Cross) کی تنظیم نے تصدیق کی کہ مصری جہازوں نے زہریلی گیسوں کے کئی کنستر 'یمن' پر گرائے۔ اس حملے کی وجہ سے ڈیڑھ سو (۱۵۰) افراد گھٹن، شدید کھانسی اور بے تحاشہ خون بہنے کی وجہ سے مارے گئے۔ بعد میں اس حملے کی امریکی محکمہ دفاع نے بھی تصدیق کر دی۔

جنوبی افریقہ

۱۹۹۸ء میں یہ بات ایک کمیشن کے سامنے آئی کہ امریکی حکومت جنوبی افریقہ کے بے حس اور بے ضمیر حکومتی ٹولے کی حوصلہ افزائی کرتی رہی ہے کہ وہ اپنے ملک کی سیاہ فام آبادی کے خلاف کیمیائی و حیاتیاتی ہتھیار استعمال کرے۔ جنوبی افریقہ کے ایک جنرل 'ڈاکٹر واؤٹر بیسن' (Wouter Basson) نے ان نکات کی تصدیق کی کہ امریکی 'میجر جنرل ولیم آگرسن' (William Augerson) نے مجھے اس عمل کی ترغیب دی اور کہا کہ:

''موجودہ حالات میں کیمیائی جنگ سب سے بہترین حکمتِ عملی ہوگی کیونکہ علاقوں کا بنیادی ڈھانچہ اور تمام تر املاک محفوظ رہتی ہیں اور صرف لوگ مارے جاتے ہیں۔ افریقہ کی گرم آب وہوا ان ہتھیاروں کے استعمال کے لیے بہترین ہے کیونکہ یہاں زہر اچھی طرح پھیل سکتا ہے، یعنی نشانہ بننے والوں کے پسینہ اور خون کے دباؤ کے ذریعے زہر باآسانی پورے جسم میں سرایت کر جاتا ہے''۔

جنوبی افریقہ کے کیمیائی وحیاتیاتی تجربات کے پروگرام نے امریکی تجربات کی یاد تازہ کر دی اور ان ادویات کے تجربات کے لیے سیاہ فام سپاہیوں کو جانوروں کی جگہ استعمال کیا گیا۔ ایک ایسا زہر تیار کیا گیا جو دل کے دورہ کا باعث بنتا ہے اور کسی کو قتل کا شائبہ بھی نہیں ہوتا، بالکل طبعی موت لگتی ہے۔ اس کے علاوہ بیماریوں کے جراثیم کے ذریعہ سے پینے کا پانی بھی آلودہ کیا گیا۔

عراق

جنوری ۱۹۹۸ء کے اپنے قومی خطاب میں صدر 'کلنٹن' نے عراق پر یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی کہ وہ کیمیائی وحیاتیاتی اور ایٹمی ہتھیار بنانے سے باز رہے۔ مگر یہ بات اپنی جگہ اہم ہے کہ عراق میں 'صدام حسین' کو حیاتیاتی جنگ کے لیے مواد انہی امریکی سائنس دانوں نے ہی فراہم کیا۔

۱۹۹۴ء کی امریکی سینٹ کی رپورٹ کے مطابق ۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۹ء تک امریکی کامرس ڈیپارٹمنٹ کی لائسنس یافتہ ایک پرائیویٹ امریکی سپلائر نے اصل حیاتیاتی مواد عراق کو برآمد کیا۔ یہ مواد درج ذیل جراثیموں پر مشتمل تھا جو انتہائی مہلک بیماریوں کا باعث بنتے ہیں:

- بیسیلس اینتھراسس (Bacillus Anthracis): انتھراکس کا باعث بنتا ہے۔
- کلوسٹریڈیم بوٹولینم (Clostridium Botulinum): بوٹولینم زہر کا ایک ذریعہ ہے۔
- ہسٹوپلازمہ کیپسولیٹم (Histoplasma Capsulatum): یہ پھیپھڑوں، دماغ، ریڑھ کی ہڈی اور دل کی بیماری کا سبب بنتا ہے۔
- بروسیلا میلی ٹنسز (Brucella Melitensis): یہ بیکٹیریا جسم کے اہم اعضاء کو نقصان پہنچاتا ہے۔
- کلوسٹریڈیم پرفرنگنز (Clostridium Perfringens): نہایت زہریلا بیکٹیریا ہے جو جسمانی نظام میں بگاڑ پیدا کرتا ہے۔

- کلوسٹریڈیم ٹیٹانی (Clostridium Tetani)؛ انتہائی زہریلے اثرات مرتب کرتا ہے اور تشنّج (Tetanus) کی بیماری کا باعث بنتا ہے۔

امریکہ کا پوری دنیا میں منشیات پھیلانے میں کردار

جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک 'تھائی لینڈ'، 'لاؤس' اور 'برما'... جو دنیا میں 'افیم' کی پیداوار کا بڑا ذریعہ اور منشیات کی صنعت کے کرتا دھرتا ہیں... ان علاقوں سے 'ائیر امریکا' کے ذریعے سی آئی اے کی مکمل سرپرستی میں پورے جنوب مشرقی ایشیا میں منشیات سپلائی کی جاتی رہی۔ یہ جہاز افیم لے کر اس مقام تک آتے جہاں افیم ہیروئین میں تبدیل ہوتی، پھر یہ بحری جہازوں کے ذریعے مغربی خریداروں تک پہنچائی جاتی۔ اس سے ایک تو سی آئی اے کے فوجی اور سیاسی حلیفوں کی ذاتی و دیگر ضروریات پوری ہوتیں، دوسرا خود سی آئی اے کی تجوری بھی بھری جاتی۔ اس طرح سی آئی اے کو خفیہ کارروائیوں کے لیے بجٹ کے علاوہ اضافی سرمایہ بھی مل جاتا تھا۔ اس کام نے جنوب مشرقی ایشیا کے اکثر ممالک کے افراد کو ہیروئین کا عادی بنادیا۔ ہیروئین کو 'شمالی لاؤس' میں قائم سی آئی اے ہیڈ کوارٹر میں واقع ایک لیبارٹری میں خالص بنایا جاتا تھا۔ غرض اس عمل سے جنوب مشرقی ایشیا دنیا کی ۷۰ فیصد غیر قانونی افیم کی پیداوار کا ذریعہ اور امریکی منڈی میں ہیروئن کی بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنے والا بڑا سپلائر بن گیا۔

پانامہ

۷۰ء اور ۸۰ء کی دہائیوں میں 'پانامہ' کا سربراہ 'جنرل مینوُل نوریگا' (General Manuel Noriega) سی آئی اے کا پرانا نمک خوار اور اس کے کئی خفیہ منصوبوں کا حصہ رہ چکا تھا۔ یہ شخص منشیات کے بڑے کاروبار اور کالے دھندے کو سفید کرنے میں ملوث تھا۔ اسے اس عمل میں سی آئی اے کی مکمل سرپرستی حاصل رہی، یہاں تک کہ ۱۹۸۱ء میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر 'ولیم کیسی' (William J.Casey) نے اعلان کیا کہ:

> ''میں نوریگا کو منشیات کے تاجروں کے ساتھ تعلقات پر اس لیے ملامت نہیں کرتا کہ پانامہ والے وسطی امریکہ خصوصاً 'نکاراگویا' (Nicaragua) میں ہماری پالیسیوں کی مکمل حمایت اور بھرپور مدد فراہم کررہے ہیں''۔

وسطی امریکہ

امریکی فلسفہ بڑا اصولی ہے: 'لوگوں کو منشیات کی سمگلنگ کرنے دو، قتل، زنا، اغواء، تشدد کرنے دو، سکول اور ہسپتال جلانے دو۔ جب تک کہ وہ ہماری جنگ لڑ رہے ہیں، وہ ہمارے آدمی ہیں، ہمارے دیرینہ ساتھی ہیں'۔

'ہونڈراس' (Honduras) کی جانب سے امریکہ کو اس بات کی اجازت دے دی گئی کہ وہ اس کے ملک کو ایک بڑے فوجی اڈے میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اس کے بدلے میں سی آئی اے اور ڈی ای اے (Drug Enforcement Administration) کی طرف سے 'ہونڈراس' کے ان فوجی افسروں، سرکاری اہلکاروں اور دیگر اہم شخصیات کو کھلی چھوٹ دے دی گئی جو منشیات کے کاروبار میں ملوث تھے۔ سی آئی اے نے خود 'ہونڈراس' کے منشیات کے بہت بڑے تاجر 'ایلن ہائیڈ' (Alan Hyde) کو تمام مجرمانہ سرگرمیوں کا 'گاڈ فادر' (سرپرست) قرار دے رکھا تھا۔ 'ہائیڈ' کی منشیات سے لدی کشتیاں... جو سمگلنگ کے لیے استعمال ہوتی تھی... ان کی حفاظت کی مکمل ذمہ داری سی آئی اے نے اٹھا رکھی تھی۔

'گوئٹے مالا' (Guatemala) کی فوج کی خفیہ سروس کے سی آئی اے کے ساتھ نہایت دیرینہ تعلقات تھے۔ اس خفیہ سروس نے منشیات کے بہت سے تاجروں کو پناہ دے رکھی تھی۔

'ایل سلواڈور' (El Salvador) میں قائم 'الوپانگو' (Ilopango) ہوائی اڈہ امریکہ کے لیے وہاں کے گوریلا جنگجوؤں سے لڑنے کی خاطر نہایت ہی اہمیت کا حامل تھا۔ امریکی ادارے 'ڈی ای اے' کے ایک اہلکار 'کیلیرینو کاسٹیلو' (Celerino Castillo) نے بتایا کہ 'کس طرح 'کوکین' سے بھرے ہوئے ہوائی جہاز وہاں سے اڑتے اور بغیر کسی خوف وخطر کے امریکہ کے مختلف مقامات پر رکتے اور پھر نقد رقم لے کر واپس آتے۔ اور یہ سب کچھ امریکی حکومت کی حفاظتی چھتری تلے ہو رہا تھا۔ الوپانگو ائیرپورٹ کا ایک ہینگر سی آئی اے کی ملکیت تھا جبکہ ایک قومی سلامتی کونسل کے پاس تھا۔ جب 'کیسٹیلو' نے ان تفصیلات سے حکومت کو آگاہ کیا تو اس پر کوئی عمل درآمد نہ ہوا، الٹا اسے ملازمت سے فارغ کر دیا گیا۔ اسی طرح 'ڈی ای اے' کے ایک اور افسر نے جب چھاپہ مار کر منشیات برآمد کیں اور مال حراست میں لے لیا تو چند نادیدہ طاقتور ہاتھوں نے یہ کیس اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اس افسر کو دیس نکالا دے دیا گیا۔ اسی طرح ایک اور افسر کو 'ٹیکساس' (Texas) سے 'واشنگٹن' بلوا لیا گیا، کیونکہ وہ اس منشیات کے اس کاروبار پر تحقیق کر رہا تھا۔

ایک اور معاملہ ’ہونڈراس‘ کے جنرل ’جوزے بویسو روزو‘ (Jose Bueso Roso) کا تھا جس پر ہونڈراس کے صدر کے قتل کی سازش کا الزام عائد کیا گیا تھا، اس قتل کے منصوبے کے لیے مالی امداد منشیات کے بہت بڑے سودے سے ادا کی گئی تھی۔ یہ پورا منصوبہ سی آئی اے کی سرپرستی میں تیار ہوا تھا اور اسی کی مداخلت پر اس جنرل کی سزا میں خاطر خواہ تخفیف کر دی گئی۔

امریکہ میں جنوبی فضائی ٹرانسپورٹ (South Air Transport)... جو پہلے سی آئی اے کی ملکیت تھی اور پھر پینٹاگان کے ساتھ اس کا معاہدہ ہو گیا... مکمل طور پر منشیات کے کاروبار میں ملوث تھی۔ منشیات ادھر سے ادھر پہنچانا اسی فضائی کمپنی کی ذمہ داری تھی۔

جنوبی امریکہ، ۹۰ء کی دہائی میں

۱۹۹۶ء میں ’میامی‘ (Miami) کی وفاقی عدالت نے ’وینزویلا‘ (Venezuela) کے جنرل ’رومن گیلن ڈویلا‘ (Ramon Guillen Davila) پر ۱۹۸۷ء سے لے کر ۱۹۹۱ء کے درمیان ۲۲ ٹن ’کوکین‘ امریکہ سمگل کرنے کا الزام عائد کیا۔ جس وقت اس نے یہ کام کیا، وہ وینزویلا کی ’نیشنل گارڈز اینٹی ڈرگ بیورو‘ (National Guards Anti-drug Bureau) کا سربراہ تھا اور اسے ’وینزویلا میں سی آئی اے کا سب سے قابلِ اعتماد آدمی‘ کا خطاب دیا گیا تھا۔

اسی طرح امریکہ نے ۹۰ء کی دہائی میں پیرو (Peru)، کولمبیا (Columbia) اور میکسیکو (Mexico) کے فوجی اور سرکاری اہلکاروں کے منشیات کے کاروبار میں ملوث ہونے کو یکسر نظر انداز کیا، جس کی سب سے بڑی وجہ بائیں بازو کے خلاف وہ مہم تھی جو امریکہ ایسوں کی حمایت سے ان ممالک میں چلا رہا تھا۔

’ہیٹی‘ (Haiti)، ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۴ء تک

سی آئی اے نے ’ہیٹی‘ کی دائیں بازو کے فوجیوں اور سیاسی رہنماؤں کے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے ان کے منشیات کے کاروبار کو مکمل نظر انداز کیے رکھا۔ ہیٹی کی فوجی حکومت کا ایک اہم ستون ’جوزف میچل فرینکوس‘ (Joseph Michel Francois)... جو خود ایک بہت بڑا منشیات کا تاجر تھا... اسے امریکی ’ڈی ای اے‘ کی جانب سے ہدایات ملتی تھیں کہ وہ منشیات کی مشتبہ کارروائیوں کے حوالے سے خفیہ معلومات اکٹھی کرے۔ یہ شخص سی آئی اے کی ایماء پر وہاں کوکین کی تجارت وسپلائی میں ملوث تھا۔

امریکی بدمعاشی؛جمہوریت وسرمایہ داری کے نام پر

سرد جنگ کے خاتمے کے بعد سے نمایاں امریکی ماہرینِ اقتصادیات ومالیات مشرقی یورپ، سوویت یونین کی باقیات اور مسلمان ممالک کو 'جمہوریت' اور 'آزاد معاشی منڈیوں' کے قیام کے مشورے دے رہے ہیں۔ امریکی حکومت کی مالی امداد سے چلنے والا ادارہ 'این ای ڈی' یعنی 'قومی استعداد برائے جمہوریت' (National Endowment for Democracy) دنیا کے مختلف حصوں میں اسی کام میں مصروف ہے۔اس ادارہ کا جونام ہے،اس کے تمام کام اس کے عین مخالف ہیں۔ اس ادارہ کی تشکیل کا اصل منصوبہ یہ تھا کہ وہ تمام کارروائیاں جو سی آئی اے کئی دہائیوں سے خفیہ طور پر کر رہی تھی، وہ اب کھلے عام اس ادارہ کے نام کے تحت کرے گی۔ چنانچہ اس ادارے نے دنیا بھر کی مختلف حکومتوں کے خلاف کھلے عام مخالفین کو کھڑا کیا، پیسوں کے ذریعے لوگوں کو خریدا اور اپنی مرضی کی حکومتیں بنوائیں۔

'ایلن وائنسٹائن' (Allen Weinstein) نے... جو اس ادارے کے قیام کے وقت اس کے آئین سازوں میں سے تھے... ۱۹۹۱ء میں بڑی صاف گوئی سے کہا کہ:

> ”آج ہم جو کچھ بھی اس ادارے کے تحت کر رہے ہیں، سی آئی اے کم و بیش ۲۵ سال سے یہی کچھ خفیہ طور پر کرتی آرہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ادارے کے ذریعے سی آئی اے اپنے کالے دھندے کو سفید کر رہی ہے“۔

اس ادارے نے ۱۹۸۴ء میں 'پانامہ'، ۱۹۹۰ءمیں 'نکاراگویا' (Nicaragua) اور ۱۹۹۶ءمیں 'منگولیا' (Mangolia) کے انتخابات میں جوڑ توڑ کرکے اپنی مرضی کے نتائج حاصل کیے۔ ۱۹۹۰ء میں 'بلغاریہ' (Bulgaria)اور ۱۹۹۱ء میں 'البانیہ' (Albania) کی منتخب جمہوری حکومتوں کے تختے الٹنے میں اہم کردار ادا کیا۔اسی طرح 'ہیٹی' میں دائیں بازو کی جماعتوں کی حمایت میں مصروف رہی جو وہاں کی منتخب حکومت کے خلاف اکٹھے ہوئے تھے۔

امریکہ کے زیرِ اثر 'عالمی بینک' (World Bank)اور 'بین الاقوامی مالیاتی فنڈ' (IMF) بھی واضح کرچکے ہیں کہ وہ کسی ایسے ملک کو معاشی امداد نہیں فراہم کریں گے جو آزاد منڈی کی معیشت (Free Market Economy) کی حمایت نہیں کرے گا۔

۱۹۹۴ء میں امریکہ نے 'ہیٹی' کی مخالفت ترک کرکے اسے اپنے حلیفوں میں اس لیے شامل کر لیا کیونکہ 'ہیٹی' کے صدر 'جین برٹ رینڈ ایرسٹائیڈ' (Jean-Bertrand Aristide) نے امریکہ کو ضمانت دی کہ وہ اشتراکیت کا راستہ ترک کرکے آزاد منڈی میں شامل ہو جائے گا۔

اختتامیہ

یہ کیونکر ہے کہ امریکہ دنیا بھر کی اقتصادیات و معیشت پر قابض ہو جائے، جمہوریتوں کو تہ و بالا کر کے رکھ دے، خود مختار حکومتوں کے تختے الٹ دے، ان پر وحشیانہ تشدد کرے، ان پر کیمیائی و حیاتیاتی حملے کرے، انھیں تابکاری کا نشانہ بنائے، اور اس سب کے باوجود ذرائع ابلاغ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی ہمت کرے، اس سب کے باوجود وہ دنیا کی شدید مذمت کا نشانہ نہ بنے، نہ ہی سماجی شعور رکھنے والے حضرات اسے ملامت کریں اور نہ ہی امریکی رہنما کبھی بھی انسانیت سوز جرائم کے الزامات کے تحت بین الاقوامی ٹریبیونلز کے سامنے پیش ہوں؟

یہ سازش اور خاموشی کوئی معمہ نہیں۔ یہ صرف چند افراد کی خریداری کا معاملہ ہے...جو کبھی لڑاکا طیاروں کی ہیبت یا دیگر مادی مفادات مثلاً گندم کی تجارت، قرضوں کی معافی، 'ورلڈ بینک' اور 'آئی ایم ایف' کی جانب سے دھمکیوں، رشوتوں، زور زبردستی، دھونس کے بدلے...بک جاتے ہیں، جھک جاتے ہیں۔ اور کبھی اس بدمعاش کی طرف سے ان ممالک کی قوم پرستی اور اقدار کی حوصلہ افزائی کرکے یا انہیں 'نیٹو' (NATO)، 'ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن' (WTO) اور 'یورپی یونین' (EU) کی رکنیت پیش کرکے خرید لیا جاتا ہے۔

البتہ ایسا ضرور ہوتا ہے کہ اسامہ بن لادن جیسا کوئی نڈر شخص کھڑا ہو جائے جو نہایت ہی '(نا) قابلِ احترام بین الاقوامی اعلیٰ سوسائٹی' کے حلقے میں شامل ہونے سے انکار کر دے اور امریکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے للکارے اور کہے کہ:

"اے ظالم! تجھے دنیا پر بادشاہی و شہنشاہی کا کوئی حق حاصل نہیں"

اور یہی درست طریق کار ہے۔

هدية المجاهد

مسائلِ تکفیر میں اسلاف کا طرز

اور عصرِ حاضر میں اس کے احیاء کی ضرورت

شیخ ابو ولید فلسطینی

فتنوں کے اس دور میں ہر مسلمان کے لیے راہِ نجات یہی ہے کہ وہ اپنے عقائد، اخلاق، عبادات اور عادات میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب کا طریقہ تھامے اور ان کی اتباع کرے۔ اسی طریقے پر چلنے والوں کو اہلِ سنت والجماعت کہا جاتا ہے...... اللہ ہمیں ہمیشہ ان میں شامل رکھے! اس مبارک گروہ کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ یہ افراط و تفریط سے محفوظ اور راہِ اعتدال پر گامزن رہتا ہے۔ دیگر شرعی مسائل کی طرح تکفیر کے مسائل میں بھی ان کا مسلک یہی ہے۔ نہ تو یہ اس گروہ کی طرف مائل ہوتے ہیں جو کفر و اسلام کی تفریق ہی کو مٹانے کے درپے ہے، جو وحدتِ ادیان کا داعی ہے، یہودی، عیسائی اور مشرک ہندو کو بھی کافر کہنے سے شرماتا ہے، ذمی کے احکام بیان کرنے اور جہاد کا لفظ زبان پر لانے سے جھجکتا ہے، اسلامی تعلیمات کو دقیانوسی کہنے اور اسلامی احکام کو وحشت و بربریت سے تعبیر کرنے والے زنادقہ کو بھی مسلمان قرار دینے پر مصر ہے اور جو امریکیوں کے حکم پر ہزاروں مسلمانوں کا قتلِ عام کرنے والے دین بیزار مرتد جرنیلوں کو بھی 'مجاہد' کہنے اور اللہ رب العالمین کی پاکیزہ شریعت کو معطل رکھنے والے حکمران ٹولے کو 'امیر المؤمنین' قرار دینے سے نہیں شرماتا۔ لیکن ایک طرف اگر اہلِ سنت اس گمراہی سے دور ہیں تو دوسری طرف وہ اس غلو اور جہل سے بھی پاک ہیں کہ جو مسائل اہلِ علم ہی کے سپرد ہونے چاہییں ان میں ہر عامی کو بولنے کا حق دے دیں، کسی فعل کو کفر کہنے اور اس کے فاعل کو کافر قرار دینے کے درمیان جو وسیع و عریض مسافت ہے اسے لمحوں میں پاٹ دیں، اجماعی امور کی مخالفت کرنے والے اور اجتہادی امور میں خطا کھانے والے کے درمیان تفریق کو بھی ملحوظ نہ رکھیں، سیکولر عقائد کی حامل دین دشمن تنظیموں اور تاویل کرنے والی دینی جماعتوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے لگیں، تکفیر جیسے نازک باب میں کلام کرنے اور فتاویٰ دینے کا بھاری فرض بلا تفریق علومِ دینیہ کے ہر طالبِ علم یا مدارس سے فارغ التحصیل ہر نوجوان کے حوالے کر دیں...... یقیناً یہ مبنی بر جہل رویہ بھی اہلِ سنت کی راہ نہیں اور نہ ہی یہ مجاہدین کی دعوت کی درست ترجمانی ہو گی۔

جو شخص بھی عالمی جہادی تحریک کے نمایاں اہلِ علم اور قائدین، مثلاً شہیدِ ملت شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ، مجددِ جہاد شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ، قائدِ محترم شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ، شیخ عطیۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ، شیخ ابو یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ، شیخ ابو قتادہ فلسطینی حفظہ اللہ، شیخ ابو ولید فلسطینی فک اللہ اسرہ، شیخ ابو مصعب سوری فک اللہ اسرہ...... کی تحریرات و بیانات کا مطالعہ کرے وہ اس امر کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ القاعدہ کی دعوت میں جو اعتدال، علمی دیانت، دینی صلابت، فقہی گہرائی، عالی اخلاق و آداب، اہلِ ایمان کے لیے رحمت و شفقت، کفار کے لیے تندی و سختی مجتمع نظر

آتی ہے، وہ باذن اللہ اہلِ سنت والجماعت کی معتدل و متوازن شاہراہ پر چلنے کی ایک نہایت عمدہ معاصر مثال ہے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جس طرح بہت سے حضرات اس دعوت کا گہرائی سے مطالعہ کیے بغیر ہی اس کی مخالفت شروع کر دیتے ہیں، اسی طرح بعض حضرات اس دعوت کا گہرائی سے مطالعہ کرنے سے قبل ہی اس کی تائید کرنے لگتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ تکفیر کے مسائل سمیت کئی ابواب میں ایسی آراء و موقف اختیار کر لیتے ہیں جن سے یہ صاف شفاف دعوت اور اس دعوت کے حاملین بالکل بری ہیں۔

کچھ ایسی ہی بے اعتدالی جمہوریت میں اترنے والی دینی جماعتوں کی بابت شرعی حکم بیان کرنے کے معاملے میں بھی نظر آرہی ہے۔ القاعدہ کے نمایاں اہلِ علم یا قائدین اگرچہ ہمیشہ ہی امت کو جمہوریت کے فتنے سے خبردار کرتے رہے ہیں اور جمہوریت کا کفر عیاں کرنے کو انہوں نے اسے ایک اہم موضوع بنائے رکھا ہے، لیکن ان میں سے کسی نے کبھی بھی اپنی کسی بھی تحریر میں جمہوری عمل میں شریک دینی جماعتوں کو بیک جنبشِ قلم دین سے خارج یا (نعوذ باللہ) مباح الدم نہیں قرار دیا..... اور نہ ہی وہ ایسا کرنے کو شرعاً درست سمجھتے ہیں۔ اسی نکتے کو واضح کرنے اور تکفیر کے باب میں اسلاف کا محتاط طرزِ عمل سمجھانے کے لیے ہم یہاں مجاہد عالمِ دین شیخ ابو ولید فلسطینی فک اللہ اسرہ کی ایک نہایت اہم تحریر ''الله الله يا أبناء غزة'' کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ یہ تحریر دراصل چند سال قبل فلسطین کے علاقے غزہ میں حماس کی حکومت اور وہاں موجود بعض مجاہد بھائیوں کے درمیان پیش آنے والی لڑائی کے پس منظر میں لکھی گئی جس میں حماس کے ہاتھوں کئی مجاہدین شہید ہوئے۔ اس موقع پر بعض نوجوانوں نے جہادی ویب سائٹوں پر بحث مباحثوں کے دوران حماس کی مطلقاً تکفیر کر ڈالی اور اس موقف پر دلائل دینے لگے۔ شیخ ابو ولید فک اللہ اسرہ نے یہ تحریر اسی موقف کو اختیار کرنے والوں کے رد میں لکھی اور تکفیر کے مسائل میں اس ہلاکت خیز بے احتیاطی پر سختی سے تنبیہ کی۔ امید ہے اس تحریر کو پڑھنے کے بعد ایسے تمام حضرات جو تکفیر کے باب میں علمائے جہاد کے محتاط طرزِ عمل سے ناواقف تھے، ان کے موقف کو بخوبی سمجھ لیں گے اور پاکستان کی مختلف دینی جماعتوں کے بارے میں بھی مجاہدین کی طرف کوئی ایسا موقف منسوب نہیں کریں گے جو حقیقت میں ان کے معتبر اہلِ علم کا موقف نہیں۔ امید ہے یہ تحریر ہمارے محبوب مجاہد بھائیوں کے لیے بھی ایک واضح رہنمائی ثابت ہو گی کہ مسائلِ تکفیر میں ان کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے اور کیسا طرزِ عمل اہلِ سنت کی راہِ اعتدال سے انحراف شمار ہو گا۔ اللہ ہمیں اپنے دین کا گہرا فہم نصیب فرمائیں! (مدیر)

الحمد لله، والصلوة والسلام على نبيه الكريم، أما بعد:

ابتدائیہ

کچھ عرصہ قبل فلسطین کے علاقے غزہ میں حماس کی حکومت اور بعض مجاہدین کے مابین قتل و قتال کا واقعہ پیش آیا، جو بہت سے دیگر مسلمانوں کی طرح میرے لیے بھی شدید باعثِ تکلیف تھا۔ یہ المناک سانحہ اسلام اور اہلِ اسلام کی بدنامی کا ذریعہ بنا؛ اور یہ چیز حالات کو مزید بگاڑ کی طرف لے گئی کہ اس حساس موضوع پر بات کرنے کے لیے ہر ایرا غیرا میدان میں اتر آیا، خواہ وہ اختلافِ رائے کے شرعی آداب سے واقف ہو یا نہ ہو۔

اگرچہ آج جہل عام ہے اور علم نادر، لیکن اسبابِ دنیا کے ترقی کر جانے کے سبب ہر ایک کے ہاتھ میں قلم آ گیا ہے۔[1] اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانے کے بیشتر حوادث و واقعات میں ہر شخص اپنی رائے دے کر، اپنی زبان و قلم کو بے لگام چھوڑ کر، معاملات کو مزید بگاڑنے میں حصہ ڈالتا ہے۔ عملاً یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے بہت سے بحث مباحثوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمانِ مبارک صادق آتا ہے جو حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ:

"مَا ضَلَّ قَومٌ بعدَ هُدًى كَانُوا عَلَيهِ إلَّا أُوتُوا الجَدَل"۔ "کوئی قوم بھی ہدایت پر ہونے کے بعد اس وقت گمراہ ہوئی جب وہ بحث و جدال (کے مرض) میں مبتلا ہوئی"۔

آج ہم ایسے زمانے میں جی رہے ہیں جب عدل و انصاف عنقا ہو چکا ہے...... اسی لیے آج جدل و جدال اور بحثوں، مناظروں سے بالعموم گمراہی میں مزید اضافہ ہوتا ہے!

افسوس کہ آج مسلمانوں کے درمیان پیش آنے والے اختلافات میں بھی فریقین بالعموم اپنے رویے سے یہ پیغام دے رہے ہوتے ہیں کہ 'یا تم ہمارے ساتھ ہو یا ہمارے دشمنوں کے ساتھ'! گویا مسلمانوں کے مابین جھگڑوں میں بھی درمیان کی کوئی راہ نہیں! ہمارے اسلاف نے قرآن و سنت کی تعلیمات سے ماخوذ کیا خوبصورت جملہ کہا تھا کہ:

"جہل جتنا زیادہ ہوتا ہے اختلاف اتنا ہی بڑھ جاتا ہے؛ اور علم جتنا زیادہ ہوتا ہے اتحاد اتنا ہی بڑھ جاتا ہے"۔

[1] بالخصوص انٹرنیٹ پر فیس بوک، ٹویٹر وغیرہ کی سہولت کے سبب اب واقعتاً ہر ایک کے ہاتھ میں قلم ہے اور ہر خاص و عام کو ہر موضوع پر بولنے کی (مغربی طرز کی) آزادی بھی!

الحمد للہ میں آج بھی اس بات کو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمتوں میں شمار کرتا ہوں کہ اس نے مجھے جماعتوں اور فرقوں کی بنیاد پر برتے جانے والے تعصب سمیت ہر جاہلی تعصب سے محفوظ رکھا ہے۔ شکر ہے ربِ کریم کا جس نے مجھے اپنے دین ہی کے لیے غیرت کھانے والا اور اسی کے لیے حمیت دکھانے والا بنایا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم ہر مسلمان سے (خواہ وہ کسی بھی رنگ، نسل، قبیلے، علاقے، تنظیم، جماعت یا فقہی مشرب سے تعلق رکھتا ہو) محبت اور موالات کا تعلق رکھیں اور جس قدر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والا اور اہلِ ایمان سے موالات کا تعلق نبھانے والا ہو، اسی قدر ہماری محبت بھی اس سے بڑھ جائے۔ ہاں، نہ تو اس کی محبت ہمیں اس کی غلطی کو غلط کہنے سے روکے، نہ اس کی غلطیاں اس کی نیکیوں اور بھلائیوں کے اعتراف میں حائل ہوں۔

زیرِ بحث مسئلے پر قلم اٹھانے کا محرک

جب سے یہ تکلیف دہ واقعات پیش آئے ہیں، مجھ سے ان کے بارے میں بکثرت سوال کیے جا رہے ہیں، کبھی بالمشافہ اور کبھی خطوط کے ذریعے۔ دوسری جانب میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ خود کو مفتی سمجھنے والے بہت سے کم علم لوگ بھی اس مسئلے میں کود پڑے ہیں اور نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ ایک دوسرے پر کفر کے فتووں کی بارش جاری ہے اور بدعتی اور فاسق ہونے کے الزامات کا تبادلہ بھی ہو رہا ہے۔ حالانکہ یہ معاملہ اتنا نازک اور پیچیدہ ہے کہ اگر اسے بڑے بڑے ائمہ اور علم کے ستون سمجھے جانے والے علماء کے سامنے بھی پیش کیا جاتا تو وہ بھی اس میں کوئی رائے دینے سے قبل توقف کرتے، بہت دیر سوچتے اور سائل کو جواب دینے کی فکر سے قبل، اُس بھاری جواب کی فکر کرتے جو انھیں اپنی زبان و قلم سے نکلنے والے ہر لفظ کے بارے میں کل کو اللہ کے دربار میں دینا ہے۔ اللہ جہالت کا بیڑا غرق کریں کہ اس نے جاہلوں کو ہلاکت میں ڈال رکھا ہے!

یہ ساری کیفیت اور لوگوں کے سوالات کی کثرت دیکھتے ہوئے میں نے مجبوراً علم کا حق ادا کرنے اور شریعت کے عائد کردہ فرض کو پورا کرنے کی خاطر اس مسئلے کے حوالے سے کچھ باتیں عرض کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ میری دلی تمنا تھی کہ ایسے نازک مسائل میں اللہ تعالیٰ دیگر اہلِ علم کو آگے بڑھ کر جواب دینے کی توفیق دے دیں تاکہ مجھے زبان نہ کھولنی پڑے۔ لیکن اب چونکہ مجھ سے براہِ راست سوال کیا جا چکا ہے اس لیے جاننے کے باوجود جواب نہ دینا اپنے فرض کی ادائیگی سے فرار ہو گا۔

چند اصولی امور ذہن نشین رکھیے!

میں جواب کی طرف آنے سے قبل کچھ اصولی امور بطور مقدمہ عرض کرنا چاہوں گا اور کوشش ہو گی کہ جو اصول یہاں بیان کروں، جواب دینے میں بھی ان اصولوں کی پوری طرح پاسداری کروں۔

اوّل: مضبوط موقف نرم انداز سے بھی پیش ہوسکتا ہے

جان لیجیے کہ ایک طرف تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہم پر حق بات کہنے کا فرض عائد کیا ہے، تو دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے ہمیں نرمی اور شفقت سے کام لینے کا حکم بھی دیا ہے۔ ان دونوں احکامات کے درمیان قطعاً کوئی تضاد نہیں پایا جاتا، چاہے حق بات کسی کٹر کافر کے سامنے ہی کہی جارہی ہو۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے سامنے کلمۂ حق کہنے کا ادب بھی یہی بتایا کہ:

﴿فَقُولاَ لَهُ قَوْلاً لَيِّناً﴾ ”پس (اے موسیٰ وہارون) تم دونوں اسے نرم انداز سے بات کہنا“۔

اگر کافر کو حق بات کہتے ہوئے بھی نرم اسلوب اختیار کرنے کا حکم ہوا ہے تو مسلمان کے ساتھ تو یہ نرمی بدرجۂ اولیٰ مطلوب ہے، کیونکہ وہ ہم پر یہ حق رکھتا ہے کہ ہم اس سے موالات کا تعلق نبھائیں، اس سے محبت سے پیش آئیں اور اس کی مدد و نصرت کریں۔ یہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو مومن کی محبت کو ایمان کی شرط بتایا ہے، جیسا کہ صحیحین میں مذکور حدیثِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہوتا ہے۔

دوم: اپنی بات سمجھانے کے لیے بہترین الفاظ و انداز اختیار کرنا چاہیے

دین کی عطا کردہ تعلیمات میں یہ بھی شامل ہے کہ انسان جب دوسروں کو مخاطب کرے تو بہترین ممکن انداز سے کرے اور ایسا اسلوب اختیار کرے جس سے زیادہ سے زیادہ مصلحتیں حاصل ہوں اور مفاسد سے زیادہ سے زیادہ بچا جا سکے۔ یہاں میں ایک حکمت کی بات نقل کرنا چاہوں گا جو میں نے اپنے ایک محترم استاد سے سنی تھی۔ میں نے اپنے استادِ گرامی سے کہا کہ شیخ محترم: میں نے آج تک جب بھی کسی پیچیدہ مسئلے میں سخت انداز سے بات کی ہے تو ہمیشہ مجھے بعد میں یہ حسرت ہوئی ہے کہ کاش میں نرم الفاظ استعمال کرلیتا۔ اور جب بھی میں نے کسی مسئلے میں نرمی سے بات کی ہے تو اس کے عمدہ نتائج دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس انداز کو اختیار کرنے پر میرے شرحِ صدر میں مزید اضافہ فرمایا ہے۔ یہ سن کر میرے شیخ نے فرمایا کہ ایک نہایت جلیل القدر محدث کہا کرتے تھے کہ جب بھی میں کوئی لفظ لکھنے لگتا ہوں تو مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد آجاتا ہے:

﴿وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ ”اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ بات وہ کریں جو سب سے بہتر ہو“۔

پس یہ آیت نگاہوں کے سامنے آنے کے بعد میں سوچتا ہوں کہ کیا یہی وہ سب سے بہتر انداز ہے جس سے میں یہ بات کہہ سکتا ہوں؟ کیا میں یہی بات اس سے بہتر طریقے سے کہنے کی قدرت نہیں رکھتا؟ پس یہ سوچ کر میں اپنی عبارت بدل دیتا ہوں اور وہی بات مزید بہتر اور مزید نرم انداز سے کہتا ہوں۔

یقیناً آپ نے سچ فرمایا، اللہ کی رحمتیں ہوں آپ پر! آج ہم کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں کہ اللہ رب العزت کے اس حکم کی خلاف ورزی سے مسلمانوں کے معاشرے میں کیسے منفی اثرات ظاہر ہو رہے ہیں۔ اس حکم پر عمل ترک کرنے سے بعینہ وہی معاملہ پیش آ رہا ہے جس کی طرف اس آیت کے آخری ٹکڑے میں اشارہ کیا گیا ہے:

﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُبِينًا﴾ (الإسراء: ۵۳) ” شیطان (سخت بات کہلوا کر) لوگوں میں فساد ڈلواتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے“۔

سوم: مسلمان پر جرح و تنقید کرنا محض بقدرِ ضرورت جائز ہے

بہترین انداز سے بات کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ ہم ہر مسلمان کے اقوال و افعال کو بہترین ممکنہ معنی پہنائیں اور ان سے بہتر سے بہتر مفہوم اخذ کریں۔ بالخصوص جب اس سے کوئی ایسا قول یا فعل صادر ہو جو بظاہر قابلِ گرفت محسوس ہوتا ہو، تو ایسے میں اس حکم پر عمل کرنا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ ایسے مواقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دین کا سکھلایا ہوا بنیادی اصول یہ ہے کہ مسلمان کی جان، مال یا عزت پامال کرنا جائز نہیں۔ اسی لیے مسلمان پر جرح و تنقید کی اجازت بس بقدرِ ضرورت دی گئی ہے تاکہ جہاں وہ کوئی خلافِ شرع امر کرے تو وہاں شریعت کی حفاظت یقینی بنائی جا سکے۔ چنانچہ جہاں یہ ضرورت تھوڑی سی جرح و تنقید سے پوری ہو جائے وہاں اس سے زیادہ مقدار میں جرح کرنا جائز نہیں ہو گا۔ پھر زیرِ بحث مسئلہ جتنا زیادہ نازک ہو جرح کرنے والے کو اتنا ہی سنبھل کر اور ڈرتے ڈرتے اپنی زبان استعمال کرنی چاہیے۔

امام مزنی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”المختصر“ میں درج ہے:

”وَلاَ يَقْبَلُهُ (الجَرْحَ) مِنْ فَقِيهٍ دَيِّنٍ عَاقِلٍ إِلاّ بِأَنْ يقفه عَلَى مَا يَجْرَحُهُ بِهِ، فَإِنَّ النّاسَ يَتَبَايَنُونَ فِي الأَهْوَاءِ: فَيَشْهَدُ

” کسی صاحبِ عقل، خدا ترس، فقیہ کی جانب سے بھی (کسی مسلمان پر) جرح تبھی قبول کی جائے گی جب وہ تفصیل سے یہ واضح کرے کہ وہ کس بنا پر اس شخص پر جرح و نقد کر رہا ہے۔ کیونکہ لوگ اپنے ہوائے نفس سے اثر قبول کرنے، نہ کرنے میں

بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ بُالكُفْرِ وَالفِسْقِ بِالتَّأْوِيلِ، وُهُوَ بِالْجَرْحِ عِنْدَهُمْ أَوْلَى...''۔

ایک سی سطح پر نہیں ہوتے (یعنی ان میں وہ بھی ہوتے ہیں جن کی آراء پر ان کی نفسانی خواہشات اثر انداز ہو جاتی ہیں)۔ نیز بعض اوقات ایک شخص کسی دوسرے پر کفر و فسق کا فتویٰ لگا رہا ہوتا ہے حالانکہ وہ خود اس جرح کا زیادہ مستحق ہوتا ہے''۔

چہارم: تکفیر کے مسائل میں بے احتیاطی ہلاکت ہے

پھر کسی پر جرح کرتے ہوئے اس پہ کفر کا حکم لگادینا تو جرح کی سب سے نازک اور خطرناک قسم ہے اور اسی لیے اس باب میں بے احتیاطی کرنے والوں کو شدید وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مرفوع روایت منقول ہے کہ:

''إذَا قَالَ الرَّجُلُ لأَخِيهِ يَا كَافِرُ؛ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا؛ فَإِنْ كَانَ كَمَا قَالَ وَإِلاَّ رَجَعَتْ عَلَيْهِ''۔

''جب کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کو کافر کہے تو ان دونوں میں سے کوئی ایک تو اس وصف کا مستحق ہو ہی گیا، پس اگر تو اس نے ٹھیک کہا ہو تو پھر تو وہی ہو گا جو اس نے کہا، ورنہ اس کی یہ بات واپس اسی پر لوٹ آئے گی''۔

اسی طرح صحیحین میں حضرت ثابت بن ضحاکؓ سے مروی ہے کہ:

''وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِناً بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ''۔

''جس نے کسی مومن پر کفر کا الزام لگایا تو یہ اسی طرح ہے جیسے اس نے اسے قتل کر دیا ہو''۔

بلاشبہ یہ بہت شدید وعید ہے کیونکہ ہم سبھی جانتے ہیں کہ شریعت میں مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے کو کتنا سنگین جرم قرار دیا گیا ہے اور قاتل کو کیسی سخت سزا سنائی گئی ہے۔

تکفیر کے مسائل میں احتیاط سے متعلق علمائے احناف کے اقوال

حاشیہء درِ مختار میں درج ہے:

''لَوْ وُجِدَ سَبْعُونَ رِوَايَةً مُتَّفِقَةٌ عَلَى تَكْفِيرِ المُؤْمِنِ، وَرِوَايَةٌ وَلَوْ ضَعِيفَةٌ بِعَدَمِهِ يَأْخُذُ المُفْتِي وَالقَاضِي بِها دُونَ غَيْرِهَا''۔

''اگر ایک مومن کو کافر قرار دینے پر ستّر روایتیں متفق پائی جائیں اور اس کے مقابلے میں محض ایک روایت، خواہ وہ ضعیف ہی ہو، اس کی تکفیر میں مانع ہو تو مفتی اور قاضی اس ایک روایت کو لے لے گا اور ستّر متفق روایتوں کو چھوڑ دے گا''۔

یہی بات الخلاصة اور البزازية سمیت کئی کتبِ احناف میں درج ہے اور فتح القدیر میں بھی اسی سے ملتی جلتی عبارت پائی جاتی ہے۔ نیز فتح القدیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

”وَلاَ شَكَّ أَنَّهُ يَجِبُ أَنْ يُحْتَاطَ فِي عَدَمِ تَكْفِيرِ الْمُسْلِمِ“۔

”بلا شبہ مسلمان کو کافر کہنے کے معاملے میں احتیاط کرنا واجب ہے“۔

جب کہ درر الحكام شرح غرر الأحكام میں اس پر مزید اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”يَمِيلُ العَالِمُ إِلَى ما يَمْنَعُ التكْفِير: أَيْ: يَجِبُ عَلَيْهِ؛ لِمَا قَالَ فِي مُخْتَصَرِ الظَّهِيرِيَّةِ: عَلَى الْمُفْتِي أَنْ يَمِيلَ إِلَى الْوَجْهِ الَّذِي يَمْنَعُ التَّكْفِيرَ تَحْسِينًا لِلظَّنِّ بِالْمُؤْمِنِ“۔

”عالم کو چاہیے کہ اس کا جھکاؤ ان اقوال کی طرف ہو جو مسلمان کی تکفیر میں مانع ہوں، بلکہ ایسا کرنا اس پر واجب ہے۔ 'مختصر ظہیریہ' میں اس کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ: مفتی کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اگر ایک مسئلے کے ایک سے زیادہ پہلو ہوں تو اس کا جھکاؤ اس پہلو کی جانب ہو جو (مسلمان کی) تکفیر میں حائل ہوتا ہو کیونکہ مسلمانوں سے حسنِ ظن کا یہی تقاضا ہے (کہ ان کے قول یا فعل کو بہترین ممکن معنی پہنائے جائیں)“۔

اسی طرح حاشیہ ءدرِ مختار میں یہ بھی درج ہے کہ:

”وَمَا يُشَكُّ أَنَّه رِدَّةٌ لاَ يُحْكَمُ بِها، إِذِ الإِسْلامُ الثابِتُ لاَ يَزُولُ بِالشَّكِّ مَعَ أَنَّ الإِسْلاَمَ يَعْلُو، وَيَنْبَغِي للعِالِمِ إِذَا رُفِعَ إِلَيْهِ هَذَا أَنْ لاَ يُبَادِرَ بِتَكْفِيرِ أَهْلِ الإِسْلامِ“۔

”جہاں اس بات میں شک ہو کہ فلاں فعل ارتداد ہے یا نہیں، تو ایسے فعل کی بنا پر مرتد ہونے کا فتوی نہیں دیا جائے گا، کیونکہ ایک شخص کا اسلام یقینی طور پر ثابت ہے یہ یقینی چیز، شک والی چیز سے زائل نہیں ہوتی۔ نیہ قاعدہ ہے کہ اسلام دیگر چیزوں پر غالب سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیے عالم کو چاہیے کہ جب اس کے سامنے ایسا کوئی بھی معاملہ پیش کیا جائے تو اہلِ اسلام کی تکفیر میں جلدی نہ کرے“۔

اسی طرح احناف کی کتاب 'فتاویٰ صغریٰ' میں درج ہے:

”الكُفْرُ شَيْئٌ عَظِيمٌ، فَلاَ أَجْعَلُ المُؤْمِنَ كَافِراً مَتَى وَجَدْتُ رِوَايَةً أَنَّهُ لا يَكْفُرُ“۔

”(کسی پر) کفر (کا حکم لگانا) ایک بہت بڑی چیز ہے۔ پس میں کسی مسلمان کو کافر نہیں قرار دے سکتا جب تک میرے پاس کوئی ایک بھی ایسی روایت موجود ہو جس سے ثابت ہوتا ہو کہ اس پر کفر کا حکم نہیں لگتا“۔

اسی طرح 'فتاویٰ تاتارخانیہ' میں درج ہے کہ:

"لاَ يُكَفَّرُ بِالْمُحْتَمَلِ، لأَنَّ الكُفْرَ نِهَايَةٌ فِي العُقُوبَةِ فَيَسْتَدْعِي نِهَايَةً فِي الْجِنَايَةِ، وَمَعَ الاحْتِمَالِ لاَ نِهَايَةَ"۔

"جس کام کی اچھی اور بری دونوں توجیہات ممکن ہوں، اس کی بنا پر کسی کی تکفیر نہیں کی جائے گی؛ کیونکہ کسی پر کفر کا حکم لگانا وہ شدید ترین سزا ہے جو اس کو دی جا سکتی ہے اور یہ سزا تبھی دی جانی چاہیے جب وہ واقعتاً شدید ترین جرم کا مرتکب ہوا ہو۔ پس جب اس کے عمل کی کوئی اچھی توجیہ ممکن ہو تو اس کے جرم کی ایسی شدت باقی نہیں رہتی جس کی بنا پر اس کی تکفیر کی جا سکے"۔

اسی طرح البحر الرائق میں درج ہے:

"وَالّذِي تَحَرَّرَ أَنَّهُ لاَ يُفْتَي بِكُفْرِ مُسْلِمٍ أَمْكَنَ حَمْلُ كَلاَمِهِ عَلَى مَحْمَلٍ حَسَنٍ، أَوْ كَانَ فِي كُفْرِهِ اخْتِلاَفٌ؛ وَلَوْ رِوَايَةً ضَعِيفَةً، فَعَلَى هَذَا فَأَكْثَرُ أَلْفَاظِ التَّكْفِيرِ الْمَذْكُورَةِ لاَ يُفْتَى بِالتَّكْفِيرِ فِيهَا، وَقَدْ أَلْزَمْتُ نَفْسِي أَنْ لاَ أُفْتِي بِشَيْئٍ مِنْهَا"۔

"اور تحقیق یہ ہے کہ کسی مسلمان پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا جب تک کہ اس کی بات کی کوئی اچھی توجیہ کرنا ممکن ہو یا اس کے کفر میں اختلاف ہو، چاہے وہ اختلاف کسی کمزور روایت پر ہی مبنی کیوں نہ ہو۔ اسی لیے بیشتر کفریہ اقوال جو (کتب میں) نقل کیے جاتے ہیں (اگرچہ وہ خود کفر ہیں، لیکن) ان کی بنا پر کسی مسلمان کے کافر ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا (یعنی محض وہ قول زبان سے نکل جانے کی بنا پر سیدھا کافر ہونے کا فتویٰ نہیں دے دیا جائے گا، جب تک کہ اس فرد کو کافر کہنے میں حائل تمام موانع دور نہ ہو جائیں اور تمام شروط پوری نہ ہو جائیں، مثلاً یہ ثابت ہو جائے کہ اس قول کی کوئی بھی اچھی توجیہ ممکن نہیں رہی)۔ اور میں نے اپنے آپ کو اس بات کا پابند کیا ہے کہ میں ان میں سے کسی قول کی بنیاد پر کسی مسلمان کے کافر ہونے کا فتویٰ نہیں دوں گا"۔

تکفیر کے مسائل میں احتیاط سے متعلق مالکی علماء کے اقوال

مالکی مذہب کی معروف کتاب الشرح الکبیر للدردیر میں درج ہے:

"وَفُصِّلَتِ الشهَادَةُ فِيهِ، أَيْ: فِي الكُفْرِ وُجُوباً: فَلاَ يَكْتَفِي القَاضِي بِقَوْلِ الشَّاهِدِ أَنَّهُ كُفْرٌ، بَلْ لاَ بُدَّ مِنْ بَيَانِ مَا

"اس معاملے میں گواہی تفصیلی ہونی چاہیے، یعنی کفر کے معاملے میں (گواہ سے گواہی کی تفصیل طلب کرنا) واجب ہے۔ چنانچہ قاضی

كَفَرَ بِهِ بَيَاناً وَاضِحاً لاَ إِجْمَالَ فِيهِ، بِأَنْ يَقُولَ: كَفَرَ بِقَوْلِهِ كَذَا أَوْ بِفِعْلِهِ كَذَا؛ لاحْتِمَالِ أَنْ يَكُونَ الشَّاهِدُ يَعْتَقِدُ أَنَّ مَا وَقَعَ مِنْهُ كُفْرٌ وَهُوَ فِي الوَاقِعِ لَيْسَ كَذَلِكَ"۔

گواہ کے اتنے سے قول پر اکتفا نہیں کرے گا کہ فلاں شخص نے کفر کیا۔ بلکہ گواہ کی ذمہ داری ہو گی کہ وہ نہایت وضاحت کے ساتھ بغیر اجمال و اختصار کے یہ بتائے کہ (جس شخص کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے) اس نے کیا کفریہ کام کیا؟ یعنی گواہ یہ بتائے کہ وہ شخص اپنے فلاں قول کی وجہ سے یا اپنے فلاں فعل کی وجہ سے کفر کا مرتکب ہوا۔ یہ تفصیل طلب کرنا اس لیے ضروری ہے کیونکہ اس بات کا پورا امکان موجود ہوتا ہے کہ یہ محض گواہ کی رائے میں مذکورہ شخص سے سرزد ہونے والا فعل کفر ہو، جبکہ وہ فعل حقیقت میں کفر نہ ہو"۔

اسی طرح منح الجلیل میں درج ہے:

"لأَنَّهُ يَتَرَتَّبُ عَلَيْهِ سَفْكُ دَمٍ؛ وَقَطْعُ عِصْمَةٍ؛ وَحَجْرُ مَالٍ؛ وَمَنْعُ وَارِثٍ وَغَيْرُهَا...؛ وَقَدْ يَرَى الشَّاهِدُ تَكْفِيرَهُ بِمَا لَيْسَ كُفْرًا، وَظَاهِرُ كَلامِهِ وُجُوبُ التَّفْصِيلِ، وَنَحْوُهُ فِي التَّوْضِيحِ"۔

"......(گواہ سے یہ تفصیل طلب کرنا اس لیے ضروری ہے) کیونکہ اس کی گواہی پر بہت سے نازک امور کا دار و مدار ہوتا ہے، مثلاً (جس کے خلاف وہ گواہی دے رہا ہے) اس کے خون کا بہایا جانا، اس کے جان و مال کا مباح ٹھہرنا، اس کو اپنے مال میں تصرف سے روک دیا جانا، اس کے وارثوں کو اس کی وراثت سے محروم کر دیا جانا، وغیرہ......؛ اور یہ عین ممکن ہے کہ گواہ جس عمل کی وجہ سے کسی شخص کو کافر سمجھ رہا ہو حقیقت میں وہ عمل ایسا نہ ہو۔ اور علماء نے اس بابت جو کچھ لکھا ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ (جب کسی کے ارتکابِ کفر کے بارے میں گواہی دی جا رہی ہو تو) تفصیل سے گواہی دینا واجب ہے۔ التوضیح میں بھی یہی بات درج ہے"۔

نیز ابن شاس مالکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التاج والإکلیل میں بھی یہی بات مذکور ہے۔

تکفیر کے مسائل میں احتیاط سے متعلق حنبلی علماء کے اقوال

حنبلی مذہب کی معروف کتاب الفروع لابن المفلح میں درج ہے کہ:

"وَقَالَ ابْنُ الْجَوْزِيّ فِي كِتَابِهِ (السِّرّ الْمَصُون): رَأَيْت جَمَاعَةً مِنْ الْعُلَمَاءِ أَقْدَمُوا عَلَى تَكْفِيرِ الْمُتَأَوِّلِينَ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ، وَإِنَّمَا يَنْبَغِي أَنْ يُقْطَعَ بِالْكُفْرِ عَلَى مَنْ خَالَفَ إجْمَاعَ الأُمَّةِ وَلَمْ يَحْتَمِلْ حَالُهُ تَأْوِيلاً، وَأَقْبَحُ حَالاً مِنْ هَؤُلاءِ الْمُكَفِّرِينَ قَوْمٌ مِنْ الْمُتَكَلِّمِينَ كَفَّرُوا عَوَامَّ الْمُسْلِمِينَ وَزَعَمُوا أَنَّ مَنْ لاَ يَعْرِفُ الْعَقِيدَةَ بِأَدِلَّتِهَا الْمُحَرَّرَةِ فَهُوَ كَافِرٌ!، وَهَذَا مُخَالِفٌ لِلشَّرِيعَةِ، فَإِنَّهَا حَكَمَتْ بِإِسْلامِ أَجْلاَفِ الْعَرَبِ وَالْجُهَّالِ"۔

"علامہ ابن جوزی اپنی کتاب السِّر المصُون میں لکھتے ہیں کہ: میں نے علماء کے ایک ایسے گروہ کو دیکھا جو تاویل کرنے والے مسلمانوں پر بھی کفر کا حکم لگانے سے نہیں چوکتا تھا، حالانکہ شرعاً صرف انہی لوگوں کو کافر قرار دینا درست ہے جنہوں نے اجماعِ امت کی مخالفت کی ہو اور ان کے موقف میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو۔ پھر اس گروہ سے بھی برا حال متکلمین کے ایک گروہ کا ہے جنہوں نے عام مسلمانوں کی بھی تکفیر کر ڈالی اور یہ دعوی کیا کہ جو شخص عقیدے کو اس کے تفصیلی دلائل کے ساتھ نہیں جانتا تو وہ کافر ہے! یقیناً یہ رویہ اختیار کرنا شریعت کی مخالفت ہے کیونکہ شریعت نے تو عرب کے بدوؤں اور جاہلوں تک کو مسلمان قرار دیا (حالانکہ وہ صرف ایمانِ مجمل لے کر آئے تھے اور عقیدے کے تفصیلی مسائل اور دلائل سے آگاہ نہیں تھے)"۔

پنجم: مسائلِ تکفیر میں سطحیت سے بچنا اور تفصیل و گہرائی میں اتر کر مسلمانوں کے لیے خود عذر تلاش کرنا مفتی کا فرض ہے

جس طرح علمائے کرام پر واجب ہے کہ وہ دین کی حفاظت اور شریعتِ مطہرہ کے تحفظ کی خاطر حق بات بیان کریں، اسی طرح راسخ اہلِ علم کی یہ ذمہ داری بھی بنتی ہے کہ وہ محض کسی ایسے قول یا فعل کی وجہ سے جھٹ سے کسی مسلمان پر کفر کا حکم نہ لگا دیں کہ جس قول یا فعل کا قطعی طور کفر ہونا ثابت نہ ہو بلکہ اس میں محض کفر کا احتمال ہو۔ علمائے راسخین کا تو ہمیشہ یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ ان نازک مسائل میں نہایت باریک بینی کے ساتھ ان کی گہرائی و تفصیل میں اترتے ہیں اور خود سے اس قول یا فعل کی ایسی توجیہ تلاش کرتے ہیں جو اسے کفر قرار دینے میں مانع ہو جائے، چاہے یہ توجیہ کمزور ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ عقود رسم المفتي میں لکھتے ہیں:

وكُلُّ قَوْلٍ جاءَ يَنْفِي الكُفْرا　　ہر وہ توجیہ جو کسی مسلمان کے کفر میں مانع ہوتی ہو
عَنْ مُسْلِمٍ ولَو ضِعِيفاً أَحْرَى

اسے اختیار کرلینا زیادہ مناسب ہے، خواہ وہ کمزور توجیہ ہی کیوں نہ ہو

اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ ائمہ کرام تکفیر کے مسائل میں بات کرتے ہوئے کثرت سے ایسی عبارتیں لکھتے ہیں کہ: اگر اس شخص کی بات سے فلاں معنی مراد ہو تو اس کا حکم یہ ہو گا اور اگر فلاں معنی مراد ہو تو یہ ہو گا...... اور یوں وہ ایک ایک معاملے کی دو دو تین تین چار چار توجیہات بیان کرتے ہیں اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ! یہ سب کیوں ہے؟ دراصل یہ ان نازک مسائل میں ائمہ کرام کے محتاط رویے کی دلیل ہے اور یہ احتیاط ہی علم کی گہرائی کی علامت ہے، اللہ کی ہزاروں رحمتیں ہوں ان ائمہ پر!

اسلاف کی کتب پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ جتنا زیادہ کسی عالم کے علم میں اضافہ ہوتا ہے اتنا ہی اس کا رویہ محتاط ہوتا جاتا ہے اور اتنا ہی زیادہ وہ اس بات کا اہتمام کرنے لگتا ہے کہ وہ مسائل کی گہرائی و تفصیل میں اترے اور محض سطحی انداز سے حکم نہ لگائے۔ علم گہرا ہو تو یقیناً انسان کا رویہ ان نیم پختہ قسم کے نام نہاد اہلِ علم جیسا نہیں ہوتا جو بے خوف ہو کر پہاڑ جیسے بڑے بڑے مسائل میں کود پڑتے ہیں...... دین کے حساس ترین ابواب کو اپنے بائیں ہاتھ کا کھیل سمجھتے ہیں...... اور محض کان میں پڑنے والا کوئی ایک لفظ سن کر جھٹ سے فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ اہلِ بخارا ایسے بے لگام مفتی کو "شیخ الأُذُن" (کانوں والے شیخ) کا نام دیتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ایسے لوگ ہر دم مسلمانوں کے لیے گھات لگا کر بیٹھے ہوتے ہیں۔ جہاں یہ کسی کو خطا کا مرتکب ہوتے یا کہیں ہلکا سا پھسلتے دیکھیں، فوراً اس پر چڑھ دوڑتے ہیں اور اس کی ایسی کی تیسی کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ اس غلط فہمی میں بھی مبتلا ہوتے ہیں کہ شاید ان کی یہ حرکتیں دینی صلابت اور عقیدے کی پختگی کی علامت ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا حال اس مخبوط الحواس گدھے کی طرح ہوتا ہے جو بے قابو ہو کر ہر قریب آنے والے کو دولتّی رسید کرتا ہے۔ فتوے کے نازک اور محترم دینی منصب کو بدنام کرنے والے یہ لوگ بالعموم اتنی پست علمی سطح پر ہوتے ہیں کہ اصول اور فروع کے مابین فرق بھی نہیں سمجھتے، مگر پھر بھی فتاویٰ دینے سے نہیں چوکتے۔ اللہ جل شانہ کا بڑا احسان ہے اپنے اس حقیر سے بندے پر کہ اس نے اسے یہ توفیق بخشی کہ وہ ایسے جاہلوں کی خوب خبر لے، ان کے بودے دلائل کو رد اور ان کی تعمیر کردہ فصیلوں کو پارہ پارہ کرے، یہاں تک کہ ان کا زور ٹوٹ جائے...... اور تمام تعریفیں یقیناً اللہ ہی کے لیے ہیں جس کے فضل و احسان سے یہ سب ممکن ہو پایا۔

کفریہ اقوال وافعال کے ساتھ ائمہء کرام کے محتاط تعامل کی چند مثالیں

ذیل کی سطور میں، میں بعض مثالوں کی مدد سے یہ واضح کرنے کی کوشش کروں گا کہ تکفیر کے باب میں ائمہ کرام کا رویہ کیسا محتاط اور مبنی بر علم ہوا کرتا تھا۔ ان شاء اللہ یہ مثالیں یہ سمجھانے کے لیے کافی ثابت ہوں گی کہ ہمیں ان امور میں کیسا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

1. اگر کوئی شخص کسی مسلمان کے دین کو گالی دے، تو کئی علماء نے اس میں تفصیل بیان کی ہے کہ اگر اس کا مقصود دینِ اسلام کو گالی دینا ہو تو یہ کفر ہے۔ لیکن اگر اس کا مقصود اس شخص کے دیگر لوگوں کے ساتھ رویے، طریقے اور تعامل کو برا بھلا کہنا ہو (مثلاً اس کا امانت میں خیانت کرنا، پڑوسیوں کو تکلیف دینا، جھوٹ بولنا وغیرہ) تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگے گا۔ البتہ اسے تعزیری سزا دی جائے گی اور آئندہ ایسے لفظ کے استعمال سے منع کیا جائے گا۔

2. اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو یہ بد دعا دے کہ: "تجھے کفر کی حالت پر موت آئے"، تو علماء لکھتے ہیں کہ اگر اس کا مقصود حقیقتاً یہ ہو کہ یہ شخص کافر ہو جائے تو یہ بد دعا دینے والا کفر کا مرتکب ہوا۔ اور اگر اس کا مقصود حقیقتاً یہ نہ ہو، بلکہ وہ محض گالی دینے اور برا بھلا کہنے میں سختی کرنا چاہ رہا ہو اور صرف ایک سخت سی بد دعا دینے کا ارادہ کیا ہو تو راجح قول یہ ہے کہ یہ بد دعا دینے کی وجہ سے وہ کافر نہیں ہو گا، جیسا کہ علامہ خرشیؒ نے شرح مختصر الخليل میں لکھا ہے۔ نیز منح الجلیل میں بھی یہی بات مذکور ہے، بلکہ مزید یہ بھی درج ہے کہ: علامہ خرشی کے شاگرد ابن راشد نے بھی اسی موقف کو اختیار کیا ہے اور اسے راجح رائے کہا ہے، کیونکہ بد دعا دینے والے نے اس لیے یہ بد دعا نہیں دی کہ اسے کفر پسند تھا، بلکہ وہ ہمیشگی کی جہنم کی بد دعا دے کر اس شخص کو شدید ترین ضرر پہنچانا چاہ رہا تھا۔ اس کے برعکس علامہ کرکیؒ نے اپنے فتوے میں ذکر کیا ہے کہ ایسی بات کہنے والا کافر ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ سے کفر کرنے کا ارادہ کیا، لیکن یہ راجح رائے نہیں ہے۔

3. منح الجليل شرح مختصر الخليل میں درج ہے کہ:

"ما لَوْ شَدَّ فِي وَسْطِهِ (زُنَّاراً): -وهُو الحِزامُ المُلَوَّنُ الخاصُّ بالكافِرِ لِيتَمَيَّزَ بِهِ عَن المُسْلِم- إنْ شَدَّهُ مُسْلِمٌ مَحَبَّةً لِذَلِكَ الدِّينِ وَمَيْلاً لأَهْلِهِ لاَ هَزْلاً وَلَعِباً حَرُمَ، وَإِنْ كَانَ لِضَرُورَةٍ كَأَسِيرٍ عِنْدَهُمْ لَمْ يَجِدْ غَيْرَ مَلْبُوسِهِمْ فَلاَ يَحْرُمُ، قَالَهُ ابْنُ مَرْزُوقٍ"۔

"اگر کوئی مسلمان زُنّار باندھ لے، جو کہ ایک مخصوص رنگین رسی کا نام ہے جو (نصرانی) کافر پہنتے تھے تاکہ وہ مسلمانوں سے ممیز ہو سکیں، تو اگر وہ شخص کافروں کے دین کی محبت میں اور کفار کی طرف قلبی میلان کے سبب زنار باندھے اور محض کھیل اور مذاق میں ایسا نہ کر رہا ہو تو یہ حرام ہے، اور اگر وہ کسی ضرورت کے تحت باندھے، مثلاً وہ کافروں کے یہاں قید ہو اور اسے ان کے لباس کے علاوہ کوئی دوسرا لباس میسر نہ ہو تو ایسی صورت میں زنار باندھنا حرام نہیں، جیسا کہ ابن مرزوقؒ نے فرمایا ہے"۔

4. رضا بالکفر کے مسئلے میں بھی علماء نے ایسی ہی تفصیل بیان کی ہے۔ چنانچہ الفواكه الدواني شرح رسالة أبي زيد القيرواني میں درج ہے:

”وَالْحَاصِلُ أَنَّ الرِّضَا بِالْكُفْرِ إِنَّمَا يَكُونُ كُفْرًا إِذَا رَضِيَ بِهِ مِنْ حَيْثُ ذَاتِهِ، لاَ مِنْ حَيْثُ إِنَّ اللَّهَ قَضَاهُ“۔

”حاصل کلام یہ ہے کہ کفر پر راضی ہونا (رضا بالکفر) صرف اس صورت میں کفر ہے جب کوئی شخص اس کفر کو پسند کرتا ہو، لیکن اگر وہ (کسی کے کافر ہونے پر) اس اعتبار سے راضی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے (فلاں شخص کے حق میں) کفر مقدر کر دیا ہے تو رضا بالکفر کی یہ صورت کفر نہیں ہے......“۔

5. اگر کوئی شخص اپنی بات کی سچائی جتلانے کے لیے کہے کہ اگر میں نے فلاں کام کیا ہو تو میں یہودی ہوں گا، یا اگر میں نے فلاں بات کہی ہو تو میں یہودی ہوں گا...... تو علماء نے اس کے حکم کے بارے میں بھی تفصیل بیان کی ہے۔ چنانچہ بعض شافعی علماء نے لکھا ہے کہ:

” ظاهِرُ الحَدِيثِ أَنَّهُ يُحْكَمُ عَلَيهِ بالكُفْرِ إذا كانَ كاذِباً “

”بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ اپنی بات میں جھوٹا نکلے تو اس پر کفر کا ہی حکم لگے گا“۔

یہ بعض علماء کی رائے ہے جسے علامہ نوویؒ نے المجموع میں نقل کیا ہے اور پھر اسے رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

”وَالتَّحْقِيقُ التَّفْصِيلُ، فَإِنِ اعْتَقَدَ تَعْظِيمَ مَا ذُكِرَ كَفَرَ، وَإِنْ قَصَدَ حَقِيقَةَ التَّعْلِيقِ فَيُنْظَرُ - فَإِنْ كَانَ أَرَادَ أَنْ يَكُونَ مُتَّصِفاً بِذَلِكَ كَفَرَ - لأَنَّ إِرَادَةَ الكُفْرِ كُفْرٌ، وَإِنْ أَرَادَ البُعْدَ عَنْ ذَلِكَ لَمْ يَكْفُرْ، لكِنْ هَلْ يَحْرُمُ عَلَيْهِ ذَلِكَ أَوْ يُكْرَهُ تَنْزِيهاً؟ الثانِي هُوَ الْمَشْهُورُ“۔

” درست بات یہ ہے کہ اس مسئلے میں کچھ تفصیل ہے۔ اگر تو وہ شخص یہ جملہ اس بنا پر کہہ رہا ہو کہ وہ یہودیت کو قابلِ تعظیم سمجھتا ہے تو پھر تو یہ کفر ہے۔ لیکن اگر اس کا ایسا کوئی ارادہ نہ ہو بلکہ اس نے اپنی بات پر زور دینے کے لیے یہ شرط لگائی ہو تو پھر دیکھا جائے گا: پس اگر تو اس نے واقعی یہ ارادہ کیا ہو کہ جھوٹا ثابت ہونے کی صورت میں وہ حقیقتاً یہودیت اختیار کر لے گا تو یہ بھی کفر ہے، کیونکہ کافر ہونے کا ارادہ کرنا بھی کفر ہے۔ لیکن اگر اس نے یہ شرط محض اس لیے لگائی ہو کہ (اس کو اپنے سچا ہونے کا یقین ہو اور) وہ یہ کہنا چاہ رہا ہو کہ اس کا یہودی ہو جانا محال ہے تو یہ کفر نہیں۔ رہی یہ بات کہ کیا ایسا

جملہ کہنا حرام ہے یا مکروہِ تنزیہی تو مشہور قول یہی ہے کہ یہ مکروہِ تنزیہی ہے"۔

6. جو شخص دارِ حرب میں داخل ہوا اور وہاں جا کر بتوں کو سجدہ کرتا رہا یا کفریہ کلمات کہتا رہا، پھر (جب دار الاسلام واپس آنے پر اس سے پوچھا گیا تو) اس نے کہا کہ وہ جبر و اکراہ کے تحت ایسا کر رہا تھا، تو اس کا حکم کیا ہو گا؟ علامہ نوویؒ روضة الطالبين میں نقل کرتے ہیں کہ:

"وذكر عن الشافِعِيّ رحِمَهُ اللهِ أنّهُ إنْ كانَ مَحْبوساً أو مُقيّداً لَمْ يُحْكَمْ بكُفْرِهِ؛ وإنْ لَمْ يَتَعَرَّضْ الشاهِدانِ للإكْراه (يَعْنِي الّذَينِ شَهِدا علَيْهِ بِذلك)"۔

" امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ اگر یہ شخص کفار کی قید میں تھا تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا چاہے اس کے خلاف کفر کی گواہی دینے والے دونوں گواہ 'کفر کے جبر و اکراہ' کا ذکر نہ کریں"۔

نیز علامہ نوویؒ ہی نے علامہ شیرازیؒ کی کتاب التهذيب کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ:

"فَإنْ فَعَلَهُ فِي مَكَانٍ خَالٍ لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهُ؛ كَمَا لَوْ فَعَلَهُ فِي دَارِ الإِسْلاَمِ، وَإِنْ فَعَلَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ؛ قُبِلَ قَوْلُهُ إِنْ كَانَ أَسِيراً (يعْنِي لأَنَّ الأسِيرَ مُكْرَهٌ)؛ وَإِنْ كَانَ تَاجِراً فَلاَ"۔

"اگر اس شخص نے یہ کفریہ امور کسی خطرات سے خالی جگہ پر (یعنی جہاں اسے کفار سے کوئی خطرہ نہ ہو وہاں) کیے ہوں تو اس کا یہ دعوی قبول نہیں کیا جائے گا کہ اس نے بحالتِ اکراہ ایسا کیا اور اس کا وہی حکم ہو گا جو دارالاسلام میں ایسی حرکت کرنے والے کا ہوتا ہے۔ اور اگر اس نے یہ کام کفار کی نگاہوں کے سامنے کیے ہوں تو اس کی دو صورتیں ہیں: اگر تو وہ ان کی قید میں ہو تو اس کا یہ عذر قبول کر لیا جائے گا (کیونکہ قیدی حالتِ اکراہ میں تصور کیا جاتا ہے) اور اگر وہ وہاں بطور تاجر (آزادانہ رہ رہا) ہو تو اس کا عذر قبول نہیں کیا جائے گا (اور اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا)......"۔

7. اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللهِ﴾ "اور یہود نے کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں"۔ نیز یہ فرمان بھی ہے کہ: ﴿وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللهِ﴾ "اور نصاری نے کہا کہ مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں"۔ پس اگر کوئی شخص آیت میں سے صرف اتنا ٹکڑا کہے کہ ﴿عُزَيْرٌ ابْنُ اللهِ﴾ "عزیر اللہ کے بیٹے ہیں" یا یہ کہے کہ ﴿الْمَسِيحُ ابْنُ اللهِ﴾ "مسیح اللہ کے بیٹے ہیں" یا اسی طرح ایک اور آیت کا صرف اتنا ٹکڑا

پڑھے کہ﴿يَدُ اللهِ مَغْلُولَةٌ﴾ ”اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں“ اور یہ ذکر نہ کرے کہ یہ گستاخ یہودیوں کا قول ہے...... تو اس کا حکم کیا ہو گا؟ إعانة الطالبين میں شافعی علماء کے حوالے سے یہ مسئلہ مذکور ہے اور اسے شیخ احمد بن زینی دحلان نے تجوید کے احکام سے متعلق اپنی ایک کتاب میں بھی ذکر کیا ہے کہ:

”وذكر عَن بَعْضِهِمْ إطْلاقَ القَوْلِ بِكُفْرِهِ! ورَدَّه، قالَ: وَالْمُحَقِّقُونَ عَلَى أَنَّهُ لاَ يُطْلَقُ القَوْلُ بِالتَّكْفِيرِ وَلاَ بِالحُرْمَةِ، بَلْ إِنْ كَانَ مُضْطَرّاً: وَابْتَدَأَ بِمَا بَعْدَهُ غَيْرَ مُعْتَقِدٍ لِمَعْنَاهُ لاَ يَكْفُرُ، وَإِنْ اعْتَقَدَ مَعْنَاهُ كَفَرَ مُطْلَقاً وَقَفَ أَمْ لاَ، وَعَلَيْهِ يُحْمَلُ كَلاَمُ مَنْ أَطْلَق، فَإِنْ وَقَفَ مُتَعَمِّداً غَيْرَ مُعْتَقِدٍ الْمَعْنَى حَرُمَ وَلَمْ يَكْفُرْ“۔

”بعض شافعی علماء کے نزدیک ایسا کہنا دوٹوک کفر ہے۔ لیکن شیخ نے اس رائے کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محقق علماء کے نزدیک ایسے اقوال پر دو ٹوک کفر کا حکم لگانا درست نہیں، بلکہ ان اقوال کو یوں علی الاطلاق حرام کہنا بھی درست نہیں، کیونکہ یہ دیکھنا ہو گا کہ یہ اقوال کس انداز میں کہے گئے۔ پس اگر تو کسی نے اضطرار کی صورت میں آیات کو اس انداز میں پڑھا اور اس کا عقیدہ یہ نہیں تھا تو وہ کافر نہیں ہو گا لیکن اگر اس نے عقیدہ بھی یہی رکھا تو وہ (اس عقیدے کی بنا پر) مطلقاً کافر ہو گیا خواہ وہ آیت پوری پڑھے یا نامکمل۔ پس جن علماء نے اس انداز میں آیت پڑھنے والے پر سیدھا سیدھا کفر کا حکم لگایا ہے، تو انہوں نے اس عقیدے کی بنیاد پر یہ حکم لگایا ہے نہ کہ محض اس قول کی بنیاد پر۔ نیز اگر کسی نے قصداً آیت کو اس نامکمل انداز میں پڑھا لیکن اس کا عقیدہ یہ نہیں تھا تو اس نے حرام کا ارتکاب کیا البتہ اسے کفر نہیں کہا جائے گا“۔

بظاہر صریح کفر نظر آنے والے امور میں بھی اسلاف کا توقّف ہمیں کیا سبق دیتا ہے؟

میرے عزیز بھائیو! دیکھیے اور ائمہ کرام کی احتیاط سے سیکھیے! انہوں نے بظاہر کتنے خطرناک نظر آنے والے امور میں بھی کتنا محتاط ہو کر حکم لگایا ہے...... ایک ایسا شخص جس نے مسلمان کے دین کو گالی دی ہو...... ایک ایسا شخص جس نے مسلمان کو کافر مرنے کی بد دعا دی ہو...... ایک ایسا شخص جس نے عیسائیوں کی مذہبی علامت ’زُنار‘ باندھی ہو...... ایک ایسا شخص جس نے کفر پر راضی ہونے کا اظہار کیا ہو...... ایک ایسا شخص جس نے کہا ہو کہ اگر میں نے فلاں کام کیا ہو تو میں یہودی ہو گیا...... ایک ایسا شخص جس نے دار الحرب میں داخل ہو کر بتوں کو سجدہ کیا ہو اور کفریہ کلمات کہے ہوں...... ایک

ایسا شخص جس نے تلاوت ان الفاظ سے شروع کی ہو کہ "عزیر اللہ کے بیٹے ہیں" یا "مسیح اللہ کے بیٹے ہیں"...... اگر یہ مسائل اور ائمۂ کرام کی کتب میں مذکور ایسے ان گنت دیگر مسائل کو آج کے نیم پختہ طالبِ علموں اور نیم خواندہ قسم کے مفتی صاحبان کے سامنے پیش کیا جائے تو شاید وہ سائل کا سوال پورا ہونے سے پہلے ہی یہ کام کرنے والوں کے کفر کا، بلکہ جو ان کی تکفیر نہ کرے اس کے بھی کفر کا فتوی دے ڈالیں اور یہ گمان کریں کہ یہ تو ایسے واضح اور جلی امور ہیں جن میں زیادہ سوچنے کی ضرورت ہی نہیں ہے...... اور اس زعم میں مبتلا ہوں کہ انہوں نے بہت سا علم حاصل کر لیا ہے اس لیے اب انہیں کفر کا حکم لگانے میں تردد کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ مسکین بے چارہ کیا جانے کہ یقیناً اس نے کچھ نہ کچھ امور کا علم تو حاصل کیا ہو گا لیکن اس علم کا نچوڑ، تکفیر کے باب میں اسلاف کے رویے کا فہم اور علم کا لب لباب و مغز...... اس سب سے وہ محروم ہے۔ اگر طوالت کا خدشہ نہ ہوتا تو میں آپ کے سامنے مذکورہ بالا مثالوں جیسی دسیوں مزید مثالیں لے آتا اور اس میں میرا کوئی کمال نہ ہوتا کیونکہ میں تو محض ائمہ کرام کی کتب میں مکتوب و محفوظ اشیاء آپ کے سامنے نقل کر رہا ہوں۔

آمدم برسرِ مطلب...... حماس کا شرعی حکم

اب تک کی بحث سے امید ہے یہ بات آپ پر واضح ہو گئی ہو گی کہ حماس کے بعض قائدین کے ایسے بیانات کی بنا پر جن میں انہوں نے جمہوری اصولوں کا پابند رہنے کا عزم ظاہر کیا ہے، حماس پر علی الاطلاق کفر کا حکم لگانا کتنا غلط ہے۔ اگرچہ ہم حماس کے ایسے بیانات اور ان کے دیگر ایسے اقوال و افعال کی سختی سے مذمت کرتے ہیں، لیکن ان کی ان باتوں کو غلط کہنا ایک بات ہے اور ان کی بنیاد پر ان پر مطلقاً[2] کفر کا حکم لگا دینا ایک یکسر مختلف معاملہ۔ اس مسئلے میں بھی ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم ائمہ کرام رحمہم اللہ کے اس طریقے کی پیروی کریں جس کا ذکر ہم سطورِ بالا میں کر چکے ہیں۔

جمہوریت کی حقیقت اور اس کا شرعی حکم

بلا شبہ جمہوریت بالاصل مغرب سے درآمد شدہ ایک الگ منہج و طریقہ ہے اور شریعتِ اسلامیہ کے لیے ایک یکسر اجنبی اصطلاح اور نامانوس تصور ہے۔ اس اصطلاح کو وضع کرنے والوں کے نزدیک اس کا مطلب ہے:

"عوام کی حاکمیت، عوام کے ذریعے، عوام کے لیے"۔

[2] علی الاطلاق یا مطلق دراصل اصولِ فقہ کی ایک اصطلاح ہے جسے عام فہم انداز میں سمجھایا جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ اطلاق کہتے ہیں کھول دینے کو، پابندی ختم کرنے کو؛ گویا حماس پر مطلقاً کفر کا حکم لگانے سے مراد ہوا کہ بغیر مزید کوئی قید و شرط لگائے، حماس کے تمام افراد کو بلا تفریق کافر کہہ دینا۔

عوامی حاکمیت کے اس تصور کے بارے میں انقلابِ فرانس کا ایک نمایاں ناقد اور ۱۹۷۰ء میں نشر ہونے والی کتاب "انقلابِ فرانس پر ایک تنقیدی نظر"[3] کا مصنف بیرک کہتا ہے:

"یقیناً یہ عوامی اکثریت بادشاہوں سے بھی زیادہ سرکش ہوگی......اور جمہوری عمل کے نتیجے میں معاشرے کے رذیل طبقات حکومت تک پہنچیں گے"۔

اسی طرح جانسن کہتا ہے کہ:

"جمہوریت انسانی معاشرے پر ایک وبال اور مصیبت بن کر نازل ہوگی"

اور جانسن آزادی و مساوات کے نعروں کا بھی مذاق اڑاتا ہے کیونکہ اس کے بقول انسان فطری طور پر مساوی و یکساں نہیں اور اس فطرت کی مخالفت سے فساد ہی پیدا ہوگا۔

احقر کے نزدیک یہ بات شک سے بالا ہے کہ جمہوریت اپنے اس اصل معنی کے اعتبار سے جو اس تصور کو پیش کرنے والوں نے وضع کیے، اللہ کی حاکمیت میں شرک ہے۔ یہ شرک کیوں نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو کسی قوم، نہ عوام اور نہ ہی کسی حکومت کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ اللہ کی حاکمیت کے سوا کسی کی حاکمیت چاہیں۔

کیا جمہوریت میں اترنے یا اس کی طرف دعوت دینے کے سبب حماس پر کفر کا حکم لگے گا؟

اگرچہ جمہوریت اپنے اصل معنی کے اعتبار سے کفر و شرک ہے، لیکن مسلمانوں میں سے جو شخص جمہوریت کی اصطلاح کو استعمال کرتا ہے تو ہم اس پر حکم لگاتے ہوئے اسلاف کے طریقے کے مطابق احتیاط کا وہی رویہ اختیار کریں گے جس کی کچھ مثالیں اس مضمون کے ابتدائی حصے میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ ایسے افراد پر کوئی حکم لگاتے ہوئے ہم پر لازم ہے کہ ہم وہ تمام ممکنہ معانی اپنے سامنے رکھیں جن کی گنجائش ان لوگوں کی زبانوں پر جاری عبارتوں میں موجود ہو۔ پس اگر تو کسی شخص کو یہی معنی مقصود ہوں جو اس اصطلاح کے اصل معنی ہیں یعنی 'انسان کی آراء اور خواہشات کے مطابق فیصلے کرنا اور انھیں اللہ کی شریعت پر مقدم رکھنا' اور وہ اسی غلیظ عقیدے پر ایمان رکھتا ہو یا اس کی طرف دعوت دیتا ہو، تو یقیناً یہ کفر ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص جمہوریت سے شریعت کا عطا کردہ شوریٰ کا اصول مراد لے رہا ہو اور اس کا مقصود یہ ہو کہ اہلِ

[3] تأملات في الثورة الفرنسية

حل وعقد کے مشورے سے ایک اسلامی حکومت قائم کی جائے تو یہ کفر نہیں۔[4] ہم نے بہت سے معاصرین کو اسی رائے کا صراحتاً اظہار کرتے پایا ہے، جن میں سے بعض سے ہم نے یہ رائے بالمشافہ سنی ہے اور بعض کے بارے میں دیگر لوگوں نے ہمیں بتایا ہے۔

اسی طرح اگر کسی کا مقصود یہ ہو کہ جمہوریت عوامی رائے کے احترام کا نام ہے اور چونکہ ہمیں یہ یقین ہے کہ عوام مسلمان ہیں اور انہیں اختیار دیا جائے تو وہ اسلام کے سوا کچھ نہیں چنیں گے؛ اور اس کے برعکس دین دشمن سیکولر طبقات ایک نہایت چھوٹی سی اقلیت ہیں جو امت کی گردن پر ناحق مسلط ہیں اور اگر امت پر سے ظلم و جبر کو ہٹا دیا جائے اور اسے آزادی سے اپنی رائے کے اظہار کا موقع ملے تو وہ اس اقلیت کو باہر اٹھا پھینکے گی اور اپنے دین کو مضبوطی سے تھام لے گی...... پس اگر کوئی شخص جمہوریت کی اصطلاح کو ان معنوں میں استعمال کرتا ہے تو یہ بھی کفر نہیں۔[5]

اس کے برعکس اگر کسی شخص کا مقصود یہ ہو کہ لوگوں کو آزادی ہے، چاہیں تو اللہ کی حاکمیت کو پسند کرلیں اور چاہیں تو جاہلیت کی حاکمیت کو...... یا یہ مقصود ہو کہ عوام کی اکثریت کو حق ہے کہ وہ شریعتِ الٰہیہ کو چھوڑ کو انسانوں کے وضع کردہ قوانین کو چن لے، تو یقیناً یہ کفر اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ حاکمیت میں شرک۔

کیا مجاہدین کے خلاف قتال کرنے کے سبب حماس کافر ہو گئی؟

ہم نے دیکھا کہ کچھ عرصہ قبل جب غزہ کے علاقے میں یہ فتنہ برپا ہوا جس میں حماس کے ہاتھوں بعض مجاہدین شہید ہوئے تو بعض لوگوں نے علی الاطلاق حماس کو کافر قرار دے دیا اور دلیل یہ دی کہ حماس طاغوت کے راستے میں لڑتی ہے۔ بلاشبہ یوں بیک جنبشِ قلم ایک پوری جماعت کو دین سے خارج کر دینا اور ایسے غیر محتاط انداز میں کسی جماعت پر کفر کا حکم لگا دینا اسلاف کے طریقے سے ہٹا ہوا راستہ ہے۔ ایسے موقع پر تو واجب ہوتا ہے کہ معاملے کی گہرائی میں اترا جائے اور سطحی و اجمالی فتویٰ لگانے کی بجائے تفصیل میں جایا جائے۔ یوں مطلقاً کفر کا حکم لگانا اس صورت میں تو ٹھیک ہو سکتا تھا جب حماس کی طرف سے مجاہدین کے خلاف ہاتھ اٹھنے کا محرک دینِ اسلام سے ان کی عداوت یا کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ دلانے کا جذبہ ہو۔ لیکن مذکورہ واقعے میں یہ بات یقین سے کہنا ہرگز ممکن نہیں، خصوصاً جب کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ

---

[4] اگرچہ یہ کفر نہیں لیکن یہ ایک باطل بات ہے۔ صاف ستھری شرعی اصطلاحات کو چھوڑ کر مغرب کی اصطلاحات میں شرعی مفاہیم سمجھانے کی کوششیں ایک مرعوب ذہنیت سے جنم لیتی ہیں اور یہی مرعوب ذہنیت امت کو اس خطرناک جمہوری جال میں پھنسانے کی ذمہ دار ہے۔ اسی مرعوب جمہوری ذہن اور اس کے بودے دلائل کا مفصل رد پڑھنے کے لیے ملاحظہ کیجیے مولانا عاصم عمر حفظہ اللہ (امیر جماعت القاعدہ برصغیر) کی کتاب ''ادیان کی جنگ، دینِ اسلام یا دینِ جمہوریت''۔ (مترجم)

[5] یہ بھی کفر نہیں، لیکن سابقہ حاشیے میں مذکور بات یہاں بھی صادق آتی ہے۔ (مترجم)

حماس اپنا ایک معروف تعارف و تاریخ رکھتی ہے۔ وہ ایک اسلامی تحریک ہے جس کا یہود کے خلاف قتال میں ایک غیر معمولی کردار ہے اور فلسطین میں لوگوں کے دین کی حفاظت اور دعوتِ دین کے فروغ کی خاطر جس کی بڑی جہد وسعی ہے۔ ایک طویل عرصے تک کفار کے قبضے تلے رہنے کے سبب اس خطے سے دین کے شعائر مٹتے جارہے تھے مگر حماس نے ان شعائر کے احیاء میں ایک قابلِ قدر کردار ادا کیا۔ پھر بھلا کس طرح حماس اور ایسی حکومتوں اور افواج پر ایک سا حکم لگایا جاسکتا ہے جن کی دین دشمنی معروف ہے اور جن کی ہر دم کوشش رہتی ہے کہ اہلِ دین کو جڑ سے اکھاڑیں، کافروں کو بلادِ اسلامیہ پر مسلط کریں اور مسلمانوں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کے سامنے ڈال دیں؟ یقیناً ان دونوں کے درمیان بہت واضح فرق ہے۔

نیز حماس سے تعامل کرتے ہوئے ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بعض اوقات ایک مسلمان میں خوبیاں اور برائیاں دونوں بیک وقت پائی جاسکتی ہیں، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ مشہور قاعدہ ہے۔ پس ایسے افراد اور گروہوں سے تعامل کرتے ہوئے یہ واجب ہو گا کہ ان سے وقوع پذیر ہونے والی غلطیوں کی بہترین ممکن توجیہ بیان کی جائے اور جہاں تک ممکن ہو ان کے لیے عذر تلاش کیا جائے...... ہاں انہیں ان غلطیوں کے ارتکاب یا مشتبہ امور میں کودنے سے ضرور روکا جائے گا۔ پس اگر حماس نے ان مجاہد بھائیوں کے خلاف یہ سمجھتے ہوئے لڑائی کی کہ حماس ایک مسلمان جماعت ہے جس کے ہاتھ میں غزہ کے معاملات ہیں اور وہاں داخل ہونے والے تمام مغربی صحافی اور نمائندے ان سے پناہ لے کر وہاں داخل ہوتے ہیں اور ان کے ذمے اور حفاظت میں ہوتے ہیں، تو یہ لڑائی اور قتال طاغوت کی خاطر قتال نہیں کہلائے گا اور نہ ہی اسے کفر کہا جائے گا۔

حماس کی تکفیر سے روکنے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اس کے خلافِ شرع اعمال کے حامی ہیں

ہماری اس بات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جو کچھ ہوا ہم اس کو درست کہہ رہے ہیں یا دونوں میں سے کسی ایک گروہ کے حق میں فیصلہ دے رہے ہیں کیونکہ ایسا کرنے کے لیے تو اس پورے واقعے کی تفاصیل کو قریب سے اچھی طرح جاننا ضروری ہے۔ یہ ہمارا مقصود نہیں، بلکہ ہمارا مقصود ان لوگوں کی بات کو رد کرنا ہے جنہوں نے اس افسوس ناک واقعے کی بنا پر حماس کی تکفیر کر ڈالی اور اسے دین سے خارج گروہوں سے جاملایا۔ ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ حماس پر واجب ہے کہ وہ ہر دوسرے حق سے پہلے اللہ کے حق اور مسلمانوں کے حق کو ادا کرے اور اللہ سے ڈرے اور غیروں سے نہ ڈرے کیونکہ اللہ ہی اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس پر ایمان رکھنے والے اس کا خوف کھائیں۔ ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ حماس سمیت غزہ کے سب مسلمان ہی کفار کے محاصرے میں ہیں اور شدید تنگی اور مشکلات سے گزر رہے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ بعض اوقات حالات اتنے سخت ہو جائیں کہ انسان کے پاس عملاً کوئی اختیار باقی نہ بچے اور وہ حالتِ اکراہ میں

سمجھا جائے...... لیکن ایسی شدت و تنگی میں بھی اصل راہِ نجات اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھنا ہے۔ اور اللہ کی رسی کو مضبوط تھامنے ہی کا ایک اہم تقاضا اپنی محبتیں اور وفاداریاں اہلِ ایمان کے لیے خالص کرنا ہے۔ اللہ پر ایمان رکھنے والوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اسلام اور توحید کی بنیاد پر قائم ایمانی رشتوں کو مضبوط کریں اور کسی جماعتی، تنظیمی یا گروہی عصبیت کو اس پر مقدم نہ رکھیں۔ پھر خصوصاً جب معاملہ مجاہدین کے ساتھ ہو، تو یہ یاد رکھا جائے کہ یہ مجاہد نوجوان تو اسلام کی حفاظت کرنے والی مضبوط فصیل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سہارے کے بعد حملہ آور یہودی دشمن اور اس کے صلیبی ساتھیوں کے خلاف جہاد میں انہی نوجوانوں کا سہارا ہے۔

اسی طرح ہمیں یہ کہنے میں بھی کوئی تردد نہیں کہ حماس کی جانب سے ایسے فضول بیانات اور آراء سامنے آنا جو بالعموم دین کی ابجدیات سے بھی ناواقف سیاست دانوں سے سننے کو ملتے ہیں، یقیناً قابلِ قبول بات نہیں۔ نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ نے شرعی اصولوں سے آزاد ایسی سیاست سے منع فرمایا ہے، بلکہ خود دنیا میں بھی ایسے بیانات اور آراء کوئی نفع نہیں پہنچاتے۔ اصولاً یہ بات حماس کو دوسروں سے بڑھ کر سمجھنی چاہیے تھی، خصوصاً غزہ پر یہودیوں کے آخری حملے کے بعد، کیونکہ یہ حملے اپنے اندر گہری عبرت اور اسباق رکھتے ہیں اور یہ خود اس بات کی دلیل ہیں کہ غیروں سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا یا اقوامِ مغرب سے اپنے حقوق کے حصول میں مدد مانگنا دراصل ایک ایسے سراب کے پیچھے بھاگنے کے مترادف ہے جس کے پیچھے دوڑتے رہنے سے پیاس مزید بڑھے گی، بجھے گی کبھی نہیں۔

یہود کے خلاف متحد ہو جائیے!

غزہ میں رہنے والے مسلمانوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ دشمن کے مقابلے میں ایک دوسرے کی مدد کریں کیونکہ اپنے ہتھیاروں کا رخ ایک دوسرے کی طرف پھیرنا اور ایسے فتنوں میں اترنا اپنا ہی سینہ چھیدنے کے مترادف ہے۔ پھر بالخصوص فلسطین جیسے علاقے میں جہاں بہت سے مختلف قبیلے اور خاندان آباد ہیں اور اگر ان کے درمیان عداوت پیدا ہو جائے تو دشمن کے لیے ان کے درمیان گھسنا اور انہیں آپس میں لڑانا بہت آسان ہو جاتا ہے...... ایسے علاقے میں تو باہمی اختلاف کو جگہ دینا تباہ کن ہو سکتا ہے، جیسا کہ انگریز کے فلسطین پر قبضے کے دوران عملاً ہوا اور اس نے فلسطینی مسلمانوں کو باہم لڑا کر یہودی ریاست کے قیام کی راہ ہموار کی۔ آج بھی مسلمانوں کے بہت سے علاقوں میں انگریز یہی خبیث سیاست استعمال کر رہے ہیں۔

باہمی اختلاف سے بچنے کی خاطر بعض کم تر برائیوں کو برداشت کرنا مجاہدین پر واجب ہے

اسی طرح غزہ میں بسنے والے مجاہد بھائیوں کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ معاملات کی نزاکت کا کماحقہ ادراک کریں ۔ اسلام کی سکھلائی ہوئی شرعی سیاست کا ایک جزء یہ بھی ہے کہ اہم تر معاملے کی خاطر کم اہم معاملہ چھوڑا جا سکتا ہے۔ پس

کتنا ہی اچھا ہو اگر وہاں موجود مجاہدین اپنی تمام تر جہد ایسے اہداف پر مرکوز کریں جن کو نشانہ بنانے سے کوئی بھی اختلاف نہیں کر سکتا۔ بھلا ایسا کرنے میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے جب کہ ان کے سامنے ایک ایسا ہی متفق علیہ دشمن یعنی یہود موجود ہیں! کتنا ہی اچھا ہو اگر یہ مجاہد بھائی ایسے اقدامات سے گریز کریں جو اختلافات کو جنم دینے کا باعث ہوں اور جن کا ایسا ہی نتیجہ نکلے جیسا کہ اس افسوس ناک واقعے میں نکلا۔ میرے عزیز مجاہد بھائیوں کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر وہ کام جو جائز ہو، ہم پر واجب نہیں کہ ہم عملاً بھی اسے کر ڈالیں۔ بلکہ بعض اوقات کسی دینی مصلحت کی خاطر جائز کام کو چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔ یہی نہیں، بلکہ بعض اوقات تو ایک واجب کو بھی اہم تر واجب کی خاطر چھوڑا جا سکتا ہے، خصوصاً جب کہ اس واجب پر عمل سے بہت سے مفاسد جنم لیتے ہوں؛ بلکہ بعض ایسی صورتوں میں تو خود واجب کو ترک کرنا بھی واجب ہو جاتا ہے۔

قربانیوں کے ثمرات و نتائج سمیٹنے میں ناکامی کے دو اہم اسباب

سیاستِ شرعیہ کے اصولوں سے ناواقفیت

سیاستِ شرعیہ کے اصولوں کا علم نہ ہونا اکثر ہی اس بات کا باعث بنتا ہے کہ ہم خود پر ایسی پابندیاں عائد کر لیتے ہیں اور ایسے بوجھ اٹھا لیتے ہیں جن کا شریعت نے ہمیں حکم نہیں دیا......

میں بہت عرصہ دین کی سربلندی کے لیے کام کرنے والی جماعتوں اور شخصیات کے حالات پر غور کرتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ کتنے ہی مقامات پر انھوں نے اسلام کو زمین پر قوت و تمکین دلانے کے لیے اپنا تن من دھن لٹایا، اپنا لہو پیش کیا، اپنی عمریں کھپا دیں اور یقیناً یہ سب قربانیاں اللہ کے یہاں ہرگز ضائع نہیں جائیں گی۔ لیکن اس سے انکار بھی ممکن نہیں کہ کئی مواقع پر جب فصل کاٹنے اور ثمرات سمیٹنے کا وقت آیا اور معاملات سیاست کی دہلیز پر پہنچے تو سارا پھل کوئی اور لے اڑا اور فصل اس نے کاٹی جو بیج بونے میں ذرہ برابر بھی حصہ دار نہ تھا۔ چنانچہ میں یہ سوچنے پر مجبور ہوا کہ دینی تحریکات کے ساتھ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کے اصل اسباب کیا ہیں؟ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ قربانیوں کے نتائج و ثمرات سمیٹ نہ پانے کا سب سے بڑا سبب 'سیاستِ شرعیہ' کے احکامات سے عدم واقفیت ہے۔ اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ علماء اور داعیانِ دین (الّا من رحم اللہ) سب سے بڑھ کر شریعت کے اس عظیم باب سے ناواقف ہیں، حالانکہ یہ بالاصل انہی کا میدان تھا اور آج بھی انہی کا میدان ہونا چاہیے۔

مصالح و مفاسد کی اہمیت اور ان کے شرعی ضوابط سے لاعلمی

پھر اس سے بھی اہم تر سبب مصالح و مفاسد جیسے اہم باب کی اہمیت سے لاعلم ہونا اور اس کے احکامات کو گہرائی سے نہ سمجھنا ہے۔ اس اہم باب سے جہالت کے نتیجے میں دینی تحریکات کو بہت سے نقصانات اٹھانے پڑے ہیں اور بہت سے

داعیانِ دین نے خود پر وہ بوجھ عائد کر رکھے ہیں جس کا شریعت نے ان کو مکلف نہیں ٹھہرایا، بالکل اسی طرح جیسے بنی اسرائیل نے اپنے اوپر ایسی پابندیاں اور رہبانیت عائد کی جو ان کی اپنی ایجاد تھی، اللہ نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت کے اس اہم باب کی عدم معرفت کے سبب آسانی پیدا کرنے کے مواقع پر سختی کی جاتی ہے یا پھر اس کے برعکس بعض لوگ دین کے بنیادی اصولوں تک میں تساہل برتنے لگتے ہیں۔ پھر انہی رویوں کے سبب مخالفین اور دشمنوں کی تعداد میں کمی کی بجائے مزید اضافہ ہوتا ہے، ہر ایک سے جھگڑے ہوتے ہیں، ساتھ چلنے والے ساتھی بھی متنفر ہو جاتے ہیں اور نجانے ایسے کتنے ہی مزید مفاسد بھی پیدا ہوتے ہیں۔ نیز مصالح و مفاسد کو نہ سمجھنے کے سبب انصار و مدد گار بننے والوں پر بھی ایسے امور میں سختی و تنگی کی جاتی ہے جہاں تنگی کرنے کا شریعت نے حکم نہیں دیا۔ ایسے لوگوں پر خرچ کرنے سے ہاتھ روکا جاتا ہے جن کو کچھ عرصہ ساتھ چلانا دین کے نفع و مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے۔ اسی طرح بہت سے لوگ اس میں بھی فرق نہیں کر پاتے کہ وہ امور جن کا کرنا مباح ہے، الگ ہیں اور وہ جن کا کرنا واجب ہے، الگ۔ نہ ہی وہ اس میں فرق کر پاتے ہیں کہ کون سے امور کو مخفی رکھا جانا چاہیے اور کن امور کا اعلان کیا جانا چاہیے؟ کسے مقدم رکھنا چاہیے اور کسے مؤخر؟ نہ ہی وہ دوسروں سے تعامل کرتے ہوئے لوگوں کے مراتب میں فرق ملحوظ رکھ پاتے ہیں۔ یہ اور اس جیسی ان گنت دیگر مثالیں تو ان مسائل کی ہیں جو مصالح و مفاسد کو نہ سمجھنے کے سبب ہماری صفوں کے اندر جنم لیتے ہیں۔ رہے اپنی صفوں سے باہر پیدا ہونے والے مسائل، تو وہ الگ ہیں۔ مثلاً دشمن کی چالوں اور اس کے مکر کو نہ سمجھنا، ان کے خلاف احتیاطی تدابیر نہ اختیار کرنا، دشمن کے داؤ پیچ کے نتائج و عواقب پر نگاہ نہ رکھنا، ان مشترکہ نکات کی نشاندہی نہ کر پانا جہاں ہماری مصلحت اور بعض دیگر اقوام کے مفادات ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں، نہ ہی ان مقامات کی نشان دہی کر پانا جہاں ہماری مصلحت اور دیگر اقوام کے مفادات کا ٹکراؤ ناگزیر ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے باوجود ہم میں یہ سب کمزوریاں پائی جائیں......؟ حالانکہ ہمارے نبی ﷺ نے تو ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ، "الحرب خدعة"۔ یعنی " جنگ تو ہے ہی چالبازی"۔

لیکن اس حدیث پر وہ شخص عمل نہیں کر پائے گا جو یہ نہیں سمجھتا کہ ہم کن حالات میں جی رہے ہیں؟ اور ان حالات میں شریعت کے ہم سے تقاضے کیا ہیں؟ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہمارے دین کا حقیقی فہم عطا فرمائے، ہمیں اپنے عیوب اور کمزوریوں پر نگاہ رکھنے والی بصیرت عطا فرمائے، اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کی حفاظت فرمائے خواہ وہ کہیں بھی ہوں اور ان کے لیے فتح و تمکین لکھ دے۔ آمین

والحمد لله أولاً وآخراً، وصلى الله على محمد وآله وصحبه وسلم



من المؤمنین رجال

جہاں بین و جہاں باں...!

ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خاں (ابو خالد) رحمۃ اللہ علیہ

مولانا ڈاکٹر عبید الرحمن مرابط

زیرِ نظر مضمون ڈاکٹر سربلند زبیر خان المعروف ڈاکٹر ابو خالد رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آپ کے ایک رفیقِ کار مولانا ڈاکٹر عبید الرحمن مرابط حفظہ اللہ کے تاثرات پر مبنی ہے۔ نابغۂ روزگار اور اس قسم کی اصطلاحات و خطابات در اصل ڈاکٹر ابو خالد رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگوں ہی کے لیے وضع کی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر ابو خالد رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا ڈاکٹر ابو خالد رحمۃ اللہ علیہ اسلاف کے دور کے کوئی بزرگ ہیں جو کمالاتِ دینی و دنیوی سے مزین ہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایسی ہی قد آور شخصیات، جو جہاں بان ہونے کے ساتھ ساتھ جہاں بین بھی ہوں کا حال بتاتے ہوئے کہتے ہیں ع

جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا
ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(مدیر)

تعارف

جنوبی وزیرستان کے صدر مقام 'وانہ' کے ایک مکان میں جسے مجاہدین 'بیٹھک' کہتے تھے، احسن عزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ نے میرا تعارف کروایا کہ: 'یہ ڈاکٹر صاحب ہیں، ابھی ابھی انہوں نے ہجرت کی ہے'۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے دعا سلام کیا۔ اس وقت گویا وہ اپنے کسی مدعا کو بیان کرنا چاہتے تھے لیکن پہلی ملاقات ہونے کی بنا پر بیان نہ کر پائے۔ اور یہی وجہ ان سے مزید تعارف کی بنی۔ ان ڈاکٹر صاحب کا رمزی نام اس وقت 'طارق' تھا اور بعد میں وہ 'ابو خالد' کہلائے۔ آپ کا اصل نام 'ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان' تھا۔

ابو خالد بھائی ابتداء ہی سے اپنے ذہن میں مجاہدین اور تحریکِ جہاد سے متعلق جامع فکر اور مفصل منصوبہ رکھتے تھے۔ ان کی 'ہجرت' کے پیچھے بھی یہی فکر کار فرما تھی، اور وہ بہت شد و مد سے مجاہدین میں اسے عام کرنا چاہتے تھے۔ تاہم

مجاہدین کی بیشتر تعداد اس وقت ان کی بات نہیں سمجھ پاتے تھے۔ اس کی وجہ کچھ تو ان کا عالمانہ اندازِ بیان تھا اور کچھ مخاطبین کی کم علمی۔ انگریزی میں اسے کہتے ہیں 'کمیو نیکیشن گیپ'[1]۔

اس کے لیے انھوں نے استاد احمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ کی معاونت سے ایک طرف محض قیادت کے لیے دورہ جات کا انعقاد شروع کیا، دوسری طرف انھوں نے سوچا کہ عام مجاہدین کے افادہ کے لیے اسے تحریر میں بھی لایا جائے، لیکن تحریر لکھنے میں انہیں مشکل پیش آرہی تھی۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے مجھے ان کے سامنے لا بٹھا دیا گیا۔ 'آپ دونوں ڈاکٹر ہیں، ایک دوسرے کو بہتر سمجھیں گے'۔

ابو خالد بھائی کو بہت سے علوم پر رسوخ حاصل تھا۔ ان کے بے شمار علوم میں سے ایک تاریخ کا علم انتہائی گہرا تھا۔ جس سے عموماً جدید نظام تعلیم سے فارغ طلباء کم ہی واقف ہوتے ہیں۔ بس اللہ نے توفیق دی کہ میرے ساتھ سمجھنے سمجھانے میں فاصلہ کم تھا۔ اور غالباً پندرہ دنوں میں ان کی ترجمانی کرتے ہوئے میں نے ان کے افکار پر مشتمل ایک مقالہ بنام 'فکرِ طارق' لکھ کر حضرات کو پیش کیا۔ یہ غالباً شعبان، رمضان 1428ھ (اکتوبر 2007ء) کی بات ہے۔

تاہم ابو خالد بھائی کے ساتھ وانہ میں ہونے والی ملاقات میری ان سے پہلی ملاقات نہیں تھی۔ انہوں نے بعد میں یاد دلایا کہ وہ مجھ سے اس سے قبل پاکستان میں بھی ملے تھے۔ میں بہت سوچتا رہا، پھر یاد آیا کہ ڈاکٹر معاذ 'ارشد وحید' رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ ہمارے شہر آئے تھے، تو ان کے ساتھ دوسرے ڈاکٹر صاحب ابو خالد ہی تھے۔ ڈاکٹر معاذ کا شہر شہر کا یہ دورہ ہجرت سے پہلے دعوتِ جہاد کی مہم کا حصہ تھا، جس میں ڈاکٹر معاذ درد بھرے دل سے پیغام دیتے تھے۔ اللہ تعالی نے انہیں خطابت کا فن عطا کیا تھا۔

آزاد قبائل

قارئین کو بتاتا چلوں کہ مجاہدین کے ہاں رواج بن گیا ہے کہ جغرافیائی طور پہ پاکستان سے ان کی مراد وہ خطہ ہے جس میں قبائل شامل نہیں۔ پاکستان کو اکثر وہ اصطلاحاً 'نیچے' سے بھی تعبیر کرتے ہیں جبکہ قبائل کو 'اوپر' کہتے ہیں۔ اور حقیقت بھی ہے کہ حکومت پاکستان نے انگریزوں کی غلامانہ سیاست کو آگے بڑھاتے ہوئے آج تک قبائلی علاقوں کے ساتھ 'علاقہ غیر' جیسا سلوک کیا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بچپن میں بڑے ان علاقوں کو 'علاقہ غیر' کے نام سے ہی

[1] Communication Gap

یاد کرتے تھے اور ہمیں ان سے ڈرایا کرتے تھے، گویا یہاں کوئی وحشی لوگ رہتے ہوں، والعیاذ باللہ۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قبائل کا طرز فطرت سے قریب تر ہے۔ نہ کہ جدید جمہوری معاشرے۔ محققین یہی کہتے ہیں کہ جمہوریت نے نہ صرف دین بلکہ انسانی فطرت کو بھی تبدیل کر دیا ہے۔ جمہوریت کا خبیث درخت وہاں اگ ہی نہیں سکتا جہاں خون اور دین کے رشتے مضبوط ہوں۔ یہ ان رشتوں کو کاٹ کر ہی اپنی جگہ بناتا ہے۔ جب کہ ہمارا دین تو ہے ہی دینِ فطرت۔ وہ انسانی رشتوں اور اقدار کو سنوارتا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے منشاء کے مطابق ڈھالتا ہے جس نے یہ دنیا اور اس پر رہنے والوں کو پیدا کیا۔

اس گھناؤنی سیاست کا زمین پر بہت گہرا اثر پڑا۔ آپ سفر کرتے ہوئے جب 'بندوبستی' کہے جانے والے علاقوں سے نکل کر کہنے کو 'علاقہ غیر' میں داخل ہوتے ہیں تو گویا ایک نظریاتی سرحد عبور کرتے ہیں۔ اس کا احساس قدیم وجدید چیک پوسٹوں اور چُنگیوں پر بخوبی ہو جاتا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بڑے کہتے تھے کہ ان علاقوں میں بس روڈ پر قانون ہے۔ روڈ سے نیچے کوئی قانون نہیں۔ اسی مقولہ کو اگر میں اپنے الفاظ میں کہوں تو یہ ہے کہ ایف سی آر[2] کے انگریزی قانون کے مطابق روڈ پر انگریزی قانون نافذ ہو گا اور روڈ سے نیچے قبائلی رسم و رواج! تو کون سا بہتر قانون ہے۔ کافر انگریزوں کا یا مسلم قبائل کا؟

ایک طرف یہ طرزِ سیاست پاکستان کے قیام کے مقصد کے منافی ہے۔ کیونکہ اگر پاکستان کا مقصد 'لا الہ الا اللہ' ہے اور قبائل بھی پاکستان کا حصہ ہیں تو پھر 'اپنے' اور 'غیر' میں تفریق کیوں۔ لیکن دوسری طرف پاکستانی حکومت اپنے نام نہاد دعووں میں بھی ناکام رہی۔ مقتدر طبقے کا اسلام نافذ کرنے کا تو کوئی ارادہ نہ تھا۔ اس طرح قبائل کے عوام ان کے نافذ کردہ مغربی جمہوری نظام سے بھی 'آزاد' رہے۔ اس کا نتیجہ آپ خود ہی دیکھ سکتے ہیں کہ سابقہ 60 سالہ تاریخ چھوڑیے، گیارہ ستمبر کے واقعے کے بعد گزشتہ ڈیڑھ عشرے کو ہی اٹھالیں۔ اسی سرزمین نے جہاد کا علم بلند کیے رکھا۔ یہاں تک کہ جہاد خطۂ خراسان سے نکل کر پورے کرۂ عالم میں پھیل گیا۔ بھائیو! زمینی حقائق خود بولتے ہیں۔ 'نیچے' جمہوریت کی قید میں جکڑے ہوئے اہل پاکستان جہاد کی کماحقہ نصرت نہ کر سکے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اوپر 'آزاد' اہل پاکستان کو یہ توفیق دی۔ کیونکہ وہ جمہوریت کی جکڑ بندیوں سے 'آزاد' تھے۔ انہیں اپنے دین پر عمل کرنے کی آزادی تھی۔

---

[2] اب تو ایف سی آر کا قانون پاکستان میں ختم کر دیا گیا ہے۔ اب ان قبائلی علاقوں کی آزاد حیثیت ختم کر کے حکومتِ پاکستان نے انھیں بھی بندوبستی بنالیا ہے، تاکہ اہلِ قبائل سے بھی دین وشریعت پر عمل کی آزادی کو سلب کر لیا جائے۔

اور یہاں اللہ کا قانونِ استبدال بھی جاری ہوتا نظر آتا ہے۔

وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا يَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ ثُمَّ لَا يَكُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَكُمۡ۔ اور اگر تم منہ پھیروگے تو وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح کے نہیں ہوں گے۔ (سورہ محمد)

شعبہ تحلیل وتخطیط

بہرحال ہم لوٹتے ہیں اپنے قصے کی طرف۔ ہم دونوں کے درمیان قدرے ہم آہنگی کے سبب ہی غالباً استاد احمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ابو خالد بھائی کے ساتھ جہاد کے ایک شعبے بنام 'تحلیل وتخطیط' میں شامل کر دیا۔ جس کا اردو میں مطلب 'تجزیہ اور منصوبہ سازی' بنتا ہے۔ میں کہاں اور یہ کام کہاں۔ بس امر تھا۔ خیر شعبہ اتنا مشکل نہیں تھا جتنا اس کا نام۔ ابو خالد بھائی بھی مزاحاً کہتے تھے کہ بھئی نام تو عام فہم رکھا جائے۔

مسئلہ شروع ہوا تھا منتقلئ افکار میں رخنے سے۔ یعنی کہ 'کمیونیکیشن گیپ'۔ اب دو ہی صورتیں تھیں۔ یا ہم سمجھنا شروع کرتے یا وہ ہمیں سمجھا دیتے۔ تو میں گواہی دیتا ہو کہ ابو خالد بھائی نے اپنے آپ کو زبان اور بیان کے حوالے سے یکسر تبدیل کیا۔ جب سے انہیں اندازہ ہوا کہ جہادی ماحول میں بات کرنی ہے تو مخاطب کا لحاظ کرتے ہوئے الفاظ اور عبارات سے گفتگو کو مزین کرنا ہو گا۔ اور یہ خوبی کہ 'اپنے آپ کو ماحول میں ڈھالنا' جہاد میں تو بہت ہی ضروری ہے۔ جس میں بہت سے ساتھی ناکام ہو جاتے ہیں، یا بہت مشکل سے بدلتے ہیں۔ لیکن یہ لچک ابو خالد بھائی میں تھی۔ اور کچھ ہی عرصے کے بعد تحریر لکھنے میں انھیں میری خدمات کی ضرورت نہ رہی۔

خندق کی زندگی

شعبہ کا کام تو محترم قارئین پر واضح ہو جائے گا لیکن کام کے ماحول کو بیان کرنا انتہائی ضروری ہے۔ میں نے اس شعبے میں کوئی پانچ مہینے زیر زمین کھودے گئے تہہ خانے 'خندق' میں گزارے، جو کہ ان کے گھر کے قریب مرکز میں واقع تھی۔ مجھے یہ شرف حاصل ہوا کہ میں نے اسی خندق میں وقت گزارا جس میں مولانا سعید اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہادت سے قبل رہتے تھے۔ بلکہ انھوں نے ہی اس خندق کو کھودنے کا آغاز کیا تھا۔ ایسی خندقیں مجاہدین ڈرون میزائل کے حملوں کے پیش نظر کھودتے ہیں۔ مولانا سعید اللہ رحمۃ اللہ علیہ یہ خندق کھودتے تھے اور دورانِ کھدائی ہی ڈاکٹر صاحب کے ساتھ مختلف مسائل اور حالاتِ حاضرہ پر صلاح مشورے کرتے رہتے تھے۔ اس عرصے میں ڈاکٹر صاحب اور مولانا صاحب کے

درمیان کافی ہم آہنگی پیدا ہوئی۔ کچھ ہی ماہ میں مولانا سعید اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے کئی ساتھیوں کے ساتھ ایک ڈرون حملے میں چل بسے، اللہ انہیں قبول فرمائے۔ اور اب میں ان کے ہاتھوں کھودی ہوئی خندق میں سوتا جاگتا تھا۔ شروع میں یہ خندق انتہائی تنگ تھی۔ مولانا اسے فقط رات میں سونے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اگر میں کہوں کہ 'قبر' نما تھی تو بے جا نہ ہو گا۔ لیکن رفتہ رفتہ ابو خالد بھائی نے اس خندق کو ایک جدید دفتر میں تبدیل کر دیا۔ بجلی، ہوا، میز، کرسی اور ایک وسیع لائبریری۔ صرف بیت الخلا اور ایک آدھ کھانے کے لیے اوپر جانے کی ضرورت پڑتی تھی۔ صرف یہ نہیں بلکہ خود ابو خالد بھائی کے گھر میں بھی ایک خندق تعمیر تھی جہاں وہ اور ان کے اہل خانہ خطرے کے دنوں میں سوتے تھے۔

'پنجابی' مجاہد

اس وقت ہمارا مجموعہ ڈرون میزائل کا خاص نشانہ تھا۔ ایک طرف القاعدہ سے منسلک اور اوپر سے کہنے کو 'پنجابی'۔ 'پنجابی' پاکستان سے آنے والے ہر مجاہد کے لیے ایک اصطلاح بن چکی تھی چاہے وہ پشتون ہی کیوں نہ ہو۔ اور چونکہ قبائلی عوام کی اکثریت نے اس سے پہلے پنجابی صرف پاکستانی فوج میں دیکھے تھے اس لیے شروع میں پنجاب سے ہر آنے والے کو آئی ایس آئی کا ایجنٹ تصور کرتے تھے۔ یہ اس نفرت کے علاوہ ہے جو انگریزوں نے سالہا سال کی محنت سے ہندوستان میں رہنے والی اقوام کے درمیان بوئی تھی، اور جسے مقتدر طبقے اور افواجِ پاکستان نے اپنے ذاتی مفادات کی خاطر بڑھائے رکھا۔

ڈرون حملوں سے اگرچہ نقصان بے شمار ہوئے تو ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ عوام کو یہ یقین آ گیا کہ یہ 'پنجابی' کسی کے ایجنٹ نہیں۔ ورنہ حملے انھی پر کیوں ہوتے ہیں۔ اس کے بعد سے ہم سے عوام کی ہمدردی اور اعتماد بڑھ گیا اور قبائل میں کام کرنے کی نئی راہیں کھلیں۔

ڈرون کا مقابلہ

ڈرون کو گرانے کے لیے مجاہدین نے شروع میں 'زیکویک' اور 'شلکا' (طیارہ شکن مشین گنیں) نصب کیں، اور کئی طیارے گرانے میں کامیاب بھی ہوئے۔ دشمن نے اس صورت حال کے سامنے ایک تو ان مشین گنوں کو ہدف بنانا شروع کیا اور دوسری طرف اپنی عمومی پرواز 3 کلومیٹر سے اونچی یعنی مشین گنوں کی مار سے دور کر دی۔ البتہ مجاہدین نے نوٹ کیا کہ جب ڈرون نے نشانہ لینا ہوتا تو اسے قدرے نیچے آنا پڑتا۔ اس بدلتی صورتِ حال کے سبب مجاہدین نے مشین

گنوں کو گاڑیوں پر نصب کیا تاکہ عام حالات میں انہیں درختوں اور مکانات میں چھپا رکھیں اور صرف بوقت ضرورت ہی نکالیں۔ اور مارنے کے بعد پھر سے غائب کر دیا جائے۔ اس سے بھی مزید طیارے گرائے۔ لیکن دشمن نے حکمتِ عملی تبدیل کرتے ہوئے کئی طیارے بیک وقت اڑانا شروع کر دیے۔ پھر جب کوئی مشین گن کسی ایک طیارے کو ہدف بناتی تو دوسرا طیارہ اس گاڑی کو نشانہ بناتا۔

'اعداد' حسبِ 'استطاعت'

بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اکثر مجاہدین پر الزام لگتا ہے کہ کوشش نہیں کرتے۔ یا وسائل کے بغیر لڑتے ہیں۔ بھئی مجاہدین نے تو اپنے تئیں جو اسباب مہیا تھے، وہ استعمال کیے۔ رہے وہ اسباب جو ان کی قدرت سے باہر ہیں تو وہ ان کے مکلف نہیں۔ ذرا غور کریں کہ اللہ نے بھی تو یہی حکم دیا ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ۔　　　اور جہاں تک ہو سکے ان کے مقابلے کے لیے مستعد رہو۔ (سورہ انفال)۔

جہاں تک تمہاری استطاعت ہو، جہاں تک ہو سکے، تم اپنی قوت تیار کر رکھو۔ ہاں ایسی 'فوج' جو اسلام کا دعوی بھی کرے، زمین اور سرحدوں کی حفاظت بھی اس کے ذمے ہو اور وسائل بھی پورے ہوں اور پھر بھی وہ استعمال نہ کرے، یہ ہے اللہ کے حکم کی صریح خلاف ورزی۔ اور جب ان کے یہ وسائل الٹے کفار کی مدد کی خاطر مسلمانوں کے خلاف استعمال ہو رہے ہوں، تو معاذ اللہ یہ تو ارتداد کا سبب ہے۔

پس مجاہدین کسی طرح بھی ملامت کے قابل نہیں کیونکہ انہوں نے تو پورا زور لگایا۔ ملامت کے قابل تو وہ ہے جسے مجاہدین کی مدد کرنی چاہیے تھی لیکن اس نے مسلمانوں کی مدد کے بجائے مسلمانوں کے دشمنوں کا ساتھ دیا۔ پاکستانی فوج اور حکومت کے لیے ڈرون کو مار گرانے کی ضرورت تو تب پڑتی جب ڈرون خود ان کی اجازت سے مسلمانوں کی سرزمین سے پرواز نہ کرتے۔ لیکن جب وہ خود ڈرون حملوں میں اتنے شریکِ عمل رہے کہ نہ صرف ڈرون اڑیں بھی ان کی سرزمین سے بلکہ ہدف بھی انہی کی جاسوسی کی مدد سے حاصل کریں، تو انہیں حق نہیں پہنچتا کہ وہ مسلمانوں کے محافظ ہونے کا دھونس جمائیں اور ملکی سالمیت کا نعرہ لگائیں۔ ایسے میں مسلمانوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ ان کی قوت توڑنے کے لیے صالحین کے دست و بازو بنیں۔

اس کے علاوہ جب سے میں نے حالیہ جہاد میں مجاہدین کو دیکھا ہے تو انہیں زمین سے فضا تک مار کرنے والے میزائل کے تجربات کرتے پایا ہے، مجاہدینِ پاکستان کو بھی اور مجاہدینِ افغانستان کو بھی، جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے تھے۔ لیکن وسائل کی کمی اور ماہرین کی شہادت کے سبب یہ منصوبے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکے۔ حاصل یہ ہے کہ مجاہدین نے اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ امتِ مسلمہ میں سے ملامت زدہ وہ ہیں جو استطاعت کے باوجود یا تو گھروں میں بیٹھے ہیں یا ظالم حکومتوں اور افواج کی طرح الٹا دشمن کی مدد کرتے ہیں۔

'ڈرون' بمقابلہ 'فدائی'

بہر حال ڈرون کے خلاف اقدامی جنگ نہ کر سکنے کا مطلب یہ نہیں کہ دفاعی جنگ بھی نہیں کی جا سکتی۔ اقدام اور دفاع تو ہر معرکہ کا حصہ ہوتا ہے۔ اگر مجاہدین فضائی اقدام سے قاصر ہیں تو بحمد اللہ زمینی اقدام کے ماہر ہیں۔ فضائی دفاع اور زمینی اقدام ہی مجاہدین کی حکمتِ عملی رہی ہے۔ امارتِ اسلامیہ نے سقوط کے بعد اسی حکمتِ عملی کے تحت 17 سال لڑائی لڑی یہاں تک کہ اب وسیع علاقے مفتوحہ ہیں۔ اور اگر دشمن کا سب سے تیر بہدف اور کارگر ہتھیار ڈرون طیارے ہیں تو مجاہدین کے پاس اس کے مقابلے میں فدائی حملے ہیں۔ دشمن جان بچاتے ہوئے لڑتا ہے اور مجاہدین جان کھپاتے ہوئے۔ اس طرح دشمن بزدل ٹھہرتا ہے اور مجاہدین نڈر۔ لیکن دشمن اپنی بزدلی کو چھپانے کے لیے میڈیا کے زور پر مجاہدین کو بزدل قرار دیتا ہے، کہ مجاہدین کی ہر کارروائی بزدلانہ ہوتی ہے، جبکہ دشمن کا دور سے میزائل مار کر بلا تفریقِ مرد و زن و طفل و پیر عام تباہی مچانا، دلیرانہ۔ یا للعجب!

خندق کی سنت

گویا مجاہدین کا دشمن کے فضائی حملوں سے بچنے کا طریقہ زمینی دفاع ہے۔ اور زمینی دفاع کا ایک آزمودہ طریقہ 'خندقیں' ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی یہ طریقہ استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ زمانہ قریب میں 'ویتنام' نے امریکہ کو اسی حکمتِ عملی سے شکست دی۔ لیکن رسولِ اکرم ﷺ نے خندق کھود کر اسے مسلمانوں کے لیے جنگ کی ایک سنت بنا دیا۔ ڈاکٹر صاحب اور مولانا صاحب نے عسکری اور شرعی وجوہات کے پیشِ نظر اس ایک نکتہ پر اتفاق کیا اور اس کا خوب پرچار اس وقت کیا جس وقت بہت سے مجاہدین کے نزدیک یہ کوئی کارگر طریقہ نہ تھا۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ یہی سب سے بہترین ثابت ہوا۔ میری دانست میں اس کے بعد سے جتنے بھی حملوں

میں خندق کی وجہ سے بچت ہوئی، اس کا صلہ ان دونوں حضرات کو ضرور جاتا رہے گا جنھوں نے نہ صرف ایک پرانی سنت کا احیاء کیا بلکہ دشمنوں کے دسیوں حملوں کو ناکام بنا کر مجاہدین کے قیمتی جانی اور مالی سرمائے کی حفاظت کی۔ یہ تو میرے سامنے کی بات ہے کہ کیسے ڈاکٹر صاحب مختلف جہادی امراء سے التجا کرتے تھے کہ وہ خندقوں کے نظام کو اپنائیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ڈرون سے تحفظ کے لیے ڈاکٹر صاحب نے ایک کتاب بھی لکھی جو ڈاکٹر صاحب کے فرضی نام 'حکمت اللہ لودھی' سے ادارہ 'الاعداد' نے شائع کی۔ جبکہ اسی موضوع پر ایک دوسری کتاب ہمارے شہید انجینئر سہیل بھائی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے۔ غالباً اس میں شامل تکنیکی معلومات کے پیشِ نظر اسے منظرِ عام پر نہیں لایا گیا۔ یا اللہ! انہوں نے اپنا فرض ادا کیا۔ یا اللہ! انہیں قبول کر لے۔ آمین۔

ویسے قبائل کے لیے یہ سنتِ خندق اتنی اجنبی بھی نہ تھی۔ قبائلی عوام اسے 'خلوت' کہتے ہیں۔ انہیں آج تک مجاہد اے پی فقیر 'حاجی مرزا علی خان' رحمۃ اللہ علیہ کی خلوتیں خوب یاد ہیں جن کی وفات 1965ء میں ہوئی۔ وزیرستان کے طول و عرض میں ایسی بے شمار خلوتیں آپ کو ملیں گی۔ کچھ تو قدرتی غار ہیں جنہیں خندق کے طور پہ استعمال کیا گیا اور کچھ اس وقت کے مجاہدین نے برطانوی اور بعد میں پاکستانی بمبار جہازوں سے اپنے تحفظ کے لیے کھودیں۔ یاد رہے کہ پاکستان بنتے ہی اسلام کے نام پر تشکیل پانے والی پاکستانی فوج کے پہلے برطانوی سپہ سالار نے مجاہدینِ قبائل پر بمباری کی تھی۔ ایسی خندقوں کا خود 'اے پی فقیر' کے مرکز 'گورویک'، شمالی وزیرستان میں آج تک مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

اس زمانے میں ان کا نام خلوت اس لیے پڑا کہ حاجی صاحب کی تحریک میں اس سے دو فائدے لیے جاتے تھے؛ ایک عبادت، دوسرا تحفظ۔ ویسے جہاد کے لیے تحفظ بھی خود عبادت ہے۔ اور خلوت نشینی عبادتوں کا ایک جزو ہے۔ یہاں جا کر غارِ حراء، غارِ ثور اور احزاب کی خندقوں کی کڑیاں ملتی ہیں اور حقیقت کھلتی ہے۔ تدبر کا مقام ہے!

'عصرِ حاضر میں جہاد'

اب دوبارہ آتے ہیں شعبۂ 'تحلیل و تخطیط' یعنی کہ تجزیہ اور منصوبہ بندی کے کام کی طرف۔ شعبے میں ہمارا پہلا کام یہ تھا کہ ہم یہ جائزہ لیں کہ پاکستان میں جہاد کیوں اور کیسے شروع ہوا اور آگے اسے کس نہج پر چلانا ہے۔ ابو خالد بھائی اپنے گھر کی خندق میں روزانہ رات بھر کوئی تاریخی یا عسکری کتاب پڑھ ڈالتے، پھر اس سے اخذ کردہ نتائج کو صبح میرے سامنے رکھتے تاکہ میں اسے مضمون میں ڈھالوں۔ اور چونکہ وہ اپنے بکھرے ہوئے افکار کو روز بروز سمیٹتے اور ماضی میں پڑھی

جانے والی کتابوں کا پھر سے مطالعہ کرتے، اس لیے میری اچھی خاصی مشق چلتی رہتی۔ ایک دن ایک مضمون کو ایک انداز میں بیان کرتا تو اگلے دن اسے کسی اور طرح بیان کرنے کی ضرورت پڑ جاتی۔

جب ابو خالد بھائی آغاز میں آئے تھے تو انہوں نے احسن عزیز بھائی اور دیگر امراء سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ ان سے طبی خدمات لیں۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ مجاہدین کے لیے ایک ہسپتال بنائیں گے۔ اور اسی لیے انھوں نے اپنے اہل وعیال سمیت ہجرت کی تھی۔ بس ایک مقصد کے تحت زندگی گزارنی ہے اور اسی کی خاطر سب کچھ قربان کر دینا ہے۔ لیکن جب ان کے علم کی گہرائیوں اور صلاحیتوں کا علم امراء کو ہوا تو انہوں نے امراً انھیں طب کے بجائے شعبہ تحلیل وتخطیط سنبھالنے کا کہا۔ اس لیے انھیں کچھ وقت لگا کہ وہ اپنے ذہن کے خانوں سے سابقہ مطالعہ کو اور اس کی بنیاد پر منظم فکر کو باہر لائیں۔ یہ کوئی چھوٹا منصوبہ نہ تھا، ایک پوری تاریخ تھی، ایک بھرپور جائزہ تھا، ایک مکمل عقیدہ تھا۔ یہی تمام کاوش بالآخر ادارہ 'حطین' کی جانب سے 'عصر حاضر میں جہاد کی فکری بنیادوں' کے نام سے شائع ہوئی۔

جذبۂ جہاد

میرے خیال میں ڈاکٹر صاحب کے ذہن میں خاکہ تو مکمل تھا لیکن اسے دوسروں کے لیے مربوط کرنے اور سمجھانے کی ضرورت تھی۔ انھیں اندازہ بھی نہ تھا کہ انہیں اوپر آکر یہ کام کرنے کی بھی ضرورت پڑے گی۔ ان کا خیال تھا کہ تمام مجاہدین جہادِ پاکستان کے حوالے سے پختہ سوچ اور واضح اہداف کے حامل ہوں گے۔ لیکن واقعِ حال ایسا نہ تھا۔ جس کے لیے یہ کتاب لکھنا اور بھی ضروری تھا۔ خیر انہوں نے جن افکار کا کتاب میں اظہار کیا ہے وہ تو عصر حاضر میں بالخصوص برصغیر میں جہاد کے لیے ٹھوس فکری بنیادیں فراہم کرتی ہی ہیں۔ ان کے وہ قائل بھی تھے اور اوروں کو بھی اسی طرف دعوت دیتے تھے۔ لیکن کسی کام کو کرنے کی بنیادیں اور اس کام کو کرنے کا داعیہ اور محرک الگ الگ چیزیں ہیں۔ اس محرک اور داعیہ کو میں جذبۂ جہاد کہہ رہا ہوں۔ بنیادیں تو انھوں نے بیان کر دیں لیکن جذبہ کیا تھا؟

میرے خیال میں ان کو ہجرت اور جہاد پر ابھارنے والا جذبہ باقی مجاہدین سے قدرے مختلف تھا۔ انہیں احادیث آخر الزمان پر قوی ایمان تھا اور انہوں نے اپنا ہدف امام مہدی علیہ السلام کی لشکر میں شمولیت قرار دیا تھا۔ مسلمانوں کو جہاد پر ابھارنے والے کئی عوامل ہوتے ہیں۔ میرے مشاہدے کے مطابق ان میں سرفہرست مسلمانوں پر ہونے والے مظالم ہیں، پھر اسلامی شریعت اور خلافت کے تحت زندگی گزارنے کی تمنا، پھر عقیدۂ توحید اور اس کے مقابلے میں شرک فی الحاکمیت، اور ایک یہ عقیدہ کہ آخر میں ہمیں امام مہدی کے لشکر سے جا ملنا ہے۔ عوامل تو اور بھی ہیں۔ اور اکثر ایک سے

زیادہ عنصر کار فرما ہوتا ہے۔ لیکن آپ خود سوچیں کہ ایک شخص جہاد کے لیے اس لیے نکلتا ہے کہ ظلم ہو رہا ہے۔ اور ایک اس لیے کہ اس کا عقیدہ ہے کہ اللہ کی توحید کا حق اس کے بغیر ادا نہیں کیا جا سکتا۔ خود سوچیں کہ ان میں سے جہاد پر کون زیادہ پختہ ہو گا۔ پھر ایک کا ان دونوں سمیت یہ بھی عقیدہ ہے کہ ہم رفتہ رفتہ آخری زمانے کی سمت جا رہے ہیں اور ہماری کامیابی اسی میں ہے کہ ہم امام مہدی علیہ السلام کے لشکر سے جا ملیں، سبحان اللہ! ایسے شخص کو بدلتے حالات اور وقتی معاملات جہاد سے نہیں روک سکتے۔ اس عقیدہ کا اثر ہم ان کی زندگی میں بھی محسوس کرتے ہیں، جیسا کہ آگے واضح ہوتا جائے گا۔

علم کا سمندر

ابو خالد بھائی کے ساتھ کام کرنے سے مجھے ان کے وسیع مطالعہ کا اندازہ ہوا۔ انہیں کتب بینی سے اور خاص کر تاریخی کتب سے نہایت دلچسپی تھی۔ بتاتے ہیں کہ جوانی سے ان کے کمرے میں کتابیں بکھری پڑی ہوتی تھی۔ کہیں وہ اسلامی تاریخ کی کتاب پڑھتے پڑھتے رکتے تو وہیں کھلی چھوڑ جاتے۔ مطالعہ کے دوران کسی اور کتاب کی ضرورت پیش آتی تو وہ کھول لی اور پھر اس میں غرق ہو گئے۔ وہاں سے کسی تیسری کی طرف۔ گویا صرف مطالعہ نہ ہوتا تھا، بلکہ سوچ بھی تھی اور تحقیق بھی۔ مطالعے کا یہ طریقہ نہ عام افراد کا ہے اور نہ ابو خالد عام فرد تھے۔

ان پانچ مہینوں میں میری بس ہو گئی، لیکن وہ اپنے مقصد میں لگے رہے۔ اور بالآخر وہ اس شعبے کے تحت تیار ہونے والی تین نشر شدہ کتب کے علاوہ بے شمار جائزے، تجزیے اور مقالے چھوڑ گئے جن کا امنیاتی اسباب کے بنا پر یہاں ذکر کرنا ممکن نہیں۔ البتہ ان کی دوسری کتاب ڈرون کے بارے میں تھی جس کا ذکر اوپر گزرا اور تیسری کتاب 'نصاب حرب' کے نام سے ہے جو کہ مجاہدین کی عسکری تربیت کے لیے ایک بنیاد فراہم کرتی ہے۔

اگر میں کہوں تو غلط نہ ہو گا کہ وہ عالَمِ جہاد کے ایک مایہ ناز مفکر تھے۔ دیگر جہادی مفکرین سے وہ کئی اعتبار سے ممتاز بھی تھے۔ اکثر مجاہدین کی گرفت یا تو شرعی امور پر ہوتی ہے یا محض تکنیکی نوعیت کے عسکری علوم پر۔ لیکن انھیں ان دونوں کے ساتھ تاریخ پر بھی مضبوط گرفت حاصل تھی۔ اور پھر محض تاریخِ اسلام نہیں بلکہ تاریخِ عالم جس میں یہود و نصاریٰ کے پرانے اور جدید دونوں ادوار شامل ہیں۔ اور تاریخ کے ان دھاروں میں تاریخِ برصغیر پر خصوصی ترکیز تھی۔ پھر فقط یہ نہیں بلکہ تاریخ کو جہادی اور عسکری نقطۂ نظر سے دیکھنے کا انہیں خاص کمال حاصل تھا۔ پھر فنِ حرب اور

عسکریت کے اسلامی اور قبل از اسلام نظریات سے ہی واقف نہ تھے بلکہ جدید مغربی عسکری نظریات پر بھی عبور تھا جس سے ہمیں آج کل واسطہ ہے۔ گویا تخصص در تخصص، یا 'الٹرا اسپیشلائزیشن'۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دفعہ کسی غزوہ کی بات ہو رہی تھی تو انھوں نے فٹ سے اس کی پوری تفصیلات سامنے رکھ دیں اور حوالے بھی دیے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض اہلِ علم کی بھی موضوعِ جہاد پر اتنی اچھی گرفت نہ ہو۔ ان کے کتب خانے میں جدید فنِ عسکریت سے متعلق کتب کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، بلکہ نئی سے نئی بھی منگواتے رہتے۔

ایسا نایاب گوہر مجاہدین کو دوبارہ مشکل سے ہی ملے گا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

ان کی گزشتہ زندگی

میں انہیں بچپن سے نہیں جانتا۔ لیکن جتنا انھوں نے مجھے اپنے بارے میں بتایا ہے وہ بتا سکتا ہوں۔ ان کے والد خان توقیر خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ایک دینی جماعت سے تھا۔ اور وہ اپنے قصبے میں معزز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے مطابق ان کے والد انتہائی مہمان نواز تھے۔ اور یہی صفت خود ابو خالد بھائی کے ہاں بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔ تمام ساتھیوں کو معلوم ہے کہ ان کا گھر 24 گھنٹے انصار اور مجاہدین کے لیے کھلا رہتا۔ لوگ ان کی طرف صرف ڈاکٹر ہونے کے ناطے رجوع نہ کرتے تھے بلکہ ہر قسم کے جہادی، سیاسی اور معاشرتی مسائل کے لیے بھی۔ اس کام کو ان کی مہمان نوازی نے مزید آسان بنا دیا تھا۔ کہتے تھے کہ میں ابھی پڑھنے کے لیے بیٹھتا ہی ہوں یا سونے کے لیے لیٹتا ہی ہوں کہ دروازے پر دستک ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں دروازے پر آنے والے کو ٹھکراتا نہیں ہوں۔ اور کہتے تھے کہ یہ صفت میں نے اپنے والد صاحب سے لی ہے۔ مجھے تو حیرت ہوتی تھی کہ اتنی زیادہ مہمان داری کے ساتھ وہ اپنا گھر کیسے چلاتے تھے۔ یقیناً اس میں ان کے گھر والوں کا بھی پورا کردار ہے۔ اللہ ان کے خاندان کو پورا پورا اجر دے۔

ذکر کرتے تھے کہ ان کے والد صاحب انہیں اپنے ساتھ بڑوں کی مجلسوں میں لے جایا کرتے تھے۔ جس سے انہیں ادب آداب، گفتگو کے طریقے اور معاشرتی مسائل سمجھنے کا خوب موقع ملا۔ کھیل کود کے علاوہ زیادہ تر ان کا وقت مطالعے میں گزرتا تھا۔ پھر میڈیکل کالج میں داخلے سے ان کی بھرپور سیاسی اور اجتماعی زندگی شروع ہوئی۔ اور جیسا وہ کالج تھا اور جیسے اس زمانے میں طلبہ کی سیاست تھی، اس نے ان کی شخصیت سازی میں... ان کے بقول... بڑا کردار ادا کیا۔ لوگوں سے تعامل، معاملات کو سمجھنا اور سلجھانا، مشکل حالات میں بھی اپنے آپ اور ساتھیوں کو لے کر چلنا، معاشرے کی برائیوں کو بخوبی جاننا اور ان سے بچنا، یہ سب کچھ ان کی زندگی کا حصہ تھا۔ اپنی شخصیت کو بیان کرتے ہوئے کہتے تھے کہ میں دفتر اور

گھر کا نہیں بلکہ 'تھڑے' کا آدمی ہوں۔ اسی اجتماعی زندگی کے تجربے کی وجہ سے انھوں نے قبائل میں بھی اپنا مقام پیدا کیا۔ دوسرے تو چھوڑیے، خود قبائلی اپنے باہمی تنازعات کے حل کے لیے ان کی طرف رجوع کرتے۔ اور وہ ان سب معاملات کو انتہائی حکیمانہ انداز میں حل کرتے۔

میڈیکل کالج سے فراغت کے بعد انھوں نے کئی ہسپتالوں میں کام کیا۔ جراحی میں مہارت حاصل کی۔ اور پھر عام سرجن سے بڑھ کر انہوں نے 200 بستروں پر مشتمل ایک بڑے ہسپتال کی ذمہ داری سنبھالی۔ جس سے ان کی ادارتی صلاحیت معلوم ہوتی ہے جو بعد میں جہاد میں بھی کام آئی۔

عسکریت اور سابقہ جہادی کردار

ڈاکٹر ابو خالد نے اپنی جوانی میں روس کے خلاف جہاد میں عملاً شرکت کی تھی۔ یہاں تک کہ انھیں مختلف اسلحہ چلانے کی اچھی خاصی مہارت حاصل ہو گئی تھی۔ کہتے تھے کہ وہ 'ہاون'، جسے انگریزی میں 'مارٹر' کہا جاتا ہے، بغیر عسکری زاویے[3] یا دوربین کی مدد کے صحیح ہدف پر مار سکتے ہیں۔ جبکہ مجاہدین کی بنیادی عسکری تدریب میں، جسے 'تاسیسی دورہ' کہتے ہیں، ہاون پر ہی جا کر اکثر ساتھیوں کی سوئی اٹک جاتی ہے۔ اس عملی تجربہ سے بڑھ کر ان کی عسکری نظریات اور جنگی فنون پر بھی اچھی خاصی گرفت تھی۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ انھوں نے عسکری کتب کو چھان ڈالا تھا۔ انھیں رسولِ اکرم ﷺ کے غزوات اور سرایا کی تاریخ اور ان میں جنگی حکمتِ عملی از بر تھی۔ اسی طرح صلیبی حملوں کے تاریخی مطالعے سے نہ صرف اسلامی بلکہ مغربی فوجوں کی حکمتِ عملی کا بھی علم تھا۔ پھر قدیم نہیں بلکہ جدید افواج کی تشکیل اور مختلف مغربی جنگی نظریات پر بھی دسترس تھی۔ ان کی کتاب 'عصرِ حاضر میں جہاد کی فکری بنیادوں' پر نظر ڈالنے سے قارئین خود اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یہی وجہ بنی کہ انھوں نے ساتھیوں کی تربیت کے لیے 'نصابِ حرب' نامی کتاب لکھی جس کے متعدد دورے کروائے جاتے رہے ہیں۔ اور نہ صرف اپنی تنظیم کے بلکہ دیگر مجموعات کے امراء اور عسکری ذمہ داران ان سے مشورے لیا کرتے تھے۔

---

[3] ایک آلہ جسے اسلحہ پر رکھ کر اس کی سمت وزاویہ درست کیا جاتا ہے۔

نصرتِ مجاہدین

روس کے خلاف جہاد اور امارتِ اسلامیہ کے سقوط کے وقت طبی نظام قائم کرنے کے علاوہ انھوں نے ان مشکل حالات میں عرب مجاہدین کو پناہ دے کر نصرت کا حق بھی ادا کیا۔ اور اس وجہ سے انھیں اور ان کے خاندان کو حکومت اور فوج کی طرف سے مشکلات اٹھانی پڑیں۔ کیونکہ ان کے ہاں مسلمان اور مجاہدین کی مدد ناقابل معافی جرم ہے۔

اس لحاظ سے انہوں نے جہاد، نصرت اور ہجرت سب کا اجر و ثواب سمیٹا۔ اللہ تعالی ان کے درجات بلند کرے، آمین۔

'جہادی طب'

جنگ اور طب کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور وجہ یہ ہے کہ جنگوں میں زخمی ہونے کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے۔ اسلامی جنگوں میں تیمار دار لشکر میں موجود ہوتے تھے۔ یہی ضرورت آگے بڑھتے بڑھتے باقاعدہ ایک فن میں تبدیل ہوگئی جسے 'ملٹری میڈیسن' کہتے ہیں۔ انسانی دنیاوی ترقی ہر دور میں ہوتی رہی اور یہ ایسا عمل ہے جسے انسان بربنائے فطرت انجام دیتا ہے۔ اللہ نے انسان کے اندر اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے تگ و دو کرنے کی خاصیت ودیعت کی ہوئی ہے۔ اور اسلام اس فطری تقاضے کو روکتا نہیں۔ البتہ اسے خدا کے شرعی قوانین کے مطابق بڑھاتا ہے جس نے انسان کی تخلیق کے وقت اس کے لیے فطری قوانین وضع کیے۔

انقلابِ فرانس کے بعد دنیاوی ترقی واقعی تیز ہوئی ہے۔ جس کی وجہ انسان پرستی 'ہیومنزم' ہے، وہ بھی ظاہری انسان پرستی جس کا باطن سے کوئی تعلق نہیں۔ گویا انسان نے اپنی جسمانی ضروریات کی پوجا شروع کر دی۔ وہ جو سوچ اعلیٰ تر ہے، اور جن جذبات اور خواہشات کی تسکین چاہتا ہے وہ اس کا حق ہے۔ وہ مکمل آزاد ہے۔ خدا کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔ والعیاذ باللہ۔ ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ دنیاوی ترقی میں تیزی ہی ہونا تھا۔ لیکن اس کے مقابلے میں یہ بھی بالکل عیاں ہے کہ دنیا اتنی ہی تیزی سے روحانی تنزلی میں مبتلا ہوئی ہے۔

اس سے پہلے ادوار میں جب تک دینِ اسلام اپنی اصل صورت میں حاکم رہا، اس نے دونوں جانب جتنی توجہ دینی چاہیے تھی، اتنی دی۔ اور یہی مطلوب اور خالق کا منشا تھا۔ اس ترقی کا کیا فائدہ جس میں انسان خلا کی سیاحت کرنے کے قابل ہو جائے، لیکن جب 'نیویارک' میں بجلی تھوڑی دیر کے لیے کٹ جائے تو ڈکیتی، زنا اور قتل و غارت کے جرائم میں

انتہائی اضافہ ہو۔ کیا یہ بہتر ہے، یا کہ سادہ زندگی جس میں انسان جانوروں پر سواری کرتا ہو لیکن جب نماز کے لیے دکان کھلی چھوڑ جائے تب بھی کسی کو چوری کی ہمت نہ ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام گاڑی کی ایجاد کا مخالف ہے۔ لیکن گاڑی کی ایجاد کے ساتھ ساتھ اگر اخلاقی تنزلی ہوتی ہے تو ایسی ایجاد کا کیا فائدہ۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کسی بستی میں کوئی بھی طبیب نہ ہو تو ان کے بڑوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں میں سے کسی کو طب کی تعلیم کے لیے مقرر کر دیں۔ لیکن اگر کسی بستی میں نہ طبیب ہو اور نہ عالم۔ اور ایک ہی لڑکا اتنا قابل ہے کہ یا عالم بنے یا طبیب۔ تو عالم بنانا واجب ہے۔ کیونکہ طبیب نہ ہو تو مسلمانوں کو دنیاوی نقصان ہو گا، لیکن عالم نہ ہو تو دین و دنیا دونوں کا نقصان ہے۔ اور آخرت کا خسارہ دنیا کے خسارے سے زیادہ بڑا ہے۔

بہر حال ابو خالد تو اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ ضرورت کے مطابق دنیاوی ترقی مطلوب ہی نہیں بلکہ بسا اوقات لازمی اور فرض ہو جاتی ہے۔ جب لڑنا فرض ہے لیکن اسلحہ چلانا نہ آتا ہو تو اسلحہ سیکھنا واجب ہو جاتا ہے۔ اور جب لڑنا ہے اور زخمی ہونے کا اندیشہ ہے تو علاج معالجے کا بندوبست کرنا بھی واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہاں بھی ذمہ داری انسانی استطاعت سے مربوط ہے۔ میری دانست میں ابو خالد بھائی نے ایک اسلامی فن کا احیا کیا۔ اور وہ ہے 'جہادی طب'۔

انتظامِ امور کی اہمیت

پس ابو خالد بھائی نے امارتِ اسلامیہ کے سقوط کے وقت اپنے ساتھیوں کی مدد سے افغانستان کے دو تین علاقوں میں جنگی ہسپتال قائم کیے۔ ظاہر ہے جو شخص 200 بستروں پر مشتمل ہسپتال چلا سکتا ہے، اس کے لیے چھوٹے پیمانے پر ہسپتال چلانے میں کیا دقت پیش آنی تھی۔ لیکن وہ کہتے تھے کہ ہر کام کے لیے ایک خاص ترتیب ضروری ہوتی ہے جس کے بغیر کام نہیں ہو سکتا۔ یاد پڑتا ہے کہ انھوں نے ایک مجاہد سپیشلسٹ ڈاکٹر کے بارے میں بتایا کہ سقوط کے وقت وہ بھی اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لیے نکلے۔ ڈاکٹر ابو خالد نے انھیں مشورہ دیا کہ وہ سامان کو ترتیب دے کر جائیں لیکن انھوں نے ان کی نہ سنی، پورا ٹرک بھر کر چل دیے۔ جب وہ واپس آئے تو ڈاکٹر ابو خالد کو کہا کہ واقعی مجھے تیاری کی ضرورت تھی کیونکہ جب ایمرجنسی پڑی تو ایک 'کینولا'[4] ڈھونڈنے کے لیے مجھے ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا۔

---

[4] پلاسٹک کی نالی جو خون کی رگ میں ڈالی جاتی ہے۔

طبی شعبہ

2009ء میں پاکستانی فوج نے جنوبی وزیرستان کے علاقے محسود میں فوجی آپریشن کا اعلان کیا۔ ایسے میں پڑھنے لکھنے کا کام مشکل سے ہی ہونا تھا اور میدانِ جہاد میں ڈاکٹر تو ویسے ہی نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ ہر ڈاکٹر کو خدمتِ انسانیت کا سبق پڑھایا جاتا ہے، لیکن اکثر اپنے کیریئر کے لیے لگ جاتے ہیں۔ اور کیریئر کا دوسرا نام اپنی ذاتی دنیا ہے۔ یہ ہیں مغربی نظام تعلیم کے نتائج۔ جب فرضِ جہاد یاد آتا ہے اس وقت تک اتنی دنیاداری رچ بس گئی ہوتی ہے کہ اللہ کی پکار پر لبیک کہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ سے فرسٹ ایئر کے کسی عرب میڈیکل سٹوڈنٹ نے پوچھا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں ڈاکٹر بن کر میدانِ جہاد میں خدمت کروں۔ تو شیخ نے کہا: میں نے قرآن میں مریض، اندھے اور لنگڑے کے لیے تو چھوٹ پڑھی ہے۔ لیکن یہ نہیں پڑھا کہ لیس علی طالب العلم حرج یعنی طالبِ علم اگر جہاد نہ کرے تو حرج نہیں۔ پانچ سال کی مغربی تعلیم کے بعد کسے یاد رہتا ہے کہ اس نے کب اپنے رب سے کونسا وعدہ کیا تھا۔ پہلے پانچ سال پڑھائی کا انتظار ہوتا ہے، پھر جاب کا، پھر کئی سال سپیشلائزیشن کا، پھر شادی، پھر بچے، اور آخر میں قبر۔

بات ہو رہی تھی قبیلہ محسود کے مسلمانوں کے خلاف فوج کے آپریشن کی اور اس وقت ڈاکٹروں کی ضرورت کی۔ لہٰذا قیادت نے فیصلہ کیا کہ ان مشکل حالات میں مجاہدین و انصار کے لیے کوئی طبی نظام تشکیل دیا جائے۔ طبی نظام کا سوچ ہی رہے تھے کہ ہمارے ایک ساتھی 'لقمان' رحمۃ اللہ علیہ ...جو کہ کافی سالوں بعد ۲۰۱۵ء میں شہید ہوئے... کے زخم نے بلا تاخیر عمل پر مجبور کر دیا۔ لقمان بھائی محسود کے علاقے 'خیسورہ' میں مشہور محسودی مجاہد 'ڈاکٹر نصر اللہ' رحمۃ اللہ علیہ کے گھر کے قریب فوج سے ایک جھڑپ کے دوران زخمی ہوئے۔ لقمان بھائی کے کندھے پر ایک گولی گوشت چیرتی ہوئی گزری۔ شکر تھا کہ ہڈی بچ گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے مرکز آتے ہی کچے کمرے میں زخمی ساتھی کو چٹائی پر لٹا دیا اور سامان تیار کیا۔ میں نے کہا: 'ڈاکٹر صاحب ماحول مناسب نہیں ہے۔ صفائی کا خیال کرنا ضروری ہے'۔ وہ مسکرائے اور کہنے لگے: 'رہنے دو'۔ اور زخم کو سی دیا۔ میں ہکا بکا رہ گیا کہ بھلا ایسے بھی ہو سکتا ہے۔ وجہ یہ تھی کہ میں جنگی ماحول میں طبی امداد سے ناواقف تھا۔ جبکہ وہ تو سقوطِ امارتِ اسلامی کے وقت جنگی ہسپتال چلا چکے تھے۔

اتقان بمقابلہ امکان

مسئلہ پھر اتقان اور امکان کا آجاتا ہے۔ اتقان یعنی پرفیکشن (perfection) مطلوب ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی حدیث ہے:

إن الله يحب إذا عمل أحدكم عملاً أن يتقنه (الطبراني)۔　’اللہ کو پسند ہے کہ تم میں سے جب کوئی کام کرے تو کمال اور مہارت سے انجام دے‘۔

لیکن کم وقت اور وسائل یا ہنگامی صورتِ حال میں کسی کام کو انجام دینے کی الگ ہی مہارت درکار ہوتی ہے۔ جس سے ہر کوئی واقف نہیں ہوتا۔ اتقان تو مطلوب ہے لیکن اتنا جتنا امکان ہو۔ اپنی استطاعت سے اوپر تو کوئی بھی مکلف نہیں۔ اور پوری استطاعت نہ ہونے کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ کچھ بھی نہ ہو۔ اللہ تعالی نے قرآن میں مؤمنین کو فرمایا: اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسے اس کا حق ہے۔ (آل عمران 102)۔ تو حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم مشکل میں پڑ گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! ہم اللہ سے ڈرنے کا حق کیسے ادا کرسکتے ہیں۔ تو اللہ نے فرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ۔　جہاں تک ہوسکے اللہ کا تقوی اختیار کرو۔ (التغابن: 16)

ہاں اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ کوشش ہی نہ کی جائے، اور الل ٹپ اور بے ہنگم کام ہو۔ اور توکل کے عقیدے کو اپنی بے ہمتی اور کام چوری کے لیے استعمال کیا جائے۔ بھائیو! جہاد ایک عملی میدان ہے، ایک زندگی ہے، جس سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ اور چونکہ اس میں ہر لحظہ ایک نئی تحدّی (چیلنج) کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لیے عام زندگی سے زیادہ سیکھنے کو ملتا ہے۔

کہنا یہ تھا کہ ہر بھائی اہلِ تجربہ اور بڑوں سے سیکھے کہ اتقان اور امکان میں توازن کیسے قائم کیا جاتا ہے اور توکل اور ترکِ اسباب میں فرق جانے۔

منافقانہ سیاست

قصہ چل رہا تھا طب کا۔ رفتہ رفتہ مقامی محسود مجاہدین کے تعاون سے ہمیں ہسپتال بنانے کے لیے ایک سکول کی عمارت ملی۔ ہم نے وہاں حسبِ استطاعت طبی سامان جمع کر دیا۔ علاقے میں قائم 'گھوسٹ'[5] سکولوں کی طرح 'گھوسٹ'

[5] Ghost School

بی ایچ یو(بیسک ہیلتھ یونٹ)اور آر ایچ سی(رورل ہیلتھ سنٹر) سے جتنے بھی اوزار مل سکے وہ جمع کر لیے۔ حکومتِ پاکستان ویسے ہی 'گھوسٹ' جن بھوت کے سکول کھولنے میں اپنی شہرت رکھتی ہے۔ لیکن قبائل کا معاملہ ایک درجہ آگے ہے۔ یہاں تو 'پولیٹیکل ایجنٹ' ایسے سکول اور صحتِ عامہ کے ادارے اپنی سیاست کی خاطر منظور کرتا ہے۔ اس طرح عمارت بھی قائم ہو جاتی ہے، جو کہ اکثر تعمیر کے مقاصد کے بجائے گھروں کی بیٹھک وغیرہ کے طور پہ استعمال ہوتی ہے، اور تنخواہیں بھی مقرر ہو جاتی ہیں۔ اور سب کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد کیا تھا۔ اس طرح حکومتِ پاکستان اور فوج اپنے مقاصد کے لیے قبائل کو بہکاتی ہے اور مال و دولت کی خاطر وفاداریاں خریدنے کی کوشش کرتی ہے۔

فطری حکومت بمقابلہ جمہوری حکومت

اس کے مقابلے میں مجاہدین کی بالادستی کے بعد سے قبائل کی زندگی شہری زندگی سے مجموعی طور پہ بہتر ہوئی۔ ہاں، اگر پیمانہ شرعی ہو نہ کہ محض دنیاوی۔ سب سے بڑی چیز جس کا خود قبائلی اعتراف کرتے تھے کہ مجاہدین نے امن قائم کیا۔ جبکہ اس سے پہلے قبائلی دشمنیوں کی وجہ سے بازاروں تک جانا بھی مشکل تھا۔ آخر حکومتِ پاکستان 60 سال میں یہ امن کیوں نہیں قائم کر سکی۔ نیز قبائل کا جرگہ سسٹم (بعض خامیوں کے باوجود) تنازعات حل کرنے کا فوری اور مؤثر طریقہ ہے، جب کہ ہمارے ہاں مقننہ اور عدلیہ کا نظام انتہائی سست اور غیر فعال بلکہ فساد کا شکار ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ قبائلیوں کو یہ احساس نہ ہو کہ انھوں نے افغانستان و پاکستان کی طرف سے آنے والے مجاہدین اور مہاجرین کی نصرت کر کے امتِ مسلمہ پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ حکومت سیاسی طریقوں سے قبائل کو مجاہدین کے خلاف لشکر کشی کرنے میں ناکام رہی۔ کیونکہ یہاں کے عوام کے لیے مجاہدین اور مہاجرین 'اپنے' جبکہ فوج 'اجنبی' رہی ہے۔ صرف بزورِ قوت ہی فوج قبائل سے مجاہدین کو نکالنے میں کامیاب ہوئی۔ اس میں بھی اسے طویل وقت اور متعدد آپریشن کرنے پڑنے۔ اور پھر بھی بھاری جانی ومالی نقصان اٹھایا۔ اگر رائے عامہ کی آزادی دی جائے، جس کی ہماری مغرب پرست حکومتیں علمبردار بنتی ہیں، تو عوام کی اکثریت کی رائے یہ ہوتی کہ ہمیں 'فوج' نہیں 'مجاہدین' پسند ہیں کیونکہ مجاہدین فوج کے مقابلے میں اسلام کے علمبردار ہیں۔ قبائل اور مجاہدین دونوں کے نزدیک معیار حق و باطل ایک ہے، دونوں کی منزل شریعت کی بالادستی ہے۔ جیسے قبائل ویسے مجاہدین۔ جبکہ حکومت اور فوج غیر فطری جمہوری نظام بزور وزبردستی مسلط کرنا چاہتی ہے۔

پہلا بڑا طبی آپریشن

بہر حال جن بھوت کے ایسے ہی ایک سکول میں ہم نے دستیاب طبی سامان سے ایک نہایت سادہ سا کمرۂ جراحت (آپریشن تھیٹر) بنایا۔ ڈیزل جنریٹر منگوا کر ٹینکی میں پانی بھرا اور شمسی (سولر پینل) سے چارج شدہ بیٹری لے کر بجلی کا انتظام کیا۔ وہاں پہلا زخمی ایک مقامی محسودی مجاہد 'شیر علی' آیا جس کے پیٹ کو ناپاک فوج کی ایک گولی آر پار کرتے ہوئے نکلی۔ جب میں طبی اوزار و وسائل اور بجلی اور پانی کے نظام کو دیکھتا تو مجھے آپریشن کرنے میں ہچکچاہٹ ہوتی۔ اوپر سے بیٹری کا چارج عین وقت پر ختم ہو گیا۔ جبکہ بے ہوشی کے ٹیکے 'کیٹامین' (Ketamine) کی مقدار نہایت محدود تھی۔ جراثیم کشی کا انتظام واجبی سا تھا۔ زخمی کے لواحقین میرے پاس آتے تو میں انھیں زخمی کو کہیں اور منتقل کرنے کا کہتا، ابو خالد بھائی کے پاس جاتے تو وہ انہیں تسلی دیتے۔ جب ابو خالد بھائی کو معلوم ہوا کہ میں اس معاملے میں کچھ گڑبڑ کر رہا ہوں تو انھوں نے کہا کہ 'اس مریض کی ذمہ داری مجھ پر ہے، آپ فکر نہ کریں۔ اور ویسے بھی ہمارے سامنے دو صورتیں ہیں؛ یا اسے کسی دوسری قبائلی ایجنسی کے ہسپتال پہنچایا جائے جہاں تک پہنچتے پہنچتے اس کے بچنے کا امکان انتہائی کم ہے، اور یا ہم یہاں اللہ پر توکل کرتے ہوئے اس کا آپریشن کریں۔ انتڑیوں کو جو نقصان پہنچنا تھا وہ تو پہلے ہی پہنچ چکا ہے'۔

نزدیک ترین ہسپتال جنوبی وزیرستان کے صدر مقام 'وانہ' میں تھا، جہاں فوج نے محسود قوم کا داخلہ از حد مشکل کر دیا تھا۔ رہا شمالی وزیرستان کا صدر مقام 'میرانشاہ' تو وہ کافی دور تھا اور فوجی آپریشن کے سبب وہاں کے حالات پر بھی بھروسہ نہ تھا۔ عین ممکن تھا کہ مریض کو ہسپتال سے ہی گرفتار کر لیا جاتا۔ میں نے کہا کہ 'ٹھیک ہے'، اگرچہ دل میں اب بھی کھٹکا تھا۔ اس وقت تک مجھے نہ یہ علم تھا کہ ڈاکٹر صاحب کتنے اچھے سرجن ہیں اور نہ ہی یہ کہ انھوں نے سقوط کے وقت ڈاکٹر معاذ (ارشد وحید) رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مل کر ہنگامی ہسپتال بھی چلائے ہیں۔

سکول کے صحن میں پردے لٹکا دیے، سکول کی ٹیچر ٹیبل پر بلیک بورڈ رکھ کر آپریشن ٹیبل بنا دی، اوزار کو بڑے پتیلے میں رکھ کر ابال دیا، اور سورج کی روشنی میں اللہ پر توکل کرتے ہوئے آپریشن شروع کیا۔ ایک ساتھی صلاح الدین بھائی (مفتی حافظ محمد عثمان[6]) کو معاونت کے لیے رکھا تھا لیکن خون دیکھتے ہی ان کی طبیعت بگڑ گئی۔ کیٹامین کو نہایت احتیاط سے دینا پڑا، نہ اتنا کم کہ زخمی ہوش میں آئے اور نہ اتنا زیادہ کہ آپریشن کے وقت سے پہلے ہی کیٹامین ختم ہو جائے۔ ایسی

[6] صلاح الدین بھائی کو بعد میں پاکستانی خفیہ ایجنسیوں نے گرفتار کر لیا اور پھر ۲۰۱۶ء میں تشدد کر کے شہید کر دیا۔

صورت میں عضلات کو ڈھیلا کرنے کا بھی کوئی بندوبست نہ تھا جس کی وجہ سے پیٹ کے اندر کام کرتے ہوئے کافی زور لگانا پڑتا تھا۔ بہر حال اللہ اللہ کر کے آخر کار دو تین جگہ سے کٹی انتڑیوں کو سی دیا اور پیٹ کو صاف پانی سے دھو ڈالا۔ البتہ عضلات کو سینے میں دشواری اس لیے پیدا ہوئی کہ وہ گولی کی گرمی سے گل گئے تھے اور سیتے ہوئے ہی کٹے جا رہے تھے۔ بہر حال زخمی اب خطرے کی حالت سے نکل گیا۔ اور اتنا ہو گیا کہ ایک دو دن کیا، ایک ہفتے تک کا سفر کر لے، وللہ الحمد۔

اس آپریشن نے میرے ذہن میں ماضی کا تصور اجاگر کیا جب ابتدائی قسم کے وسائل استعمال کرتے ہوئے ہی آپریشن ہوا کرتے تھے، اور کامیاب بھی رہتے تھے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ جراثیم سے بچنے کی اگرچہ ضرورت ہوتی ہے لیکن جراثیم سے آلودہ ہونے کی شرح اور خطرہ اتنا نہیں ہوتا جتنا مغرب نے پھیلا رکھا ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ میدانِ جنگ میں اسی طرح ہو سکتا ہے۔ 'ریڈ کراس' کی ہنگامی ہسپتال کے بارے میں لکھی جانے والے کتاب میں بھی اسی قسم کے تجربات درج تھے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ معلوم ہوا کہ اللہ پر توکل کرنے سے اللہ کی برکت شاملِ حال رہتی ہے۔ اور یہ تمام باتیں ڈاکٹر ابو خالد کے لیے پہلے سے ہی واضح تھیں۔

ماضی قریب اور آج کا جہاد

'شیر علی' کے کامیاب آپریشن سے مقامی مجاہدین کا ابو خالد بھائی پر اعتماد بڑھ گیا۔ ابو خالد بھائی نے بہتر وسائل سے ہسپتال قائم کرنے کی تجویز دی۔ اس وقت کرم ایجنسی میں اہلِ سنت کے صدر مقام 'صدا' میں روس کے زمانے سے کسی اسلامی فلاحی تنظیم کے تحت ایک ہسپتال قائم تھا، جسے فوج کے آپریشن کے خطرے کے سبب ہسپتال والے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ مجاہدین نے یہ فیصلہ کیا کہ وہاں موجود طبی آلات کا ایک حصہ محسود منتقل کیا جائے جہاں جنگ جاری ہے۔ وہاں پہنچے تو یہ خیال آتا رہا کہ یہاں امتِ مسلمہ کے کتنے مجاہدین و مہاجرین کی مرہم پٹی ہوئی ہو گی اور کیسے امتِ مسلمہ نے روسی جہاد کے دوران اتحاد کا ثبوت دیا، اور اب ہم کن حالات میں جہاد کر رہے ہیں۔ اگرچہ اس وقت بھی جہاد کے آغاز پر ہی ہسپتال قائم نہ ہوئے ہوں گے۔ لیکن بالآخر روس کے خلاف افغان مجاہدین نے اپنے آپ کو دنیا کے سامنے منوایا اور ہر طرف سے مدد پہنچنا شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ امریکہ کو بھی روس دشمنی میں اور اپنے باطل سرمایہ دارانہ نظریات کی بقا کے لیے مجاہدین کی ضرورت پڑی۔ اور پاکستانی حکومت اور فوج کو امریکہ کی چاپلوسی میں مجاہدین کی مدد کرنی پڑی۔ اللہ تعالیٰ کسی بھی عمل پر اجر تب ہی دیتا ہے جب نیت اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہو۔ جس نے بھی جہاد اللہ تعالیٰ کی خاطر، اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نظام کی بالادستی کی خاطر، مسلمانوں پر سے ظلم و ستم کو ختم کرنے کی خاطر کیا تو ان شاء اللہ عند اللہ وہ

مقبول ہو گا۔ اور جس نے اپنے مفادات اور امریکہ کی خوشنودی کے لیے کیا تو اس کو آخرت میں بھی کوئی اجر نہیں ملے گا اور دنیا میں بھی بالآخر وہ رسوا ہو گا۔

تاہم اب کا جہاد بہت مختلف ہے۔ جہادِ روس کے وقت امریکہ کو بھی یہ علم نہ ہو گا کہ جہاد مسلمانوں کی عزت کا کیسا راستہ ہے۔ ورنہ جہاد کو اس وقت سے ہی روکنے کی کوشش کرتا، اور پھر کی بھی لیکن یہ اس کے بس کی بات نہ تھی۔ جب اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے فرما دیا:

الجهاد ماض منذ بعثني الله إلى أن يقاتل آخر أمتي الدجال، لا يبطله جور جائر، ولا عدل عادل۔

’جہاد میری بعثت سے لے کر اس وقت تک جاری رہے گا جب میری امت کا آخری گروہ دجال سے لڑے گا، اسے نہ کسی ظالم کا ظلم روک سکے گا نہ کسی منصف کا انصاف‘ (سنن سعید بن منصور)۔

پھر امریکہ نے یہ گمان کیا کہ روکنے کے بجائے اسے کنٹرول کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن اس کے مقابلے میں اخلاص سے جہاد کرنے والوں کے ذہن میں اس وقت بھی اندلس اور قدس کو آزاد کرنے تک جہاد جاری رکھنے کا ارادہ تھا، جیسا کہ اس وقت کے مجاہدین کے امام شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ نے واضح اور واشگاف انداز میں بیان کیا۔

مجاہدینِ اسلام کی پالیسی یہ تھی کہ وہ عالمی قوتوں کی لڑائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام اور قیامِ خلافت کے لیے کام کرتے رہیں۔ اور ہوا بھی یوں کہ کافی مد و جزر کے بعد امتِ مسلمہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی جب کہ مغرب کی سرپرستی سے آزاد تحریکِ اسلامی طالبان افغانستان تشکیل پائی اور بالآخر امارتِ اسلامیہ کا قیام ہوا۔

تب مغرب کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اسی غلطی کو مٹانے کے لیے اس نے امارتِ اسلامیہ کے خاتمے کی ٹھانی۔ لیکن یہاں پھر ایک بار ان سے غلطی ہوئی کہ امارتِ اسلامیہ کو ڈھانے کے لیے انھوں نے مسلم ممالک کی حکومتوں کو استعمال کیا، جس سے ان حکومتوں کا مکروہ چہرہ کھل کر عوام کے سامنے آیا۔ جب تک جہاد کافر مغربی قوتوں کے مفاد میں تھا تو خود یہاں کا ’جرنیل‘ سب سے بڑا مجاہد بنا پھرتا تھا، اور جیسے ہی مغرب نے امارتِ اسلامیہ اور مجاہدین کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تو اب کی دفعہ یہاں کا ’جرنیل‘ سب سے بڑا اسیکولر بن گیا اور مسلمانوں کے خلاف مغرب کی وہ مدد کی جو کہ اس کا پیش رو روس کے خلاف مسلمانوں کی نہ کر سکا۔ اور بظاہر اگرچہ امارت کا سقوط ہوا، لیکن امت میں جہاد کا پھر سے احیاء ہوا۔

انسانی حقوق کس کے لیے؟

عجیب وقت آن پڑا ہے امتِ مسلمہ پر۔ کہنے کو پاکستان کی اپنی ہی سر زمین پر اپنی ہی فوج اپنے ہی عوام کے خلاف لڑ رہی ہے، لیکن عوام غفلت یا خوف میں اس قدر مبتلا ہیں کہ انہیں اسلامی بھائی چارہ کیا 'مغربی پیمانوں' پر انسانی حقوق کی بھی کوئی پروا نہیں رہی۔ زخمی چاہے دشمن کا ہو، میدان کے باہر اسے ہر فریق تیمار داری اور علاج معالجے کا حق دیتا ہے۔ صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے تو عین میدانِ جنگ میں اور معرکے کے دوران بھی اپنے مدِ مقابل کی تیمار داری کی۔ لیکن اس دفعہ مغرب کے شیطان نے، جو کہ نام نہاد 'انسانی حقوق' کا علمبردار ہے، اپنے پیروکاروں کو یہ سجھائی کہ ان مسلمانوں کو 'دہشت گرد' قرار دے کر زمرۂ انسانیت سے ہی نکال دو۔ پھر ان کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کرو جیسا کہ گوانتانامو اور ابو غریب جیل میں کیا اور پاکستانی عقوبت خانوں میں بھی روا رکھا جاتا ہے۔ تو کوئی 'انسان' ان کے لیے ٹس سے مس نہیں ہو گا۔ اپنوں نے 'خوارج' کا ٹھپہ لگا کر اسلام سے خارج کر دیا اور اغیار نے 'دہشت گرد' کا ٹھپہ لگا کر انسانیت سے باہر کر دیا۔ اس کے باوجود اس بے سرو سامانی میں اللہ کا شکر ہے کہ مجاہدین نہ صرف ثابت قدم ہیں بلکہ مختلف میدانوں میں فتوحات بھی حاصل کر چکے ہیں۔ وللہ الأمر کلہ۔

'صدا' کے اس ہسپتال کا ایک دوسرا عظیم تر پہلو یہ تھا کہ اس کے عقب میں شیخ عبد اللہ عزام شہید رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور زمانہ 'معسکر صدا' قائم تھا جہاں امتِ مسلمہ کے جوانوں نے جہاد، ایثار اور قربانی کی تربیت حاصل کی۔ جو کہ آج کی جہادی تحریک کا ایک اہم پیش خیمہ تھا۔ ہسپتال کی مختلف عمارتوں میں بھی اس زمانے کا عربی میں جہادی لٹریچر بکھرا پڑا تھا۔ کاش امتِ مسلمہ اپنی 'حقیقی فوج' کی ویسے ہی پشت پناہی کرے جیسا کہ وہ پہلے کرتی آئی ہے۔ اور ان شاء اللہ وہ وقت قریب ہے جب سب پر واضح ہو گا کہ کون اپنا ہے، کون پرایا؟

پہلا ہسپتال

بات ہو رہی تھی ہسپتال کی۔ تو وہاں سے مجاہدین نے ایک دو دن میں سامان اکٹھا کیا اور اسے ایک دو چکروں میں محسود علاقے میں پہنچا دیا۔ اس طرح محسود علاقے کے دو مختلف مقام پر دو ہسپتال قائم کیے گئے۔ رہا دیگر طبی ساز و سامان تو وہ پاک سرزمین پر سے گزرنے والی نیٹو سپلائی کے سامان سے لدے ایک ٹرک سے حاصل ہوا، جسے مجاہدین نے غنیمت کیا تھا۔ مختلف جہادی مجموعات نے اپنی حد تک مالی اور مادی وسائل فراہم کیے۔ اس طرح یہ احساس پیدا ہوا کہ صحیح سوچ ہو،

ارادہ ہو اور علم ہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ برکت ڈالتے ہیں۔ اس واقعے سے مجاہدین کے درمیان قربت پیدا ہوئی اور تعاون کی راہیں نکلیں، اور یہ سب اللہ کے فضل و کرم کے بعد ڈاکٹر ابو خالد کا کمال تھا۔ بندہ اللہ پر توکل کرتے ہوئے کام کا آغاز کرے تو وسائل اور افراد خود پیدا ہوتے ہیں۔ اور میں یہ یقین سے کہہ رہا ہوں کہ ڈاکٹر ابو خالد جب یہ کچھ کر رہے تھے تو انہیں سو فیصد علم اور یقین تھا کہ آگے یہ کام منظم ہو گا اور تعاون کی مزید راہیں نکلیں گی۔ سوچیے! ایک طرف دنیا میں مصروف ڈاکٹروں کا جمِ غفیر اور ایک طرف ایک مجاہد ڈاکٹر۔ کس کا پلہ بھاری رہا؟!

جلد ہی ہماری طبی ٹیم میں ڈاکٹر عاصم خان بھی شامل ہو گئے جو کہ تازہ تازہ ہاؤس جاب سے فارغ ہوئے تھے۔ نیز ایک دو اور ساتھی بھی آتے جاتے رہے جن کا نیچے طب سے واسطہ تھا۔ خود مقامی مجاہدین کی طرف سے بھی ایک دو طبی معاون مدد کے لیے میسر ہوئے۔ اس طرح محسود علاقے سے مجاہدین کے انخلا تک ہسپتال میں کام جاری رہا۔ پاکستانی فوج کے محسود پر قبضے کے بعد یہ خبر نشر کی گئی کہ فوج کو ایک 'روسی ساختہ' ہسپتال ملا ہے! پتہ نہیں ہسپتال میں کونسی چیز روسی تھی؟! لیکن فوج کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ خود تو کھلم کھلا مسلمانوں کے خلاف صلیبی صہیونی عالمی اتحاد میں شامل ہوتے ہیں اور مجاہدینِ اسلام پر، جو ان مغربی طاقتوں کے ساتھ بر سرِ پیکار ہیں، کبھی 'را' کے ایجنٹ کا الزام لگاتے ہیں اور کبھی 'روس' کا ایجنٹ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ اب خود روسی جرنیلوں کو اپنی طرف سے تسلی دینے کے لیے قبائل کے دورے کروا رہے ہیں کہ دیکھیے ہم نے چیچن، تاجک اور ازبک مجاہدین کا صفایا کر دیا۔ اس سچ میں بھی جھوٹ ہے، کیونکہ ضربِ عضب آپریشن میں مجاہدین کا جانی نقصان انتہائی کم ہوا ہے۔ وہ چند کلو میٹر دور سرحد سے اُس پار اب بھی مصروف جہاد ہیں۔

ناممکن کو ممکن بنانا

میں ہی لقمان اور شیر علی کے آپریشن پر متردد تھا، اور اب میں ہی خود طبی نظام کے لیے کوشاں تھا۔ چاہے ہمارے حالات کتنے ہی پسماندہ کیوں نہ ہوں، حقیقت یہ ہے کہ جراثیم کشی کے نت نئے طریقے اور جدید آلاتِ جراحی کی ایجاد کو دو صدیوں سے زیادہ کا عرصہ تو نہیں ہوا جبکہ جراحت تو اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسانیت۔ کیا کبھی قدیم زمانے میں کسی کی ہڈی نہ ٹوٹی ہو گی یا کسی کے پیٹ میں خنجر نہ کھبا ہو گا؟ اور کیا اس زمانے کے لوگوں نے اپنے علم اور وسائل کے مطابق علاج نہ کیا ہو گا؟ تو بس! ہم مجاہدین بھی اپنے علم اور وسائل کے مطابق ہی علاج کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اے اللہ! ہم نے تیاری میں اپنی پوری کوشش کی اور تمام ممکنہ وسائل کو بروئے کار لائے۔ اے اللہ! آپ نے ہمیں ہماری اپنی

استطاعت کے مطابق کام کرنے کا حکم دیا ہے، سو یہی ہماری استطاعت ہے۔ باقی اے پروردگار! آپ کا کام ہے۔ اور یقیناً اے اللہ! تو ہمارے ساتھ ہے۔

ڈاکٹر ابو خالد بتاتے ہیں کہ انہوں نے محسود علاقے میں تقریباً 50 پچاس بڑے (میجر) آپریشن کیے اور ان میں سے 99 فی صد کامیاب ہی رہے، وللہ الحمد اولاً و اخیراً۔

یہ نقطہ مجھے ڈاکٹر ابو خالد سے سمجھ میں آیا۔ بہت سے افراد یہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے ان محدود وسائل سے بھلا کیا جہاد کرلیں گے؟ یا یہ سوچ کہ جب تک ہمارے ذہنوں میں جو معیار ہے اس تک وسائل نہ دستیاب ہوں، کام کا آغاز ہی نہ ہو۔ آیا اگر ہم 100 فی صد پر قادر نہیں تو 99 فی صد کو بھی چھوڑ دیں۔ ہمت مرداں مددِ خدا۔ ورنہ پھر ہمارے توکل کا عقیدہ کہاں گیا۔ اور اس کے مقابل یہ نہیں کہا جا رہا کہ بہتر میسر ہونے کے باوجود بدتر پر راضی رہیں۔ ڈاکٹر ابو خالد نے ہمیشہ بہتر ہی کی کوشش کی ہے۔ ذمہ داران کو کہہ کہہ کر، خود سوچ سوچ کر، تجربے کر کر کے، اپنی حد تک وہ پورا زور لگاتے تھے۔ اگلے اور پچھلے مذکورہ واقعات سب اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر صاحب ہی تو تھے جنھوں نے مقامی مجاہدین سے کہہ کر ہسپتال اور ادویات کا انتظام کروایا۔ اور وہی تھے جو جماعت القاعدہ سے بھی مسلسل کہتے رہے، یہاں تک امرائے جماعت کی معاونت سے دوبارہ سے ایک شعبہ منظم ہوا۔

مسلمان ڈاکٹر اور جہاد

ویسے تو جماعت القاعدہ کے حالیہ امیر شیخ ایمن الظواہری ڈاکٹر ہی نہیں سرجن ہیں۔ خوست میں سی آئی اے کے دفتر پر فدائی حملہ کرنے والے اردنی ڈاکٹر ابو دجانہ تھے۔ ڈاکٹر معاذ ہی تھے جو پاکستان میں دعوتِ جہاد دیتے رہے اور اسی راستہ میں شہید ہوئے۔ لیکن کیا ان پانچ دس کی شرکت سے ڈاکٹروں کی جماعت سے فرضِ جہاد ساقط ہو جاتا ہے؟

بھئی، مجاہدین تو ڈاکٹروں کو دعوت دینے کی کوشش کرتے رہے۔ جب ڈاکٹر ابو خالد بھائی کو عاصم خان بھائی اور دیگر طبی ساتھی میسر آئے تو ان میں سے ایک کو مزید ڈاکٹروں کو ہجرت و جہاد کی دعوت دینے کے لیے بھیجا گیا۔ واپسی پر بتاتے ہیں کہ کسی نے یہ تو قبول کیا کہ وہ مجاہد کا علاج کرلیں گے بشرطیکہ خفیہ انداز میں ہو۔ لیکن سرزمینِ جہاد میں وقت لگانے سے معذرت ظاہر کی۔ کسی کے والد بھیجنے پر راضی نہ تھے۔ ایسے بھی ڈاکٹر ملے جو مجاہدین کی معاونت کی نیت سے ہی آرتھوپیڈک کے شعبہ میں کام کر رہے تھے لیکن ناتجربہ کار ہونے کے سبب نہ نکل سکے۔ بتاتے ہیں کہ ایک مشہور سرجن سے ملے جو کہ پہلے بھی مجاہدین کی خدمت کر چکے تھے لیکن انہوں نے معذرت کی کہ خفیہ ایجنسیاں ان سے ایک

دفعہ تفتیش کر چکی تھیں اور اب وہ نظروں میں ہیں۔ یہ ہے 'ہماری' خبیث خفیہ ایجنسیوں کے کارنامے۔ ڈرا دھمکا کر امتِ مسلمہ میں خیر کے جذبے کو دبانا۔ کتنے ہی ایسے ڈاکٹر ہیں جنھیں خفیہ ایجنسیاں محض اس وجہ سے گرفتار کر چکی ہیں کہ انھوں نے کسی وقت کسی مجاہد کا علاج کیا تھا۔ گویا مجاہد کا علاج کرنا جرم ٹھہر گیا۔ حالانکہ طب کے پیشہ سے منسلک حضرات کو پتہ ہے کہ انھیں ہر بیمار کو رنگ، نسل یا دین کے تفریق کیے بغیر، انسانیت کی بنیادوں پر طبی خدمات فراہم کرنے کا سبق دیا جاتا ہے۔ یہ مغربی نظام کی مکاری ہے کہ جہاں چاہتے ہیں جانور کو بھی انسان کے حقوق دیتے ہیں اور جہاں نہیں چاہتے تو انسان سے وہ حقوق سلب کر لیتے ہیں جو جانور کو بھی حاصل ہونے چاہییں۔

اس تگ ودو کے ایک سال بعد پیتھالوجسٹ 'ڈاکٹر میجر طارق' ہجرت کر کے آئے جنھیں یہاں ڈاکٹر 'منصور' کہا جاتا تھا، ساتھ لیبارٹری کا مکمل سامان بھی لائے۔ لیکن اچانک عارضۂ قلب میں مبتلا ہونے کے سبب انھیں واپس جانا پڑا۔ پھر معلوم ہوا کہ گرفتار ہو گئے۔ اور پھر سنا کہ ۲۰۱۶ء میں ان پر تشدد کرنے کے بعد انھیں شہید کر دیا گیا۔ جبکہ ان کے بیٹے والد کی شہادت سے چند ماہ قبل افغانستان میں امریکی اور ملی فوج کے ایک چھاپہ میں شہید ہوئے۔ سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے باپ بیٹے کو جلد جنت میں جمع کر دیا۔ اس کے بھی کافی عرصہ بعد ہیلتھ ٹیکنیشن سے لے کر میڈیکل سپیشلسٹ تک ایک دو افراد آتے رہے لیکن یہ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے۔

گویا درجنوں ڈاکٹروں کو دعوت پہنچی۔ یہ تمام عام ڈاکٹر نہ تھے۔ سب کے سب نیک پرہیزگار اور کسی نہ کسی دینی سلسلہ سے جڑے ہوئے تھے۔ میں ان پر کوئی الزام نہیں لگاتا۔ اللہ ان کے دلوں کے احوال اور ان کی مجبوریوں کو بہتر جانتا ہے۔ لیکن ان میں سے دو تین کے علاوہ کوئی بھی مستقل ہجرت نہ کر سکا۔ اس میں مجاہدین کی بھی کوتاہی ہو سکتی ہے۔ لیکن آیا پورے پاکستان میں کوئی ایسا ڈاکٹر نہیں جو اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے از خود نکل آئے، وإنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

ہمارے ممالک کے حکام مغرب سے درآمد شدہ نظام ہم پر مسلط کر چکے ہیں۔ مغربی طرزِ تعلیم اور طرز معاش کا یہ خاصہ ہے کہ وہ وقتی دنیاوی مسائل سے 'آزاد' ہو کر سوچنے اور عمل کرنے کی صلاحیت سلب کر دیتا ہے۔ ہر ایک کو اپنی پڑی رہتی ہے۔ لوگ بہت ہیں لیکن سننے والے بہت کم۔ سننے والے کافی ہیں لیکن سمجھنے والے اور کم۔ سمجھنے والے کم ہیں لیکن عمل کرنے والے نہ ہونے کے برابر۔ کیوں؟ کیا دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔ کیا ہم اس نبی کے امتی نہیں جن کے بارے میں ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”اللہ کی قسم! اللہ آپ کو رسوا نہ کریں گے۔ آپ ضرورت

مند کی ضرورت پوری کرتے ہیں، تکلیف زدہ کا مداوا کرتے ہیں، کمزور کی اعانت کرتے ہیں''۔ اور جن کے بارے میں ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم مجلس میں بیٹھے ہوتے اور کوئی خطرہ کی بات محسوس کرتے تو دیکھتے کہ ہم میں سے سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھوڑے پر نکلے اور خیر خبر لے کر واپس آکر ہمیں اطمینان دلاتے۔ ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ صفات میں سے کتنا ادنیٰ حصہ ملا؟ یا کہ خالی ہاتھ لوٹے۔ ہمارے لیے بہترین نمونہ کون ہیں؟

شام میں علوی شیعوں کے مظالم کو دیکھو تو دل دہل جائے۔ لیکن شام کے مظالم سے پردہ کشائی تو اب ہوئی ہے۔ عرب ممالک میں ہونے والے ظلم کی داستانیں تو اب منظر عام پہ آئی ہیں۔ نہ جانے دنیا بھر میں کتنے ایسے مسلمان ہوں گے جنھوں نے اتنے ہی بڑے مظالم سہے لیکن کفر کے ظالمانہ نظاموں نے ان کی آہوں اور سسکیوں تک کو دبا دیا۔ فرض کر لیتے ہیں کہ وہ مظالم بھی منظر عام پہ آگئے تو آیا تب بھی کوئی ان کی مدد کے لیے آئے گا؟

اے میرے بھائیو! ہجرت کی صعوبتیں نہ ہوتی تو میں آپ لوگوں کے درمیان ہوتا، براہ راست باتیں کرتا، آنکھوں دیکھا حال بتاتا۔ وہ جو تم سے چھپایا جا رہا ہے، جو تمہیں بہلایا جا رہا ہے، کہیں تم جاگ نہ جاؤ۔ کیونکہ ہو تو تم مسلم۔ جاگ گئے تو کون روکے گا تمہیں۔ کاش میری آواز تمہارے دل میں جگہ پائے۔

شعبہ بمقابلہ فرد

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ 1429ھ (2008ء) کے اواخر میں 'وانہ' ہی میں ہمیں القاعدہ کے ذمہ داران کی طرف سے مجاہدین کے لیے ایک طبی نظام قائم کرنے کی مفصل تجویز موصول ہوئی تھی۔ پھر محسود کے آپریشن نے وہ کام کیا جو تجویز کا مقصد تھا۔ پھر وہی تجویز پھر سے سال 1433ھ (2012ء) میں ہمیں 'میرانشاہ' میں موصول ہوئی۔ اور ایک دفعہ پھر سے طبی نظام قائم کرنے کی مہم شروع ہوئی۔ جب میں نے ابو خالد بھائی کو اس تجویز کا خلاصہ دیا تو انھوں نے نہایت سادگی سے کہا: کہ شعبہ طب تو قائم ہے۔ مجھے سنتے ہی تعجب ہوا۔ کہنے لگے: جتنا تجویز میں لکھا ہے، اتنا تو میں ابھی بھی کر سکتا ہوں۔ اس کے لیے کسی نظام کی ضرورت نہیں۔ ہاں نظام کو عام بنانا ہے جس سے تمام مہاجرین و انصار استفادہ کر سکیں تو اور بات ہے۔ میں نے کہا کہ ضرور ایسا ہی ہو گا لیکن آیا ہمیں اپنی صلاحیت اور کارکردگی کو بہتر بنانے اور ترقی دینے کی ضرورت نہیں۔ کہنے لگے کیوں نہیں۔

دراصل ڈاکٹر ابو خالد اپنے قد کاٹھ کی طرح بڑی سوچ اور بڑے کام کرنے والے تھے، میگا پراجیکٹس۔ چھوٹے موٹے کام انہیں نہیں سوجھتے تھے، کہ جب وقت اور قوت صرف ہونے ہی ہیں تو ٹھوس بنیادوں پر صرف ہوں۔ پھر اسی

وقت انھوں نے میرے سامنے قابلِ منتقلی ہسپتال کا منصوبہ رکھا جس پر وہ ذمہ داران کے کہے بغیر اور کسی مالی تعاون کے بغیر کافی کام کر چکے تھے۔ انھوں نے ہسپتال کو قابلِ انتقال بنانے کے لیے طبی بستے (بیگ) بھی تیار کر رکھے تھے۔ مقامی مجاہدین سے اس کام کے لیے بندے مانگ رکھے تھے۔ بلکہ عملاً ڈاکٹر جنید محسودی اور صفوان محسودی شہید کے زیرِ نگرانی ایک طبی مرکز چلا بھی رہے تھے۔ یہ اس کے علاوہ کہ وہ اپنے گھر پر ہی مجاہدین اور انصار کے علاج معالجہ میں مصروف رہتے تھے۔ اور کہتے بھی تھے کہ میں تو آیا ہی اس کام کے لیے تھا، کہ یہ 'نقد' ہے۔ یعنی کہ اس کا اجر اسی وقت مل جاتا ہے۔ جبکہ تجاویز اور مشورے، تجزیئے اور منصوبے، پتہ نہیں ان کا اثر کب نکلے۔

گویا کافی عرصے سے اپنے تئیں وہ یہ طے کر چکے تھے کہ جو کچھ ان کے بس میں ہو گا، وہ مجاہدین کے لیے طبی خدمات فراہم کرنے میں از خود متحرک رہیں گے، افراد بھی تلاش کریں گے اور وسائل بھی مہیا کریں گے۔ گویا انھوں نے سرزمینِ ہجرت میں مستقل شعبہ طب تو بنا رکھا تھا، چاہے مجاہدین اس سے استفادہ کریں یا عوام۔

یہی وجہ تھی کہ جب کئی سالوں بعد انھیں دوبارہ باضابطہ شعبہ طب بنانے کی تجویز موصول ہوئی تو قدرے حیران ہوئے، تاہم پھر قیادت کی طرف سے مزید جو تجاویز تھیں، ان کے مطابق اپنے سارے نظام کو ڈھال دیا۔

دردِ دل؛ ایک ترکستانی مجاہدہ

ڈاکٹر صاحب کے کام کرنے کا محرک ان کا دردِ دل تھا۔ اس لحاظ سے وہ نہایت حسّاس انسان تھے کہ جو دوسروں کو تکلیف میں دیکھنا برداشت نہ کر سکتے تھے اور خود ہی مدد کے لیے آگے بڑھتے تھے۔ اور اس کا صلہ انہیں ان شاء اللہ آخرت میں تو ملے گا ہی، دنیا میں بھی مل جاتا تھا۔ لیکن وہ اس صلہ کو اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ اجتماعیت کی خاطر استعمال کرتے تھے۔

تیس سالہ ترکستانی خاتون امِ اسد نے مشرقی ترکستان پر چین کے غاصبانہ قبضے سے تنگ آکر اپنے اسلام کو بچانے کے لیے ہجرت کی۔ مقبوضہ ترکستان جہاں چینی حکومت مسلمان عورتوں کو ان کے آبائی علاقوں سے دور دراز کارخانوں میں نوکری کے بہانے بھیجتی ہے، وہاں پیسہ ملے نہ ملے لیکن دین اور عزت لٹ جاتے ہیں۔ جہاں حجاب اور داڑھی پر سرکاری پابندی ہے۔ مسلمانوں کو چینی قومی تہواروں کے موقع پر نہ صرف شریک بلکہ شراب نوشی اور دیگر محرمات کے ارتکاب پر مجبور کیا جاتا ہے۔ جہاں چین نے مسلمانوں کے لیے ہجرت برائے روزگار کی پالیسی اور چین کی اپنی 'ہان' قوم کو آبادکاری برائے روزگار کی پالیسی دے رکھی ہے۔ جس کے سبب مسلمانوں کا 80 فی صد تناسب کے بجائے اب 50 فی

صد سے بھی کم تناسب رہ گیا ہے۔ الغرض چینی حکومت نے وہاں مسلمانوں پر ان گنت مظالم ڈھائے ہیں۔ وہاں امِ اسد کو جب شعور ہوا اور پتہ چلا کہ روئے زمین پر کوئی ایسا خطہ ہے جہاں کم از کم اسے حجاب لینے سے تو نہ روکا جائے گا، بچوں کو قرآن پڑھانے پر تو پابندی نہ ہوگی تو انھوں نے ہجرت کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ اپنے تین بچوں سمیت نکل آئیں۔ دو بچیوں کے درمیانے بھائی کا نام اسد اللہ تھا۔ امِ اسد اپنے وطن میں دائی کے طور پہ کام کرتی تھیں اور ہجرت کے بعد اپنے آپ کو مہاجر خواتین کے علاج معالجے کے لیے وقف کر دیا تھا۔ یہاں انھوں نے مصعب نامی ایک ترکی مجاہد سے شادی کی جس سے ان کا دوسرا بیٹا محمد پیدا ہوا۔ یہ بچہ میر انشاہ کے کسی پرائیویٹ ہسپتال میں بڑے آپریشن (سی سیکشن) کے ذریعے سے ہوا۔ لیکن وہ ہوا جس کا تصور کرنا مشکل ہے۔ اناڑی ڈاکٹر نے آپریشن کے دوران اس خاتون کی انتڑیاں کاٹ دیں۔ ولادت کے ایک ہفتہ بعد خاتون کا پیٹ پھول گیا اور طبیعت خراب ہو گئی۔ جس کی خاطر کسی سرجن نے ان کا آپریشن کیا اور کٹی ہوئی انتڑیوں کے سِروں کو باہر نکال کر پیٹ کے ساتھ سی دیا۔ جسے طب کی زبان میں 'کولاسٹومی' کہتے ہیں۔ لیکن امِ اسد کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ مصعب کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ اسے کسی انصار خاتون کے ساتھ پشاور بھیجا جائے۔ اگرچہ مصعب کو یہ پسند نہ تھا لیکن اسے کوئی اور چارہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ پشاور سے جب امِ اسد لوٹی تو مصعب کے بقول سر سے پاؤں تک غلاظت میں اٹی ہوئی تھی۔ گویا وہاں بھی کسی سفاک ڈاکٹر کے ہاتھ چڑھ گئی جس نے اس مہاجر خاتون کے اسلام کی خاطر قربانی کا تو کوئی لحاظ نہ کیا، اور اپنی حکومت کی 'پاک چین دوستی' کا بھرم رکھا۔ آپ حکومت کی اس پالیسی پر ذرا سوچیے! چینی کفار سے دوستی اور اپنے مسلمانوں سے دشمنی؟ آیا یہ بھی مسلمان کہنے کے لائق ہیں؟

ڈاکٹر صاحب کو اتفاقاً اس خاتون کا علم ہوا تو دیکھنے گئے۔ معلوم ہوا کہ اس کے پیٹ میں کولاسٹومی کے علاوہ تین چار سوراخ از خود کھل گئے ہیں جن سے غلاظت نکل رہی ہے۔ نیز اندرونی اعضاء میں بھی غلاظت نے راہ بنالی اور اب وہ پیشاب کے راستہ بھی نکل رہی تھی۔ مریضہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکی تھی۔ یہاں تک کہ اسے ڈرپ لگانے کے لیے مناسب خون کی رگیں مشکل سے ہی سے ملتی تھیں۔ ایسے مریض کو اصولاً ہسپتالوں میں منہ کے بجائے خون کی بڑی نالی سے ڈرپ کی شکل میں خوراکی مواد دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مریض کی صحت کچھ بحال ہو، زخم بھریں اور وہ مزید کسی آپریشن کے لیے تیار ہو۔ لیکن یہ علاج یہاں کیسے ممکن تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اجتہاد کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ چلو اگر یہ ممکن نہیں تو صحت مند افراد کا تازہ خون تو ہم دے سکتے ہیں۔ جس میں تمام خوراکی مواد حل شدہ شکل میں قدرتی طور پہ

شامل ہوتی ہے۔ اب ہر ہفتہ اس خاتون کی کسی رگ میں کینولا لگا کر اسے ایک دو خون کے تھیلے لگتے رہے۔ یہاں تک کہ چار مہینوں بعد سرجن کے کھولے گئے سوراخ (کولاسٹومی) کے علاوہ دیگر سوراخ خود بخود بند ہونے لگے۔ مریضہ کی صحت بھی قدرے بہتر ہو گئی۔ یہاں تک کہ اس نے چلنا اور کھانا پینا بھی شروع کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے مناسب سمجھا کہ اب ان کا آپریشن کر کے کولاسٹومی بھی بند کر دی جائے۔ ڈاکٹر صاحب پُر امید تھے کہ اب اس خاتون کی تکالیف ختم ہو جائیں گی، لیکن پیٹ کھولا تو ہم حیران پریشان رہ گئے کہ اس خاتون کی چھوٹی انتڑیوں کے بیس فٹ میں سے بمشکل تین فٹ باقی تھے جو کہ خود پانچ مقامات سے کٹے ہوئے تھے۔ ہم نے آدھا دن لگا کر ان کی انتڑیوں کو سی تو دیا لیکن ایسی صورتحال میں آپریشن کی کامیابی مشکل ہی تھی۔ اور ایک ہفتہ کے بعد یہ خاتون خالقِ حقیقی سے جا ملی، اِنا اللہ واِنا اِلیہ راجعون۔ جو اوروں کی ولادت میں مدد کرتی تھی خود اپنی ولادت میں جان دے گئی۔ اللہ اُن ڈاکٹروں کو ہدایت دے جنھوں نے اس خاتون کا یہ حال کیا۔ اس خاتون کا کیا قصور تھا جس نے اپنے دین کی خاطر ہجرت کی؟!

خاتون کو تو اپنا ہدف حاصل ہو گیا، ان شاء اللہ۔ لیکن جاتے جاتے اس نے ترکستانی اور پاکستانی مجاہدین کے درمیان تعاون کی نئی راہیں کھول دیں۔ ترکستانیوں کو ڈاکٹر صاحب پر اعتماد ہوا اور انھوں نے مجاہدین کی خاطر 100 ملی ایمپئیر کی ایکسرے مشین ڈاکٹر صاحب کے حوالے کی۔ نیز اپنے ڈاکٹروں کو بھی ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کام کرنے کا کہا۔

عزمِ مصمم: ڈاکٹر عمر ترکستانی

مشرقی ترکستان کی کہانی بھی عجیب اور افسوسناک ہے۔ یقین جانیے کہ وہاں کے حالات کا صحیح علم مجھے جہاد میں آنے کے بعد ہوا۔ روایتی طور پر پاکستان کے بچے بچے کو جیسے پاک بھارت دشمنی پڑھائی جاتی ہے ویسے ہی پاک چین دوستی یاد کروائی جاتی ہے۔ نہ دشمنی اسلام کے لیے اور نہ دوستی اسلام کے لیے۔ بس قوم پرستی کے ایک جذبے کے تحت۔ اور ہاں اسلام قوم پرستی کے ان نظریات کے لیے استعمال ہو سکے تو ٹھیک وگرنہ اس کی بھی ضرورت نہیں۔ اور جب قومی مفادات تبدیل ہو جائیں تو دوستی اور دشمنی بھی تبدیل ہو جائے گی۔ جیسا کہ بھارت کے بارے میں اب رویہ دشمنی کے بجائے دوستی میں تبدیل ہو رہا ہے۔ لیکن چین کے ساتھ دوستی دوستی سے بڑھ کر غلامی میں تبدیل ہو رہی ہے۔ اگر بھارت سے دشمنی کی بنیاد ہندوازم اور مسئلہ کشمیر تھا تو سوشلزم اور مشرقی ترکستان کے مسئلہ پر چین سے بھی دشمنی ہونی چاہیے تھی۔ بلکہ چین اپنے کافرانہ اور مشرکانہ نظریات میں بھارت سے اگر زیادہ سخت نہیں تو کم بھی نہیں۔ بھارت میں مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد ہے کہ وہاں کے ہندوؤں کو کچھ نہ کچھ خیال کرنا پڑ جاتا ہے۔ اور روایتی طور پہ حکومتِ پاکستان

اپنے مفادات کی خاطر مسئلہ کشمیر اور بھارت کے اندر مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں کچھ نہ کچھ بول ہی دیتے ہیں۔ لیکن چین میں مشرقی ترکستانیوں کے لیے کون ہے؟ جبکہ مشرقی ترکستان کے مسلمانوں پر مظالم کشمیر میں بھارت کے مظالم سے کہیں زیادہ ہیں۔

جہاں امِ اسد شوہر کو چھوڑ کر اپنے بچوں کے ساتھ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئی۔ وہاں ڈاکٹر عمر اپنی بیوی کو چھوڑ کر اپنے بچے کے ساتھ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ چین سے وزیرستان آنے کے لیے انہیں سال بھر سفر کرنا پڑا جس میں ایسے مقام بھی آئے جہاں انہیں اپنے 6 سالہ بچے کو کندھوں پر اٹھا کر کئی دن برف پر چلنا پڑا۔

چین نے مشرقی ترکستان کی زمین پر صرف قبضہ نہیں کیا بلکہ وہاں کے وسائل، روایات، حتیٰ کہ دین پر بھی قبضہ کر رکھا ہے۔ جس کے مظہروں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مشرقی ترکستان سے تعلق رکھنے والے طالب علموں کے لیے ایک تو چینی زبان سیکھنا لازمی ہے اور دوسری طرف پیشہ ورانہ تعلیم کو انگریزی زبان میں حاصل کرنے پر پابندی ہے۔ یعنی کہ چین کا طالب علم اگر چاہے تو وہ انگریزی زبان میں علم طب حاصل کر سکتا ہے لیکن ترکستانی طالب علم ایسا نہیں کر سکتا۔ اور مقصد یہ ہے کہ ترکستانی عوام چینیوں کے غلام رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ دوسری زبانوں میں ہنر سیکھ کر وہ بیرونی ممالک میں ملازمت اختیار کر لیں۔ ہمارے ڈاکٹر عمر نے بھی ہجرت کرنے سے کچھ ہی دیر پہلے چینی زبان میں ڈاکٹری مکمل کی تھی۔ لہذا یہاں انہیں نہایت دشواری کا سامنا تھا۔ ان کی ہجرت بھی نئی تھی، زبان بھی مختلف تھی اور تجربہ بھی زیادہ نہیں تھا۔ لیکن ایک عزم مصمم تھا جس کے سامنے کوئی چیز ناممکن نہیں ہوتی۔ میرے سامنے کی بات ہے کہ کیسے وہ مجاہدین کی بنائی ہوئی 'پشتو' 'ایغوری' لغات کا رٹا لگاتے تھے۔ (ایغوری ترکستانی زبان کا بھی نام ہے اور وہاں کی مسلم قوم بھی ہے)۔ پھر کیسے انہوں نے انگریزی سیکھنے پر زور دیا۔ اور کیسے وہ ہمارے ساتھ نہایت تواضع اور انکساری کے ساتھ کام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے ڈاکٹر ابو خالد کی سرپرستی میں تنِ تنہا اچھے خاصے آپریشن کرنے کی صلاحیت پیدا کر لی۔

جہاں ڈاکٹر عمر کی لگن اور محنت تھی، وہیں ڈاکٹر ابو خالد کا جذبہ تھا۔ جہاں پاکستانی ڈاکٹر آگے نہیں بڑھ سکے، وہاں ڈاکٹر صاحب نے ڈاکٹر عمر کے ساتھ دگنی محنت کر کے انھیں اس قابل بنایا کہ وہ مجاہدین کی بخوبی خدمت کر سکیں۔ ڈاکٹر ابو خالد اکثر کہتے تھے کہ ہماری طبی خدمات کسی خاص قوم، علاقے یا مجموعے کے لیے نہیں ہیں، ہم سب مجاہدین کے لیے آئے ہیں۔ ڈاکٹر عمر سرزمینِ جہاد میں ہی اب سرجن بن گئے۔ یہ کوئی مشکل بات نہیں، اگر ارادہ، سوچ اور جذبہ ہو۔

دوسری طرف دونوں ڈاکٹروں کے لیے نہایت فخر کی بات ہے کہ انھوں نے میدانِ جہاد اور مشکل ترین حالات میں بھی یہ ثابت کر دکھایا کہ مجاہدین کسی سے پیچھے نہیں۔ عام تعلیم کیا، طبی تخصص (اسپیشلائزیشن) کے پروگرام تک چلا سکتے ہیں۔

ڈاکٹر عمر نہایت بااخلاق، خوش مزاج اور بردبار تھے۔ اللہ انھیں ہر مرحلے پر کامیاب کریں اور ان کی خدمات کا انہیں دنیا اور آخرت میں بہترین صلہ عطا فرمائیں، آمین۔ بالآخر ان کی بیوی اپنے چھوٹے بچے کے ساتھ ہجرت کرنے میں کامیاب ہوئیں، اور ان مشکل حالات میں شمالی وزیرستان کے آپریشن کے دوران ہی پہنچیں۔ اللہ تمام ترکستانیوں کو ہمت اور حوصلہ دے اور تمام مجاہدین کو ہر میدان میں فتح و نصرت سے ہمکنار کرے، آمین۔

مجاہدین اور ابتدائی تعلیم

تعلیم کی بات چل نکلی ہے تو بچوں کی ابتدائی تعلیم پر بھی بات ہو جائے۔ مجاہدین کے درمیان تعلیم کے موضوع کے بارے میں کافی گفت و شنید رہتی تھی۔ جس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ جب سے مجاہدین نے مغربی نظامِ زندگی کو مسترد کیا، اس وقت سے جس نظام میں ادنیٰ سی بھی مغربیت نظر آتی اس سے شدید رقابت پیدا ہوتی۔ جبکہ ہمارے ملک کا نظامِ تعلیم تو ٹھیٹھ مغربی ہے۔ اتنا تو ہر کوئی تسلیم کرتا ہے کہ پاکستان کا موجودہ نظامِ تعلیم باوجود چند جزوی اصلاحات کے، درحقیقت لارڈ میکالے کے نظام تعلیم کا ہی تسلسل ہے۔ اس پر پاکستان کے دینی حلقوں کی اکثریت میں تو اتفاق ہے ہی، بہت سے عوامی حلقے بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کے درمیان اختلاف اس میں رہتا ہے کہ آیا ہمارے لیے یہ نظام مناسب ہے بھی کہ نہیں۔

مجاہدین کی اکثریت جدید نظامِ تعلیم کی اصولاً تو مخالف ہے لیکن اس سے نظام کی ان جزئیات کی مخالفت ضروری نہیں ٹھہرتی جو اسلام کے خلاف نہیں ہیں۔ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ جدید اسکول و کالج کے نظام کو یکسر جڑوں سے مٹا کر اس کی جگہ خالص اسلامی نظام تشکیل دیا جائے۔ لیکن جڑوں سے اکھاڑنے کا مقصد سکول کی عمارتوں کو اڑانا یا اس میں پڑھنے والے طلبہ اور اساتذہ کو قتل کرنا قطعاً نہیں ہے۔ نظام کے مغربی ہونے سے اس سے وابستہ افراد و اشیاء پر حکم لازم و ملزوم نہیں ہے۔ بلکہ تفصیل کی ضرورت ہے۔ اگر مغربی جمہوری نظام حکومت میں تاویل کی بنا پر شمولیت کو چھوٹ دی جاتی ہے تو مغربی نظام تعلیم سے وابستگی کو تو بطریقِ اولیٰ چھوٹ حاصل ہے۔ جب کہ مغربی نظامِ تعلیم کا شرعی حکم مسلمانوں کے ذہن میں اس طرح قطعاً واضح نہیں جیسا کہ جمہوریت کا حکم کافی حد تک واضح ہے۔

مجاہدین سے منسوب افراد کی طرف سے کئی ایسے واقعات ہوئے جن سے اس تاثر کو تقویت ملتی ہے کہ مجاہدین 'تعلیم' دشمن ہیں۔ ان میں سکولوں کی خالی عمارتوں کو تباہ کرنے کے علاوہ ملالہ اور پشاور آرمی پبلک سکول پر حملوں کو ذرائع ابلاغ اور مغربی حلقے 'سند' بنا کر اسلام اور جہاد کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح حقائق خلط ملط ہو جاتے ہیں اور اصل نقطۂ نظر اور مضبوط دلائل ان کے شور وغل میں ہی دب جاتے ہیں۔ تعلیم الگ چیز ہے اور جدید نظام تعلیم جو مغربی اصول پر استوار کیا گیا ہے بالکل الگ چیز ہے۔ کسی ایک نظامِ تعلیم کی مخالفت سے مطلق تعلیم کی مخالفت لازم نہیں آتی۔

اور چونکہ خلافت کے سقوط اور مسلمانوں کو اپنے اصل نظامِ تعلیم سے ہٹے ہوئے عرصہ دراز گزر چکا ہے، اس لیے اس اصل نظام کا نقشہ تو ذہنوں سے محو ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس کے بجائے مختلف الانواع نظام رائج ہو گئے ہیں۔ جہاں ایک طرف اصل سے قریب تر مسجد اور مدرسے کا نظام ہے تو دوسری طرف اسکول و کالجوں کا جال ہے۔ پھر اس جدید مغربی نظام میں بھی بہت تنوع ہے۔ ایک طرف روایتی سرکاری سکول ہیں تو دوسری جانب غیر سرکاری سکولوں کے کئی سلسلے ہیں۔ جن میں کئی اپنی نسبت اسلام سے جوڑتے ہیں تو دوسرے چرچ سے۔ کئی روایتی قوم پرستانہ نظریات پر قائم ہیں اور کئی مغربی لا دینیت کے علم بردار۔ یہ تو چھوڑیے کہ ان میں کون کتنا صحیح ہے، خود تقسیم در تقسیم اور تنوع نے ہی معاشرے میں شدید تناؤ پیدا کر دیا ہے۔ ہر شخص اپنی محدود سوچ اور وسائل کے مطابق ان میں سے کسی کو پسند کرتا ہے اور کسی کا انکار کرتا ہے۔ اور یہ مسئلہ اتنا پیچیدہ بن چکا ہے کہ عام معاشرے کی طرح مجاہدین کے ہاں بھی کسی ایک تصور پر اتفاق نہیں۔

بہر حال ڈاکٹر صاحب اپنے بچوں کی تعلیم کے بارے میں نہایت سنجیدہ بھی تھے اور انہوں نے اور ان کے گھر والوں نے باوجود مشکل حالات کے میری دانست کے مطابق بچوں کو کسی طور سے پیچھے نہیں چھوڑا۔ کیونکہ نیچے رہنے والوں کو ہجرت و جہاد کی زندگی کا صحیح اندازہ نہیں، اس لیے وہ ان مشکلات کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے جن سے مہاجرین کو اپنی عام زندگی میں گزرنا پڑتا ہے۔ مہاجرین کو بار بار گھر تبدیل کرنے پڑتے ہیں۔ پھر جہاں کچھ عرصہ سکون میسر بھی ہو وہاں انہیں کم ہی شہری سہولیات میسر ہوتی ہیں۔ شہری سہولیات تو درکنار انہیں تو گاؤں کی سہولیات بھی حاصل نہیں ہوتیں کیونکہ نہ تو ان کا اپنا قوم قبیلہ پایا جاتا ہے اور نہ ہی وہ گاؤں کے طرز کے عادی ہوتے ہیں۔ کھانا پکانا، برتن کپڑے دھونا تو چھوڑیے ان کے لیے تو محض پانی اور ایندھن کی فراہمی ہی ایک بڑی مہم بن جاتی ہے جس میں بسا اوقات دن کا اکثر وقت

صرف ہو جاتا ہے۔ اور جس میں صرف ایک مرد یا عورت ہی نہیں بچوں سمیت پورے خاندان کو کام کرنا پڑتا ہے۔ اب خود اندازہ لگائیں کہ ایک طرف ایسے حالات ہوں، اوپر سے ڈاکٹر صاحب کے مریض چلے آرہے ہوں، تیسری طرف مہمانوں کی ایک قطار ہو، چوتھی طرف خود مجاہدین کے کاروان ہوں۔ اور ان سب کے باوجود بچوں کو تعلیم بھی مل رہی ہو۔ یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے دونوں بچے قرآن کریم روانی سے پڑھتے تھے اور کم از کم ایک پارے سے زائد حفظ کر لیا تھا۔ اردو میں قصصِ انبیاء وسیرت رسول ﷺ اور واقعات صحابہ رضوان اللہ علیہم پڑھنا ان کا ایک معمول تھا۔ یہاں تک کہ ان کے بڑے بیٹے اپنے والد کے نقش قدم پر تاریخ ابن کثیر کا بھی مطالعہ کیا کرتے تھے۔ دوسری طرف انہیں اپنی عمر کے مطابق ریاضی، انگریزی اور دیگر عصری مضامین بھی پڑھائے جاتے تھے۔

پھر جب مجاہدین نے تعلیم کا ایک معمولی سا نظام شروع کیا تو ڈاکٹر صاحب نے بڑھ چڑھ کر اس کی تائید کی اور گھر کی تعلیم کو چھڑوا کر بچوں کو مجاہدین کے نظام سے منسلک کیا۔ اگرچہ یہ تعلیمی سلسلہ جنگی حالات کے پیش نظر زیادہ دیر تک نہ چل پایا۔

مجاہدین اور اعلیٰ تعلیمی تخصصات

یہ صرف ایک مجاہد گھرانے کا عمل نہیں تھا۔ جتنے خاندانوں کو میں جانتا ہوں، سب نے تعلیم کا کوئی نہ کوئی بندوبست کر رکھا تھا۔ اور کوئی بھی تعلیم سے غافل نہ تھا۔ اور کیسے غافل ہوتے جبکہ حصولِ علم کا اسی شریعت نے حکم دے رکھا ہے جس نے جہاد فرض کیا ہے۔ اور صرف خاندانوں کی حد تک نہیں پورا جہادی عمل تعلیم و تعلم سے بھرا پڑا ہے۔ مجاہدین کے ہاں روزانہ کی تلاوت، اذکار اور تعلیم ہوتی ہے۔ تزکیۂ نفس، حسن اخلاق اور علم شرعی کے لیے مختلف انداز میں دورے منعقد ہوتے ہیں۔ ان مشکل حالات کے باوجود مدرسے بھی قائم کیے گئے۔ مغرب پرستوں کے ہاں مسئلہ یہ ہے کہ انہوں نے اول تو علم کا اطلاق ان علوم پر کیا جنہیں در حقیقت 'فنون' کہا جاتا ہے۔ اور پھر ان فنون کی تحصیل کا بھی انھوں نے اپنا ایک طریقہ اپنایا۔ اب جو بھی اس کے خلاف ہوتا ہے اسے تعلیم تسلیم ہی نہیں کرتے۔ اس میں مجاہدین کا کیا قصور۔

حالانکہ اصل علم یعنی کہ 'علمِ دین' تو چھوڑیے جدید اور عصری فنون میں بھی مجاہدین کسی سے پیچھے نہیں۔ کیا جدید اسلحہ کا علم جس میں طبیعیات 'فزکس' کے اصول استعمال ہوتے ہیں، جدید علم نہیں۔ کیا نقشوں کا علم 'جغرافیہ' نہیں۔ اور

بھلا 'برقیات' (الیکٹرانکس) اور 'بارود' کا تعلق بھی 'فزکس' اور 'کیمسٹری' سے نہیں۔ اور کیا مجاہدین کے تدریبی دورہ جات 'فن حرب' نہیں۔ بھئی! مجاہدین فنِ حرب محض پڑھانے والے ہی نہیں بلکہ نئے فنِ حرب کے موجد بھی ہیں۔ جسے آج کل ملٹری اکیڈیمیز میں 'غیر روایتی جنگ' کے عنوان سے پڑھایا جاتا ہے۔ گویا مجاہدین نے کئی صدیوں سے عسکری جمود کو توڑا اور اس فن کی باقاعدہ تعلیم و تربیت کا احیاء کیا۔ مجاہدین نے مختلف قسم کے میزائل بھی ایجاد کیے اور مائن کاری میں تو ان سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ پھر مجاہدین کے ہاں ابلاغیات اور صحافت کے اپنے اپنے شعبہ ہیں۔ میڈیا وار میں ان کی کارکردگی کا تو دشمن بھی معترف ہے۔ اور ظاہر ہے اس کے لیے کمپیوٹر اور اس سے متعلقہ آلات کے استعمال کا علم ناگزیر ہے۔

اسی بنا پر ڈاکٹر صاحب کا یقین کی حد تک یہ مقولہ تھا کہ 'ہم یہاں اپنے ڈاکٹر از خود تیار کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکتے ہیں، یہ کوئی مشکل کام نہیں'۔ صرف یہی نہیں، ان کے ذہن میں تو مجاہدین کے لیے جامعۃ الجہاد کے نام سے ایک وسیع تر منصوبہ بھی تھا جس پر وہ دیگر ساتھیوں کے ساتھ مل کر کام کر رہے تھے۔ اور اس کے تحت خود ڈاکٹر صاحب کئی دورہ جات منعقد کروا چکے تھے جن کے بنیادی موضوعات حسب ذیل ہیں:

۱)تاریخ، ۲)عسکریت، ۳)سیاست، ۴)علم ادارت (مینجمنٹ)، ۵)طب۔

جو ڈاکٹر صاحب کو جانتا ہے اسے ان کی ان علوم پر دسترس کا بھی بخوبی علم ہے اور وہ ان کے اس مقولہ کو بھی کبھی نہیں جھٹلا سکتا۔

ڈاکٹر جنید محسودی اور شعبہ طب

علمِ تاریخ، عسکریت، سیاست اور ادارت کے بارے میں بعد میں بات ہو گی، ابھی ہم علم طب کو ہی لے لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے اس حوالے سے کیا کارنامے انجام دیے۔ ہوا یوں کہ ڈاکٹر ابو خالد کی ملاقات ڈاکٹر جنید محسودی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔ ڈاکٹر جنید نے سکول کی پڑھائی کے بعد ٹانک کے ہسپتالوں میں ٹریننگ حاصل کی تھی، اور قبائلی اور دیہی علاقوں کے رواج کے مطابق جہاں ٹیکہ لگانے والے کو بھی ڈاکٹر کہا جاتا ہے، وہاں جنید بھائی تو بہت اچھے ڈاکٹر تھے۔ پھر وہ کراچی چلے گئے اور وہاں مجاہدین کے زخمیوں کی خدمت کرنے لگے۔ اس پر خفیہ ایجنسیوں نے ان کا پیچھا کیا تو وہ واپس قبائل آ گئے۔ یہاں انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کریں۔ ابو خالد بھائی کے ساتھ اتفاقی ملاقات ہوئی تو گویا دونوں کو ایک دوسرے کا انتظار تھا۔ آپس میں بات چیت ہوئی اور طبی نظام بنانے کے لیے تعاون پر اتفاق کیا۔

ڈاکٹر ابو خالد نے باضابطہ جنید بھائی کے ذمہ داران سے کہا: اگر طبی نظام بنانا ہے تو اس بھائی کو مستقل اس کام پر لگانا ہو گا اور شرط یہ ہے کہ، کوئی کام ہو یا نہ ہو، اسے جہاں بٹھایا ہے بیٹھے رہنے دیا جائے۔ پھر کام بنے گا'۔ چنانچہ جنید بھائی ڈاکٹر ابو خالد کے ساتھ کام پر لگ گئے۔ راشن وغیرہ اور ادویات و طبی وسائل کی فراہمی مجاہدین نے آپس میں بانٹ دی۔ جبکہ طبی تعلیم اور نگرانی ڈاکٹر صاحب نے اپنے ذمے لی۔

اس طرح تقریباً چھ سال تک یہ سلسلہ جاری رہا اور اس شعبہ کو بہت ترقی ہوئی۔ ڈاکٹر جنید نے شمالی وزیرستان کے علاقے 'شاول' میں اپنے لیے جگہ ڈھونڈی کیونکہ وہاں سے کئی جنگی محاذ قریب تھے اور زخمی مجاہدین کا آنا آسان تھا۔ جبکہ ڈاکٹر صاحب خود شمالی وزیرستان کے علاقے 'لواڑہ' میں تھے، جو کہ 'شاول' سے کم از کم تین گھنٹے دور تھا۔ ڈاکٹر صاحب ایک دو ہفتے کے بعد ایک دو دن کا دورہ کرتے اور جنید ہفتہ بھر ان کے لیے مریضوں کو جمع کر دیتا۔ ڈاکٹر صاحب مریضوں کو بھی دیکھتے اور جن کو آپریشن کی ضرورت ہوتی، ان کا یا تو اسی وقت آپریشن کر دیتے یا پھر آئندہ کی تاریخ دے دیتے۔ اگر کوئی انتہائی زخمی آتا تو ابتدائی امداد ڈاکٹر جنید دیتے اور ڈاکٹر صاحب کو بلوانے کا انتظام کرتے۔ آپریشن کے بعد کی مرہم پٹی ڈاکٹر جنید کرتے۔ اس طرح عملی ٹریننگ کا سلسلہ چلا اور ڈاکٹر جنید کو اچھی خاصی مہارت حاصل ہو گئی یہاں تک کہ چھوٹے موٹے آپریشن وہ از خود بھی کر لیتے تھے۔

ڈاکٹر جنید نے آگے اپنے ساتھ صفوان محسودی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ساتھ ملایا جو ایک میٹرک پاس ذہین لڑکا تھا۔ ڈاکٹر جنید نے اسے اپنے ساتھ مرہم پٹی پر لگایا جبکہ ڈاکٹر صاحب کے مشورہ سے اسے لیبارٹری چلانے کے لیے تیار کیا گیا۔ 'شاول' ہی میں ڈپلومہ ہولڈر دو محسودیوں نے میڈیکل سنٹر کھول رکھا تھا اور ان کے پاس لیبارٹری بھی تھی۔ صفوان کو پہلے ان کے ساتھ کام پر لگایا، پھر جب اسے کافی مہارت حاصل ہو گئی تو ڈاکٹر ابو خالد نے اس کے حوالے وہ سامان کیا جو ہمارے ساتھی پیتھالوجسٹ ڈاکٹر منصور رحمۃ اللہ علیہ لائے تھے۔ اس میں مائیکرو لیب، مائیکرو سکوپ، سنٹری فیوج مشین سمیت لیبارٹری کا مکمل سامان تھا۔ صفوان کو اتنی مہارت حاصل ہو گئی کہ شاول کے بازار میں ہی اس کے لیے لیبارٹری لگوا دی جس میں عوام سے عام نرخوں پر جبکہ مجاہدین کے لیے مفت ٹیسٹ کیے جاتے تھے۔

جب 2012ء میں جماعت القاعدہ نے باقاعدہ طبی نظام بنایا تو تعاون کو مزید مضبوط کرنے کے لیے محسود قیادت سے ایسے طبی کارکن مانگے گئے جو اپنے علاقوں میں جا کر مجاہدین اور عوام کی خدمت کر سکیں۔ ان میں اکثر ایسے تھے جنھوں نے ہسپتالوں میں کام کیا تھا یا ڈاکٹروں کے ساتھ کام میں معاونت کر کے تجربہ حاصل کیا تھا۔ ان حضرات کو میں نے اور

ابو خالد بھائی نے لگ بھگ ایک مہینے کے لیے طبی دورہ کروایا اور ان میں نہ صرف یہ صلاحیت پیدا کی گئی کہ وہ مجاہدین کی ابتدائی طبی امداد کر سکیں بلکہ یہ بھی کہ ایک مناسب قابلِ منتقلی جنگی طبی نظام بھی بنا سکیں جہاں ضرورت پڑنے پر زندگی بچانے کے لیے آپریشن بھی ہو سکیں۔

جب شمالی وزیرستان کا آپریشن ضربِ عضب شروع ہوا تو ظالم پاکستانی فوج نے شاول میں اس طبی نظام کو ہدف بنایا جس میں بہت سا قیمتی سامان ضائع ہوا لیکن ساتھی سب بچے رہے۔ مشورہ ہوا کہ ڈاکٹر جنید کا طبی سیٹ اپ سرحد پار صوبہ 'پکتیکا' منتقل کر دیا جائے۔ اس طرح ڈاکٹر جنید اور صفوان بمعہ سامان وہاں منتقل ہو گئے۔ لیکن وہاں ان کے خلاف جاسوسی ہوئی اور انھیں ڈرون میزائل سے اس وقت شہید کیا جب وہ دونوں موٹر سائیکل پر بیٹھے مقامی بازار سے نکلے ہی تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

ڈاکٹر صاحب اور جنید بھائی نے آپس میں یہ طے کر رکھا تھا کہ ہم یہ سب کچھ امام مہدی علیہ السلام کی لشکر کی تیاری کے لیے کر رہے ہیں۔ یا تو اللہ ہمیں چن لے اور یا اس لشکر میں شامل کر دے۔ دونوں ایک عقیدے سے اپنی ذمہ داریاں انجام دیتے تھے۔ رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ۔

عالمی جہادی طبی ٹیم

ڈاکٹر عمر ترکستانی کا ذکر تو اوپر گزر چکا کہ کیسے ڈاکٹر صاحب نے ان کی طبی تربیت کی۔ لیکن ترکستانی مجاہدین نے ڈاکٹر عمر کے ساتھ دو تین اور مجاہدین کو بھی معاونت کے لیے فارغ کیا جن کی تربیت میں بھی ڈاکٹر ابو خالد کا ہاتھ تھا۔ تھوڑے عرصے بعد جماعت القاعدہ سے منسلک ازبک ڈاکٹر عبد الناصر اور ان کے ایک عدد ازبک معاون بھی آ ملے۔ اور ان ازبک ڈاکٹر کے ساتھ تاجک مجاہدین میں سے تین تاجک لڑکوں کی ٹیم بھی تھی۔ ڈاکٹر عبد الناصر نے اپنے ملک میں ایم بی بی ایس کے برابر باقاعدہ طب کی تعلیم حاصل کی تھی اور پھر وہیں ایمرجنسی وارڈ میں کام کرنے کا تجربہ بھی تھا۔ یہاں سرزمینِ جہاد میں آکر انہوں نے بہت سی خدمات انجام دیں لیکن ان کا تجربہ زیادہ سرجری کے بجائے میڈیکل میں رہا تھا، لہٰذا سرجری سیکھنے کے لیے وہ بالآخر ڈاکٹر صاحب کے ہاں آئے۔ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ مل کر انھوں نے کافی بڑے آپریشن بھی کیے۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کو اور ان کی پوری ٹیم کو تربیت دی۔ آگے سے ڈاکٹر عبد الناصر روسی زبان میں اپنے معاون، ازبک اور تاجک ساتھیوں کو باقاعدہ طبی کتابیں پڑھایا کرتے تھے اور حسبِ صلاحیت انھوں نے ان میں سے ایک دو کو اپنی طرف سے مکمل ڈاکٹر بھی قرار دیا تھا۔

ان حضرات کے علاوہ ہمارے اپنے وطن کے ڈاکٹر عبد الشکور جو کہ میڈیکل کالج سے فارغ ہونے والے ہی تھے کہ میدانِ جہاد کی پکار پر لبیک کہا، اور پھر ڈاکٹر سعید اللہ جو کہ ایف سی پی ایس پارٹ ون کر چکے تھے، وہ بھی آ ملے۔ ڈاکٹر ابو خالد نے ان دونوں حضرات کی بھی بھرپور تربیت کی، یہاں تک کہ وہ بغیر نگرانی کے بھی بڑے آپریشن کرنے لگے تھے۔ اگر دیکھا جائے تو ڈاکٹر صاحب نے اَن گِنت افراد کو طبی تعلیم دی ہے اور عملی تجربہ سے آراستہ کیا۔ اللہ ان محنتوں کو ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ واقعی انھوں نے میڈیکل کالج نہیں تو میڈیکل سکول کو عملاً قائم کر رکھا تھا۔

عالمی جہادی طبی ٹیم کا یہ نظام تقریباً دو اڑھائی سال تک باقاعدہ جاری رہا، یہاں تک کہ آپریشن ضربِ عضب کے نتیجے میں وزیرستان کی خوب صورت زمین مجاہدین کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ لیکن وہ حسین یادیں ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ یا اللہ! تمام قبائل اور اہل وزیرستان کو اجر سے محروم نہ کر اور جلد انہیں اپنے علاقوں میں لوٹا دے، جہاں وہ آزادی سے اپنی اسلامی روایات پر عمل کر سکیں اور اپنے اسلاف کی طرح اسلام کا ہراول دستہ بنے رہیں، آمین۔

مصنوعی اعضاء اور ری ہیبلیٹیشن (Rehabilitation)

ڈاکٹر صاحب کو بہت فکر رہتی تھی کہ جن مجاہدین کے اعضاء جہاد میں کٹ جاتے ہیں، انھیں کس طرح دوبارہ فعال کارکن بنایا جائے۔ کم از کم وہ اپنے آپ کو خود سنبھال سکیں۔ پھر جب ایک ساتھی کا مسئلہ سامنے آیا تو خود بخود عملی اقدامات بھی شروع ہو گئے۔ ہوا یوں کہ ایک ڈرون حملے میں عارف احمد نامی زخمی مجاہد ہمارے ہاں آیا جن کی ٹانگ کو گھٹنوں کے اوپر سے کاٹنا پڑا۔ عارف بھائی ٹانگ کاٹنے کے بعد کافی رنجیدہ تھے۔ ان کی خدمت کے لیے ظفر نامی ایک مجاہد ساتھی کو رکھا گیا۔ ظفر کو عارف بھائی کی یہ افسردگی بے چین کرتی تھی۔ اس نے ڈاکٹر صاحب سے مشورہ کیا کہ کیا کریں۔ ڈاکٹر صاحب نے اسے مصنوعی اعضاء کے بارے میں معلومات دیں ظفر کے پاس اگرچہ میٹرک تک کی تعلیم بھی نہ تھی لیکن انتہائی ہنر مند ساتھی تھا۔ سوچیے کہ پاکستان اور دنیا بھر میں تعلیم کو کتنی اہمیت دی جاتی ہے۔ میٹرک کو ہر بچے کے لیے لازمی قرار دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ روزی یا ترقی کا اس تعلیم سے تعلق کوئی لازم وملزوم نہیں ہے۔ پاکستان میں کتنے ہی ظفر کی طرح ہنر مند افراد بغیر تعلیم کے معاشرے میں فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔ اور یہ بھی دیکھیے کہ کیسے مجاہدین بھائی ایک دوسرے کے لیے تڑپتے ہیں جیسے ایک جسم کے اعضاء ہوں۔

ظفر میرانشاہ بازار گیا اور وہاں جا کر ایسے افراد کو دیکھنے لگا جن کی ٹانگ یا ہاتھ مصنوعی ہوں۔ جیسے ہی کوئی ملتا تو اس سے مصنوعی اعضاء معائنہ کرنے کی درخواست کرتا اور معلومات لیتا۔ پھر جوتوں کی ایک دکان سے لکڑی سے بنا ہوا

جوتے کا سانچہ اٹھایا، ہارڈ ویئر کی دکان سے المونیوم کے پائپ اٹھائے جو پردے لٹکانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، اسلحہ کی دکان سے کلاشن کوف کے فولڈنگ بٹ کا جوڑ اٹھایا، موچی سے چمڑہ اور فوم لیا، درزی سے چِپ چیپ اور دھاگے لیے، لوہار سے جستی چادر کے ٹکڑے لیے اور بیٹھ کر ایک ٹانگ بنادی جسے عارف بھائی نے پہنا اور قدم اٹھائے تو ان کی خوشی کی کوئی انتہانہ تھی۔

ڈاکٹر صاحب نے، جو کہ سوچ دینے والے، ابھارنے والے اور پشتی بانی کرنے والے تھے، جب یہ صلاحیت دیکھی تو امراء سے ظفر بھائی کو مستقل اس کام کے لیے طلب کیا۔ ڈاکٹر صاحب کی رائے یہ تھی کہ ظفر بھائی کو کسی بڑے شہر میں مصنوعی اعضاء بنانے والوں کے پاس مزید تربیت اور جدید طریقے سیکھنے کے لیے بھیجا جائے۔ تاہم ظفر بھائی کی چونکہ بعض عسکری کاموں میں ناگزیر ضرورت تھی، جس کے سبب وہ مستقل اس کام کے لیے فارغ نہ ہوسکے۔ پھر ڈاکٹر صاحب کی رائے پر اتنا ہوا کہ ظفر بھائی نے کئی مجاہدین کو ایسے اعضاء بنانے کی تربیت دی۔ نیز اس دوران ظفر بھائی نے ان اعضاء کی ساخت میں بہتری بھی لائی۔ مثلاً پاؤں کے سانچے کو لکڑی کے بجائے لوہے کے اوپر سلیکون چڑھا کر اصل سے قریب تر بنادیا۔ اور عارف بھائی کے علاوہ دیگر مجاہدین کے لیے بھی اعضاء بنائے گئے۔

اگرچہ ہمارے یہاں مصنوعی اعضا بنانے کا باقاعدہ شعبہ قائم نہ ہوسکا، تب بھی اس ایک واقعے میں اہلِ نظر کے لیے کئی سبق پنہاں ہیں؛ میٹرک فیل کی ہنر مندی سے یہ ثابت ہونا کہ تعلیم اور ہنر لازم وملزوم نہیں جیسا کہ مغرب کا دعوی ہے، نیکی کے کام کے لیے احساس پیدا کرنا، چھپی صلاحیتوں کو ابھارنا، منظم کام کرنے پر تربیت دینا، اچھے تجربوں کو دوام دینا، مجاہدین اگر سوچ رکھیں تو بہت کچھ کرسکتے ہیں، وغیرہ۔

ڈاکٹر صاحب نے مصنوعی اعضاء بنانے کی ترکیب اور دورہ کی مکمل ویڈیو بھی بنا رکھی تھی تاکہ آئندہ آنے والوں کے لیے کام آئے۔ ڈاکٹر صاحب کی طرف سے میدانِ جہاد میں رہتے ہوئے تعلیم وتربیت اور ہنر مندی کے شعبے قائم کرنے کی یہ ایک اور مثال تھی۔ کیا امت میں کوئی ہے اس سے استفادہ کرنے والا؟ کئی افراد پہلی ناکامی واقع ہونے سے ہی ہار جاتے ہیں۔ جب انہیں کوئی منصوبہ دیا جائے تو ناامیدی اور مایوسی کے بادل ان کے اوپر چھا جاتے ہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ وسائل کہاں ہیں؟ افراد کہاں ہیں؟ ترجیحات کیا ہیں؟ لیکن کام کرنے والے اہلِ عزم کام کرکے دکھاتے ہیں!

جہاد اور ٹیکنیکل تعلیم

یہ ایک حقیقت ہے کہ نہ تو پوری کی پوری نئی نسل عالمِ دین بن سکتی ہے اور نہ ہی سارے جدید تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ بلکہ اکثریت ایسے افراد کی ہوتی ہے جو کہ مختلف قسم کے ہنر سیکھ کر اپنا روزگار چلاتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ تاریخِ انسانیت اور تاریخِ اسلام اس پر گواہ ہے کہ پرورش پاتے پاتے انسان ایسے ہی تقسیم ہو جاتے ہیں اور الحمد اللہ ہمارے ابو خالد بھائی اس سے بھی غافل نہ رہے۔

ظاہر ہے جہاد پر آنے والے لوگ معاشرے کے مختلف طبقوں سے اٹھ کر آتے ہیں۔ اگرچہ اکثریت کا تعلق علمِ دین سے ہوتا ہے لیکن ایسے حضرات کی تعداد بھی کچھ کم نہیں جو مختلف پیشوں سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان میں ایک بھائی اظہر بھی تھے۔ وہ جیل سے رہا ہو کر آئے تو وہ بھی جنید بھائی کی طرح کچھ کرنے کے لیے بے تاب تھے لیکن کوئی راہ نہیں تھی۔ ان کی بھی ابو خالد بھائی کے ساتھ اتفاقاً ملاقات ہوئی۔ تعارف ہوا اور پتہ چلا کہ وہ موٹر سائیکل کے ماہر میکینک ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے یہاں وہاں سے رقم جمع کر کے ایک پرانی موٹر سائیکل خریدی۔ پھر اپنے بچوں سمیت مجاہدین کے دو تین دیگر بچے جمع کر کے انھیں اظہر کے حوالے کیا۔ اظہر بھائی نے ان کو مفصل دورہ کروایا، پوری موٹر سائیکل کی کھول جوڑ۔ اس کے بعد اظہر بھائی اور ایک اور مجاہد میکینک کے لیے ان کا ارادہ تھا کہ ایک دکان کھول کر دی جائے۔ جہاں وہ اپنا خرچہ بھی نکالیں، مجاہدین کی خدمت بھی کریں اور مجاہدین کو یہ ہنر بھی سکھائیں۔ لیکن فوج کا آپریشن اس منصوبے میں حائل رہا۔

سوچیے! جنید، صفوان، ظفر اور اظہر۔ ڈاکٹر عمر، ڈاکٹر ناصر، عبد الشکور اور سعید اللہ۔ اور یہ تو صرف نمایاں نمایاں ہیں۔ آگے اور آنے کو ہیں۔ اللہ ڈاکٹر ابو خالد کے درجات بلند کرے۔ آمین۔

جہاد، تاریخ و سیاست

بات شروع ہوئی تھی کہ میرے اور ڈاکٹر ابو خالد کے پہلے تعارف کی بنیاد تھی؛ جہاد سے متعلق ان کے علمِ دین، تاریخ اور سیاست پر مبنی سوچ کو تحریر میں لا کر دیگر مجاہدین تک منتقل کیا جائے۔ اور آغاز کے پانچ مہینے تو آپ یہ سمجھ لیں کہ میں نے بذاتِ خود ان کی شاگردی اختیار کی۔ میرے جانے کے بعد شعبۂ تحلیل و تخطیط میں کئی ساتھیوں نے کام کیا۔

ان میں ایک نمایاں نام عکرمہ (اسامہ) بھائی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو 'میر انشاہ' بازار میں ایک رہائشی عمارت پر ہونے والے ڈرون حملے میں شہید ہو گئے۔ اللہ انہیں قبول فرمائے۔ عکرمہ بھائی نے ان کا خوب ساتھ دیا اور وہ بذاتِ خود بھی تاریخ پر اچھی خاصی دسترس رکھتے تھے، خاص کر اندلس اور مغربِ اسلامی کی تاریخ۔ امریکہ میں پلے بڑھے تھے، اس لیے انگریزی انہیں خوب آتی تھی۔ ایک ساتھی کے مطابق عکرمہ بھائی سے ان کی پہلی ملاقات اسلام آباد کی اسلامی یونیورسٹی کے ایک ہاسٹل میں ہوئی جہاں وہ طالب علم ہوتے ہوئے اندلس کے عروج اور زوال اور اس سے سیکھے جانے والے اسباق کے بارے میں ایک لیکچر دے رہے تھے۔ انھوں نے اندلس کی تاریخ کے بارے میں انگریزی میں ایک کتاب 'نا مکمل تاریخ؛ 1492ء کے بعد کا اندلس' کے نام سے بھی لکھی ہے، جو انٹرنیٹ پر دستیاب ہے۔

عکرمہ بھائی کے ساتھ ہمارے ایک ساتھی عمار خان بھائی اور القاعدہ سے منسلک ایک برطانوی نژاد ساتھی نے بھی ان کے ساتھ اس شعبے میں کام کیا۔ اس وقت کی شعبۂ تحلیل و تخطیط کی سرگرمیوں کو میں صحیح معنوں میں کسی بھی اچھی یونیورسٹی میں ہونے والی تخصص (پوسٹ گریجویشن) کے (مذاکرے) سیمینار سے تشبیہ دوں گا۔

ڈاکٹر صاحب کے پیشِ نظر اس شعبہ کے بنیادی مضامین میں سے ایک مضمون یہ تھا کہ پاکستان میں بالخصوص اور بر صغیر میں بالعموم کیسے جہاد کیا جائے؟ ان موضوعات کے بارے میں امراء اور ذمہ داران کو گاہے بگاہے تجزیے فراہم کیے جائیں، نیز علمِ عمرانیات اور سیاسیات کی رو سے حالات کا تجزیہ اور مستقبل کے امکانات اور منصوبے بھی پیش کیے جائیں۔ اس کی خاطر ڈاکٹر صاحب نے بے شمار مقالے اور تجزیے لکھے جن میں سے بہت سے امنیاتی اسباب کی بنا پر اشاعت کے لیے موزوں نہیں ہیں۔ نیز ڈاکٹر صاحب کی اس حوالے سے سرزمینِ جہاد میں موجود علماء، مشائخ اور مختلف جہادی جماعتوں کے ذمہ داران سے طویل ملاقاتیں اور خط و کتابت بھی رہتی تھی۔ کئی ملاقاتیں بلا مبالغہ ہفتے سے کم کی نہ ہوتی تھیں۔

میدانِ جہاد میں جن معروف شخصیتوں کا مجھے علم ہے کہ انھوں نے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ لمبی نشستیں اور طویل مذاکرے کیے، ان میں جماعت القاعدہ کے شیخ مصطفیٰ ابو الیزید رحمۃ اللہ علیہ، شیخ ابو یحییٰ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ، تحریکِ طالبان پاکستان کے امیر بیت اللہ محسود رحمۃ اللہ علیہ، امیر حکیم اللہ محسود رحمۃ اللہ علیہ اور حلقۂ محسود کے معروف بزرگ رہنما اعظم طارق محسود رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں، جماعت القاعدہ برصغیر کی تاسیس سے پہلے اور بعد مولانا عاصم عمر حفظہ اللہ، حاجی ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور قاری عمران رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔ استاد احمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ تو جہاں ان کے امیر و قائد رہے، وہاں وہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ اپنی

طویل صحبت اور شاگردی کو اپنے لیے شرف سمجھتے تھے۔ اسی طرح جنوبی وزیرستان کے مولوی نذیر احمد اور شمالی وزیرستان کے کئی مقامی کمانڈر بھی ڈاکٹر صاحب سے مستفید ہوئے۔ اس کے علاوہ پنجابی طالبان کہلائے جانے والی مختلف تنظیموں کے ذمہ داران بھی ان سے استفادہ کرنے والوں میں شامل ہیں۔ یہ تو صرف چیدہ چیدہ نام ہیں، جو مجھے یاد ہیں۔ ورنہ بڑے چھوٹوں کو ملا کر بے شمار افراد نے ان سے اگر استفادہ نہیں کیا تو کم از کم خیالات کا تبادلہ اور مذاکرہ تو ضرور کیا ہے۔

جہاد، عسکریت وادارت

نیز عسکریت و ادارت میں بھی ڈاکٹر صاحب نے مختلف دورے مرتب کیے تھے۔ عرب مجاہدین کے ایسے دو دوروں میں راقم بھی شریک ہوا۔ ایک دورہ عسکریت کا تھا جہاں مجاہدین کو ٹیکٹیکل اور آپریشنل سطح کی جدید عسکریت کی تعلیم دی گئی، اور جدید افواج کی تشکیلات، اسلحہ اور دیگر معلومات عملی انداز میں پیش کی گئیں۔ یوں سمجھیے جیسا کہ کسی جدید عسکری اکیڈمی میں تعلیم دی جارہی ہو۔

ڈاکٹر صاحب اکثر کہتے تھے کہ مجاہدین کی قیادت کے لیے اسلحہ کی تعلیم کا دورانیہ صرف چند ہفتے ہونا چاہیے، اصل چیز تو اسٹراٹیجک اور آپریشنل سطح کی معلومات اور تربیت ہے۔ مقصد یہ نہیں کہ اسلحہ کے علم کی اہمیت کم کی جائے، یہ تو جہاد کی پہلی سیڑھی ہے۔ لیکن میدان تو تب جیتا جاتا ہے جب دشمن کی حرکت سے پہلے معلوم ہو کہ دشمن کیا کرنے جارہا ہے اور کس جگہ دشمن پر وار کرنے سے میدانِ جنگ کی تصویر الٹ سکتی ہے۔

عسکریت کے علاوہ عرب مجاہدین کو علمِ ادارت کا بھی دورہ کروایا۔ ڈاکٹر صاحب کی خاص بات یہ تھی کہ وہ ان دوروں میں پڑھائے جانے والے علم کو مجاہدین کے واقع حال پر منطبق کرتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ کوئی فلسفی اور تصوراتی باتیں نہیں ہیں بلکہ عین عملی اور مفید مشورے ہیں۔ ان دوروں کے دوران ڈاکٹر صاحب کے اکثر خیالات کی مجاہدین تائید کرتے تھے۔

فدائی ہسپتال

علم و تعلیم اور تربیت و تدریب کے میدانوں کو چھوڑ کر دوبارہ کچھ طب کی میدان کی طرف لوٹتے ہیں۔ 2012ء میں دوبارہ طبی نظام فعال کرنے سے پہلے ہی ڈاکٹر ابو خالد نے اپنے ہاں چھوٹا سا ہسپتال بنا دیا تھا۔ پھر نظام بننے کے بعد مزید

وسائل اور افراد کی دستیابی کے پیش نظر اس ہسپتال کو وسعت دی گئی۔ مجاہدین میں سے پہلے گل زمان بھائی آئے جنہوں نے میڈیکل ہیلتھ میں دو سالہ ڈپلومہ کیا ہوا تھا لیکن جلد ہی خاندانی مسائل کی وجہ سے واپس چلے گئے۔ پھر ان کے بعد عبد الحکیم بھائی آئے جنہوں نے ہومیو پیتھی اور حکمت میں کورس کیے تھے لیکن وہ بھی گھریلو بیماریوں کی وجہ سے چلے گئے۔ پھر ڈاکٹر منیب آئے جو کہ میڈیکل سپیشلسٹ تھے، وہ اپنی فیلڈ کے حوالے سے کام کرتے رہے۔ پھر عبد الشکور اور سعید اللہ بھائی آئے جن کا اوپر تذکرہ گزرا ہے۔ ساتھ ہی ایک ایف ایس سی پاس ساتھی بھی عملے میں شامل ہو گئے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر عمر ترکستانی اپنے دیگر دو طبی معاونین کے ساتھ اور ڈاکٹر عبد الناصر ازبکی چار تاجکی معاونین کے ساتھ بھی شامل ہو گئے۔ جبکہ احمد محسود جو کہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ مستقل کام کرتے تھے، اس پورے عرصے میں طبی شعبے کے بیرونی انتظامات مکمل کرتے تھے۔ اللہ کے کرم سے ڈاکٹر ابو خالد کی سالہا سال کی جد و جہد کے نتیجے میں اور امرائے جہاد کی سرپرستی میں شعبۂ طب 2012ء میں قائم ہو گیا۔ 'شاول' میں ڈاکٹر جنید اور صفوان اور ان کے دیگر محسودی معاونین کی طبی ٹیم الگ سے مستقل کام کرتی رہی۔

پھر جون 2014ء میں مذاکرات کا ڈھونگ رچانے کے بعد فوج نے شمالی وزیرستان میں آپریشن شروع کیا۔ اس کے پیشِ نظر مجاہدین نے دیگر کام چھوڑ کر طب پر توجہ دی اور امراء کی بھی یہی ہدایت تھی۔ اس طرح طب کے شعبہ سے تعلق رکھنے والے تمام افراد اس ہسپتال میں کل وقتی کام کرنے لگے۔ سابقہ افراد کے علاوہ کمانڈر شیخ الیاس کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعے کے ڈاکٹر یونس اور جماعت القاعدہ کے ترکی ڈاکٹر آزاد اور سلمان ازبکی بھی شامل ہو گئے۔ اس طرح ٹیم بھی بڑھ گئی اور راستے مسدود ہونے کی وجہ سے کام کا بوجھ بھی بڑھ گیا۔ ہمارے اندازے کے مطابق 90 فی صد مریض وزیرستان کے نہتے عوام تھے جبکہ صرف 10 فی صد مجاہدین تھے۔ اور وجہ یہ تھی کہ حکومت کے اکثر حملے اندھا دھند ہوتے تھے۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ وہ قصداً عوام کو ہدف بناتے تھے تو بے جا نہ ہو گا۔ کیوں؟ ممکن ہے کہ وہ عوام کو مجاہدین کا ساتھ دینے کی سزا دینا چاہتے ہوں، تاکہ انہیں مجبور کیا جائے کہ وہ مجاہدین کا ساتھ چھوڑ دیں اور آئندہ ایسا کرنے سے باز رہیں۔ لیکن قبائل کے غیور عوام نے آخر دم تک مجاہدین کا ساتھ دیا۔ ہم اللہ کا شکر بجالاتے ہیں جس نے مجاہدین کو ان سخت حالات میں بھی عوام کی خدمت کرنے کی توفیق دی۔ اس ہسپتال میں میرے ہوتے ہوئے کم و بیش 30 سے زائد بڑے آپریشن ہوئے۔ جبکہ روزانہ 50 افراد سے زیادہ کی 'او پی ڈی' ہوتی تھی۔

جنگی حالات کے پیشِ نظر ہسپتال کی جگہ بھی تبدیل کرنی پڑی۔ یہ افغان سرحد سے متصل علاقے لواڑہ میں تھا۔ ڈاکٹر ابو خالد نے نئے ہسپتال کی تعمیر اور مرمت کے دوران کہا تھا کہ 'بس یہ فدائی ہسپتال ہے، تمام ساتھیوں کو بتادو'۔ اور یقیناً یہ ایسا ہی تھا۔ کیونکہ ڈرون انتہائی نچلی پرواز پر تقریباً 24 گھنٹے ہی ہمارے سروں پر منڈلاتے تھے۔ نیز جٹ طیاروں کی بمباری اور ہیلی کاپٹروں کی شیلنگ ہسپتال کے آگے پیچھے علاقے میں ہی ہو رہی تھی۔ احتیاط کے پیشِ نظر ہم نے طبی عملے کی ٹیمیں بنادی تھیں۔ آرام کے لیے ساتھیوں کو ہسپتال کے ارد گرد مکانات میں تقسیم کر دیا تھا۔ فوج کی پیش قدمی یا علاقے سے عوام کے انخلاء کے امکان کے پیشِ نظر افغان سرحد کے مزید قریب ایک اور جگہ لے رکھی تھی۔ سامان بھی کئی حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب بلا ناغہ حتیٰ کہ بمباری کے وقت بھی روزانہ ہسپتال آتے اور خیر خبر لیتے رہتے۔ اس تمام طبی جد وجہد جس میں درجن بھر سے زائد مجاہدین کام کر رہے تھے کا صلہ ڈاکٹر صاحب کو براہ راست جاتا ہے جو کہ اس پورے نظام کے روح رواں تھے۔ انھوں نے ہی یہ نظام سوچا تھا اور انھوں نے ہی اس کو عملی جامہ پہنایا۔ جتنی بھی وہاں خدمت ہوئی اللہ تعالیٰ ان شاء اللہ ڈاکٹر صاحب کو اس کے اجر سے محروم نہ کرے گا۔

اس ہسپتال کا اختتام بھی ظالم فوج کے جیٹ بمبار جہازوں کے حملے سے ہوا۔ ہم عینی گواہ ہیں کہ فوج نے اپنے دعووں کے خلاف مجاہدین کے مراکز کم جبکہ مساجد، گھر اور عوامی مقامات کو زیادہ ہدف بنایا۔ پھر ہسپتال کو مارنا خود مغرب کے جنگی قوانین کے خلاف ہے اور یہ ممکن نہیں کہ ڈرون کی پروازوں سے انھیں یہ نہ علم ہو کہ یہاں زخمی آرہے ہیں اور علاج معالجہ ہوتا ہے۔ اس کے باوجود افواجِ پاکستان اس ہسپتال کو ہدف بنایا۔ لیکن اللہ کا کرنا تھا کہ ہسپتال سے متصل دوسرے مکان پر میزائیل گرے جہاں ایک ترکستانی خاندان رہائش پذیر تھا۔ اس صورتِ حال میں ہسپتال مزید چلانا ممکن نہ رہا۔ اس لیے طبی خدمات کو سرحد پار منتقل کر دیا گیا۔

جس کے ہاتھ میں پودا ہو، وہ اسے بودے

ڈاکٹر صاحب اپنے آخری وقت تک خدمت اور تعلیم و تربیت میں سرگرم رہے۔ ایک طرف تو یہ ہسپتال تھا جسے شمالی وزیرستان کے آپریشن کے لیے تیار کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب وہاں کی نگرانی بھی کرتے اور بڑے آپریشن کی صورت میں موجود ڈاکٹروں کی مدد بھی کرتے۔ اور ساتھ ہی ساتھ انھوں نے مفتی طارق مسعود اور خاطر مولوی صاحب کو اپنی کتاب کا دورہ بھی شروع کر رکھا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ کرومائیٹ کی کان (chromite mines) کے پہاڑی علاقوں میں دھماکوں سے پیدا ہونے والی جھیلوں میں اپنے بچوں کے علاوہ کئی مجاہدین کو باقاعدہ ترتیب سے تیراکی بھی سکھا رہے تھے۔

اور اس سے بھی بڑھ کر گھڑ سواری سکھانے کی بھی ترتیب بنا چکے تھے۔ یہ سب کچھ اور ہمارے اوپر ڈرون طیاروں کی انتہائی نچلی سطح کی پروازیں جاری تھیں اور گاہے بگاہے دشمن جیٹ، ہیلی کاپٹر اور توپ خانے سے اس علاقے کو اندھادھند نشانہ بناتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو خود بھی علم تھا کہ بس یہ آخری مرحلہ ہے لیکن اس کے باوجود وہ آخری وقت تک جتنا فائدہ پہنچا سکتے تھے، پہنچاتے رہے۔ آخری وقت تک اپنے فرائض سے زیادہ کام کرتے رہے۔ بلند ہمت اور مسلسل عمل۔ جیسے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر تم میں سے کسی کے اوپر قیامت بھی اس حال میں آ جائے کہ اس کے ہاتھ میں کھجور کا پوداہو، تب بھی اسے چاہیے کہ اسے بو دے[7]۔

ڈاکٹر صاحب کی شہادت

جب شمالی وزیرستان کے علاقے لواڑہ سے پاکستانی بمباری کے نتیجے میں تمام عوام منتقل ہو گئی تو ڈاکٹر صاحب بھی اپنے اہل خانہ سمیت سرحد پار منتقل ہو گئے اور طبی عملے کو بھی سرحد پار ایک علاقے میں منتقل کر دیا۔ منتقل ہونے کے چند دن بعد ہی ان کے خلاف مخبری ہو گئی اور امریکیوں نے ان کے گھر پر فضائی چھاپہ مارا۔ جدوجہد، تعلیم و تربیت، خدمت اور جہاد کی ایک بھرپور زندگی کے بعد آخرِ کار ڈاکٹر صاحب خود امریکیوں سے براہ راست مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے اپنے دو بیٹوں اور اپنے عزیز مجاہد میجر عادل عبد القدوس خان کے ہمراہ شہید ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمالِ صالحہ کو قبول فرمائے اور ان کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بنائے۔ اللہ تعالی ان کی شہادت کو قبول فرمائے۔ ان کے اہلِ خانہ کو اس سانحہ پر اجر سے محروم نہ کرے اور صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ امت ایک قیمتی فرد سے محروم ہوئی ہے۔ اللہ ان کے خون کی بدولت مجاہدین کو صحیح راستہ اپنا کر فتح سے ہمکنار کرے۔ تاکہ اس گھٹاٹوپ اندھیرے کے بعد روشن صبح طلوع ہو، آمین۔

و آخر دعوانا أن الحمدلله ربّ العالمين۔

[7] مسند الإمام أحمد بن حنبل؛ ج ۵،



من كان مستنًا فليستن بمن قد مات

فرمودات شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ

اقتباس: فرسان تحت راية النبي صلى الله عليه وسلم – شيخ ايمن الظواهری

شہید شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے کم ہی لوگ ناواقف ہوں گے۔ بالخصوص ہم ان لوگوں کی بات کر رہے ہیں جو اسلامی تحریکات سے وابستہ رہے ہیں اور نفاذِ دین کی جدوجہد جن کا مقصود ہے۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کی فکر سے واقفیت کی سطح بلند اور معیاری نہیں ہے۔ بلکہ اب تو ان کی فکر کے متعلق ہی لوگ مغالطوں کا شکار ہیں، یا بعضے دانستہ مغالطے کا شکار رہنا اور کرنا چاہ رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پچھلے دور میں دنیا کی طاقتیں تحریکِ جہاد کے ثمرات کو اپنی اپنی جھولیوں میں ڈالنے کی کوشش میں مصروف تھیں، لیکن جب تحریکِ جہاد کی جڑیں مضبوط ہو گئیں تو یہ کام ممکن نہیں رہا۔ چنانچہ عالمی طاقتیں اور ان کے طاغوتی آلہ کار تحریکِ جہاد کے خلاف دہشت گردی کے نام پر جمع ہو گئے۔ اب ان کے سامنے سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ سابقہ دور میں جن کرداروں نے امت میں مقام حاصل کر لیا اور امت ان کے پیچھے جہاد میں نکلی، ان سے موجودہ تحریکِ جہاد کو کاٹ دیا جائے، اور یہ ثابت کیا جائے کہ اِس دور کا جہاد سابقہ جہاد سے متضاد ہے، وہ اچھا یہ برا، وہ جائز یہ ناجائز۔ اسی مقصد کے تحت شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ ... جنھیں روس کے خلاف جہاد کے دور میں پوری امت نے قائد تسلیم کیا اور ان کی دعوت پر جہاد کی تحریک کھڑی ہوئی... ان کی فکر کو 'زمان ومکان' میں محدود بنا کر پیش کرنے کی جابجا کوششیں شروع ہو گئیں۔ یوں ایک طرف انھیں دانستہ سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی فکر سے متضاد دکھانے کی کوشش کی گئی جس فکر میں مسلم ملکوں کے طاغوتی حکمرانوں کے خلاف جہاد کی بات تھی، اور دوسری طرف شیخ اسامہ شہید رحمۃ اللہ علیہ سے متضاد دکھانے کی کوشش کی گئی جس میں عالمی طاقتوں کے خلاف جہاد کی دعوت تھی۔ اب بھی گاہے گاہے بعض حضرات اس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اور شیخ کی فکر کی گتھیاں سلجھانے کے بجائے مزید الجھا دیتے ہیں۔ ہم یہاں قارئین کے سامنے شیخ عبد اللہ عزام کی باتیں تحریکِ جہاد سے وابستہ ایک قائد، اسی میدان میں نصف صدی گزارنے والے رہبر اور سابقہ جہادی تجارب کے خوشہ چین کی ایک کتاب سے نشر کر رہے ہیں جس کا ترجمہ شہید قائد استاد احمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرمائے اور اسے ان کی درجات کی بلندی کا باعث بنائے۔ آمین۔ واضح رہے کہ شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ نے شیخ عبد اللہ عزام کے اپنے ہی الفاظ نقل کیے ہیں۔ (مدیر)

یہاں میں اس عظیم قائد کی فکر کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ تو نہیں کر سکتا لیکن میری کوشش ہو گی کہ آپ کی دعوت و فکر کے چند نمایاں پہلوؤں کو مختصراً قارئین کے سامنے پیش کروں۔ خصوصاً ایسے پہلوؤں کو جنہیں شیخ کی طرف خود کو منسوب کرنے والے بعض لوگوں نے جان بوجھ کر چھپانے اور مسخ کرنے کی کوشش کی ہے اور یوں ظاہر کرنا چاہا کہ شیخ کے نزدیک عرب مجاہدین محض جہاد افغانستان کے لیے مہمانوں کی سی حیثیت رکھتے تھے جنہیں چاہیے کہ اب روس کے جانے کے بعد اپنے گھروں کو واپس لوٹ جائیں۔ اور اشتراکیت کی شکست کے بعد دوبارہ سے اپنی روزی روٹی کے انتظام میں مصروف ہو جائیں۔ شاید اس قسم کے بے وزن دعوؤں سے وہ اپنی صفائی پیش کرنا چاہتے ہیں اور اپنے جہاد سے پیچھے بیٹھنے کا جواز پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے میں اس پہلو سے آپ کی فکر و دعوت کے بعض روشن گوشوں کو مختصراً سامنے لانے کی کوشش کروں گا۔ کیونکہ بلاشبہ آپ کی سیرت و افکار سے نہ تو اس گہرائی کے ساتھ استفادہ کیا گیا اور نہ کما حقہ اس پر لکھا گیا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ میری اس حقیر سی کوشش کو اس عظیم شخصیت سے وفا کا کچھ حق ادا کرنے کا ذریعہ بنا دے۔

تمام مسلم خطوں کی آزادی تک جہاد فرضِ عین ہے

شیخ رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ اس بات پر زور دیا کرتے تھے کہ جہاد، اندلس کے سقوط کے بعد سے فرض عین ہے اور اس وقت تک فرض عین رہے گا جب تک تمام مسلم سرزمینیں آزاد نہ کروالی جائیں، جہاد محض افغانستان کی آزادی پر ختم نہیں ہو جاتا۔

چنانچہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جہاد محض اس لیے مکروہ قرار نہیں دیا جا سکتا کہ فلاں عالم جہاد نہیں کرتا۔ جہاد اللہ عزوجل نے تمام زمانوں کے لیے فرض کر دیا ہے۔ یعنی فرضِ کفایہ۔ رہا اس کا فرض عین ہونا، تو یہ اس وقت سے فرضِ عین ہوا جب ۱۴۹۲ء میں اندلس کا سقوط ہوا اور تب سے لے کر اب تک فرضِ عین ہے۔ جہاد پوری امتِ مسلمہ پر فرضِ عین ہے۔ پوری امتِ مسلمہ گناہگار ہے؛ کیونکہ اس نے اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود نہ تو اندلس

آزاد کروایا، نہ بخارا کو دوبارہ حاصل کیا، نہ فلسطین پر اسلام کا جھنڈا دوبارہ لہرایا، نہ افغانستان کو آزاد کروا پائی۔ پس یہ جہاد فرض عین رہے گا یہاں تک کہ ہر اسلامی سرزمین واپس مسلمانوں کے قبضے میں لوٹ آئے۔ مسئلہ محض افغانستان یا فلسطین کی آزادی کا نہیں بلکہ ہر اس خطۂ زمین کا ہے جو ایک دن کے لیے بھی اسلام کے جھنڈے کے تابع رہا۔ پس خوب سمجھ لیجیے کہ جہاد آج فرضِ عین نہیں ہوا، نہ ہی محض افغانستان میں فرض عین ہوا۔ بلکہ اُس وقت سے فرض عین ہے جب اسلامی سرزمینوں کا پہلا چپّہ کفار کے ہاتھ میں چلا گیا تھا۔ (یہ محض میری رائے نہیں) بلکہ تمام علماء کے یہاں یہ ایک مسلّم قاعدہ ہے"[1]۔

اسی طرح شیخ رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"میری ناقص رائے میں کوئی بھی نیک عمل ترکِ جہاد کے وبال سے معافی دلانے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ چاہے آپ دعوت و تبلیغ کے کام میں مصروف ہوں یا تالیف و تصنیف کے کام میں مصروف ہوں یا دینی تعلیم و تربیت کے کام میں۔ ان میں سے کوئی عمل بھی جہاد ترک کرنے کا باعث نہیں ہو سکتا۔ میری ناقص رائے میں آج کرہ ارض پر موجود ہر مسلمان کے گلے میں ترکِ جہاد کے وبال کا طوق ہے۔ یعنی قتال فی سبیل اللہ کی عبادت نہ کرنے کا گناہ اور بندوق نہ اٹھانے کا بوجھ اس کی گردن پر ہے، اِلا یہ کہ وہ میدانِ جہاد کا رخ کر لے۔ ہر وہ شخص جو بغیر کسی شرعی عذر کے اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے اس حال میں جا کر ملا کہ اس نے کبھی ہاتھ میں بندوق نہ اٹھائی ہو تو وہ گناہ کا بوجھ اپنی گردن پر لادے اللہ کے حضور پیش ہو گا؛ کیونکہ وہ قتال کی عبادت ترک کیے بیٹھا ہے اور آج قتال دنیا کے ہر مسلمان پر فرض عین ہے"[2]۔

---

[1] في التربية الجهادية والبناء- المجلد الثالث- نصائح جهادية ص: 251.

[2] الشهيد عبد الله عزام بين الميلاد والاستشهاد ص: 18.

امریکہ سے عداوت

شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ امریکہ سے شدید دشمنی رکھتے تھے، چنانچہ آپ نے فرمایا:

”جان لیجئے اللہ کے دشمن بخوبی جانتے ہیں کہ ”لا الہ الا اللہ“ کا معنی کون لوگ اچھی طرح جانتے ہیں اور کون لا الہ الا اللہ سے ناواقف ہیں۔ جو لوگ لا الہ الا اللہ کی حقیقت سے واقف ہیں ان کو اللہ کے دشمن تنگ نظر اور بنیاد پرست جیسے ناموں سے پکارتے ہیں، جب کہ لا الہ الا اللہ کے معنی سے غافل لوگوں کو اللہ کے دشمن معتدل مسلمانوں کا لقب دیتے ہیں۔ یہ بات وہ چوری چھپے نہیں کہتے بلکہ پوری صراحت سے کہتے ہیں کہ ہم انتہا پسند اسلام کو ہرگز قبول نہیں کریں گے، ہمیں معتدل اسلام چاہیے، ہمیں بنیاد پرست اسلام قبول نہیں، ہمیں نرم اسلام چاہیے۔ یعنی ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں وہ نرم ملائم میٹھا میٹھا اسلام چاہیے جو امریکہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا ہو، جسے کہا جائے کہ سامنے اشتراکی ہیں تو وہ فوراً ان سے لڑنے کے لیے لپکے، لیکن جب اسے بتایا جائے کہ سامنے امریکی کھڑے ہیں تو اسے یہ آیت یاد آجائے:

﴿وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى﴾“[3]

(ترجمہ: اور تم بالیقین کفار میں سے اہلِ ایمان کی محبت میں سب سے قریب تر اُن لوگوں کو پاؤ گے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔) (المائدہ۔ ۸۲)

اسی طرح شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا:

”میرے بھائیو! مسلمانوں کا حال دیکھیے۔ جو چیز امریکہ کی خواہشات کے مطابق نہ ہو تو وہ ایسی ہو جاتی ہے گویا اسکے زمین پر رہنے کا کوئی شرعی یا قانونی جواز ہی نہیں۔ اور اگر کوئی چیز امریکی خواہشات اور اس کی پسند کے مطابق ہو جائے تو وہی چیز عین شریعت، قانون اور اصول بن جاتی ہے“[4]۔

---

[3] في التربية الجهادية والبناء- المجلد الثالث ص: 11 و12.

[4] في التربية الجهادية والبناء- المجلد الثالث ص: 160

اسی طرح آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ:

”امریکی نہیں چاہتے کہ اہل سنت والجماعت کے پاکیزہ عقائد کے حامل لوگوں کے ہاتھ میں حکومت آجائے۔ انہیں وہ موڈریٹ معتدل مسلمان چاہئیں جن کا دین بالکل نرم ملائم اور لچک دار ہو اور امریکی خواہشات کے مطابق ڈھالا جاسکے۔ جس میں فتوے بھی وہی دیے جاتے ہوں جو امریکی خواہشات سے مطابقت رکھتے ہوں۔ بلکہ جس میں پہلے سے ایسے فتوے تیار حالت میں رکھے جائیں؛ تاکہ جب بھی امریکہ فتویٰ طلب کرے تو فتویٰ دینے میں زیادہ دیر نہ لگے۔ جب کہا جائے کہ اسرائیل سے صلح کا کیا حکم ہے تو فورا کہا جائے کہ جائز ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾“[5] (ترجمہ: اور اگر وہ لوگ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کی طرف جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو، یقین جانو وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ جانتا ہے)۔

مسلم ممالک کے طاغوتی حکمرانوں کے خلاف جہاد کی حمایت

شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ ان جہادی تحریکات کی بہت تعریف کیا کرتے تھے جو عرب ممالک کے طاغوتی حکمرانوں کے خلاف برسرپیکار تھیں۔ چنانچہ آپ ایک جگہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر مکہ میں کیے جانے والے تشدد اور اس کے مقابلے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”دعوت کو تب ہی فتح ملتی ہے جب وہ جاہلیت کے سامنے ایسا واضح اور دوٹوک موقف اختیار کرے کہ ” اللہ کی قسم اگر میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں تاکہ میں اس دعوت سے باز آجاؤں تو میں اسے نہیں ترک کروں گا یہاں تک کہ یا اللہ اس دعوت کو غالب کر دیں یا میں اسی راستے میں شہید کر دیا

---

[5] في التربية الجهادية والبناء- المجلد الثالث ص: 160

جاؤں"۔ اس قسم کی عملی مثالیں ہی دعوت کو زندہ کرتی ہیں۔ دعوت کو کبھی بھی ایسی شخصیات نہیں زندہ کر پاتیں جو زیرِ زمین رہتی ہوں اور زیرِ زمین بیٹھ کر کتابیں پڑھتی ہوں۔ اس طرز سے دعوت کو کبھی بھی فتح نہیں دلائی جاسکتی۔ فتح انہی تحریکات کو نصیب ہوتی ہے جو اپنا خون پیش کریں، جو اپنے اصولوں کی خاطر اپنی جانیں کھپائیں اور اپنی لاشوں کے ڈھیر لگوائیں۔ گول مول باتیں کرکے اور جاہلیت کو دھوکا دے کر اور اس کے ساتھ تصادم سے فرار کی راہیں اختیار کر کے کبھی بھی حق دعوت کو فتح نہیں دلائی جا سکتی۔ لوگ کبھی بھی اُن فلسفیوں سے متاثر نہیں ہوتے جو اِدھر اُدھر کی ہانکتے رہتے ہیں۔ لوگوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے قربانیاں دینے والے زندہ نمونے درکار ہوتے ہیں۔ استاذ سید قطب رحمۃ اللہ علیہ سے کمرۂ عدالت میں پوچھا گیا کہ مصری نظامِ حکومت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو آپ نے کہا کہ یہ کافرانہ نظام ہے۔ آپ کے بعض شاگردوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے عدالت کے سامنے اتنی صاف صاف بات کیوں کہہ ڈالی حالانکہ آپ کی گردن ان جلادوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا:

" اس کی دو وجوہات تھیں، ایک تو یہ کہ ہم عقائد سے متعلق معاملات میں بات کر رہے تھے جس میں توریہ جائز نہیں، توریہ جائز نہیں، توریہ جائز نہیں۔ یعنی یہ جائز نہیں کہ آپ سے پوچھا جائے کہ آپ کی اس نظامِ حکومت کے بارے میں کیا رائے ہے تو آپ کہیں کہ، الحمد اللہ ماشاء اللہ اچھی رائے ہے۔ اور آپ دل میں یہ رکھیں کہ آپ اپنے بارے میں بات کر رہے ہیں کہ میری اپنے بارے میں اچھی رائے ہے یا فلاں کے بارے میں اچھی رائے ہے۔ یہ توریہ عقائد کے معاملے میں جائز نہیں۔"

...پس سید قطب رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ عقائد کے معاملے میں توریہ جائز نہیں۔ پھر بالخصوص ان لوگوں کے لیے جن پر سب کی نگاہیں ہوں اور سب جن کی پیروی کرتے ہوں ان کے لیے تو کسی عذر کے تحت بھی کلمہ کفر زبان سے نکالنا جائز نہیں اور نہ ہی جاہلیت، اشتراکیت اور قوم پرستی جیسے عقائد کے حق میں کوئی بات کہنا جائز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی عذر کے تحت کسی عام آدمی کے لیے یہ بات کرنا جائز ہو جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِلاَّ مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالإِيمَانِ﴾ (ترجمہ: اور جس کو مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔) لیکن قیادت کے منصب پر فائز لوگوں کے لیے یہ ہر گز جائز نہیں۔

...سید قطب سے یہ بھی کہا گیا کہ اے سید! آپ صدر سے رحم کی اپیل کیوں نہیں کر لیتے؟ تو آپ نے جواب دیا:

"وہ شہادت کی انگلی جو نماز میں اللہ کی وحدانیت کی گواہی دیتی ہے ایسا ایک حرف بھی لکھنے پر تیار نہیں جس سے طاغوت کی حکومت کو تسلیم کیا جائے۔ پھر یہ بھی تو بتاؤ کہ میں رحم کی اپیل کس بات پر کروں؟ اگر مجھے واقعتاً مبنی بر حق سزا دی جا رہی ہے تو مجھے حق پر مبنی ہر فیصلہ قبول ہے۔ اور اگر مجھے باطل اور ظلم پر مبنی سزا دی جا رہی ہے تو میں ابھی اتنا حقیر نہیں ہوا کہ باطل سے رحم کی اپیل کروں"۔

اس قسم کی زندہ مثالوں سے عوام اثر قبول کرتے ہیں۔ آنے والی نسلیں ایسے عالی کردار لوگوں کی اتباع کرتی ہیں اور ایسی عظیم شخصیات کی تقلید کرنے پر نوجوان فخر کرتے ہیں۔ ان کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کے پیچھے کون چلے گا جن کا کچھ سر پیر نہ معلوم ہوتا ہو۔ اور نہ یہ پتہ چلتا ہو کہ وہ کس چیز کی دعوت دے رہے ہیں۔ آخر کیسے ایسے لوگوں کے پیچھے چلا جا سکتا ہے جو ہر روز اپنا رنگ بدلتے ہیں، کبھی ایک حاکم کے ساتھ کبھی دوسرے کے ساتھ، کبھی ایک عہدے دار کے گرد طواف اور کبھی دوسرے کے گرد طواف۔ کیا واقعتاً یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ لوگ ایسے کسی شخص کے پیچھے چلیں گے۔ چاہے وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو اور چاہے اس کے پاس اول اور آخر ہر شے کا علم ہو اور چاہے اسے متن اور حاشیے اور شروحات اور مسانید سب ہی حفظ ہوں۔ جب اس کا کردار ایسا ہو تو اس کے علم کے باوجود اس کے پیچھے کوئی نہیں چلے گا۔

میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ آپ میں سے کس نے کارم اناضولی[6] کا عدالت کے سامنے بیان سنا ہے۔ کیا آپ نے سن رکھا ہے؟ یہ چھوٹا سا بیان آئندہ دس صدیوں یا اس سے بھی زیادہ تک آنے والی نسلوں پر

[6] کارم اناضولی مصری فوج کے عسکری فنون کے شعبے کے طالبعلم تھے۔ ان کو صالح سریہ نامی مجاہد کی قیادت میں فوج میں بغاوت اور مصری صدر انور سادات پر قاتلانہ حملہ کرنے کی منصوبہ بندی کرنے کے الزام میں سزائے موت دی گئی۔

گہرے اثرات چھوڑ گیا۔ اتنے گہرے اثرات جو پوری دس صدیوں کے دوران الازہر سے فارغ ہونے والے علماء کی تصنیفات نہیں چھوڑ سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب میں یہ بیان سنتا ہوں تو آج بھی جھوم اٹھتا ہوں۔ ایک نوجوان عدالت کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور یوں للکار کر اس سے مخاطب ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ **"مسئلہ فوج کی اکیڈمی میں بغاوت کا مسئلہ نہیں۔ مسئلہ صالح سریہ[7] کا نہیں، مسئلہ کارم اناضولی کا نہیں، مسئلہ اسلام کا ہے، جس کو مصر میں ذبح کیا جارہا ہے۔ یہ وہی مسئلہ ہے جس کی خاطر احمد بن حنبل، عزبن عبد السلام، حسن البناء، اور سید قطب رحمۃ اللہ علیہم نے جان دی"**۔ اللہ کی قسم میں نے اس سے زیادہ موثر گفتگو کم ہی سنی ہے۔ ایک نوجوان کی گفتگو۔ ہاں محض ایک نوجوان کی گفتگو۔ کارم اناضولی شہید کر دیے گئے۔ لیکن ان کے الفاظ آج بھی ہمارے کانوں میں گونجتے ہیں۔ میں خود اپنی بات کروں تو اگرچہ میں خود الازہر کے علماء میں شمار ہوتا ہوں لیکن الازہر کے تمام علماء کی باتوں سے زیادہ کارم اناضولی کا یہ بیان مجھ پر اثر کر گیا۔ اسی طرح میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ آپ کس سے زیادہ متاثر ہوئے۔ ساری دنیا میں موجود علماء سے یا خالد اسلامبولی[8] کے کردار سے۔ یقیناً آپ کا جواب یہی ہو گا کہ خالد کے کردار سے۔ اس لیے کہ اسلام ایسے ہی کرداروں سے زندہ ہوتا

---

[7] صالح سریہ ایک پرکشش شخصیت کے حامل خطیب، اور وسیع علم و معرفت رکھنے والے قائد تھے۔ آپ نے جامعہ عین الشمس سے تربیت کے موضوع پر پی ایچ ڈی کر رکھی تھی اور آپ کئی شرعی علوم کے اندر بھی گہرا رسوخ رکھتے تھے۔ آپ نے کارم اناضولی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ساتھیوں کے ساتھ مل کر حکومت کا تختہ الٹنے کا منصوبہ بنایا جس کے تحت فوج کے عسکری فنون کے تربیتی مرکز پر حملہ کر کے وہاں سے اسلحہ اور بکتر بند گاڑیوں پر قبضہ کرنا تھا اور پھر نزدیک موجود کمیونسٹ اتحاد کے دفتر میں انور سادات اور اس کے ساتھیوں کے چلنے والے اجلاس پر حملہ کرنا تھا۔ یہ منصوبہ ناکام ہو گیا اور صالح سریہ اور ان کے ساتھی گرفتار کر لیے گیے اور فوجی عدالت نے انہیں پھانسی کی سزا سنائی۔ قید میں موجود ساتھیوں نے جب انہیں کہا کہ وہ معافی کی درخواست دیں تو انہوں نے جواب دیا:" : انور سادات خود اپنے معاملے کا کتنا مالک ہے کہ وہ میری عمر کے حوالے سے مجھے کچھ فائدہ دے سکتا ہو؟... اس جیل کو دیکھو یہاں دیے جانے والے باسی کھانے کو دیکھو ان خراب غسل خانوں اور بیت الخلاء کو دیکھو جہاں وہ سب کچھ نکل جاتا ہے جو ہم کھاتے ہیں یہ ہے اس دنیا کی حقیقت تو پھر کیوں میں اس دنیا کو تھامے رکھنے اور اس میں مزید زندہ رہنے کی تمنا کروں؟" رحم الله جميع الشهداء

[8] خالد اسلامبولی رحمۃ اللہ علیہ مصری فوج کے ہی ایک افسر تھے۔ انہوں نے مصر کی جہادی تحریک 'الجهاد الاسلامی المصری' میں شمولیت اختیار کی اور اکتوبر ۱۹۸۱ء میں دیگر ساتھیوں کے ساتھ مل کر فوجی پریڈ کے دوران مصر کے صدر انور سادات کو قتل کیا۔ گرفتاری کے بعد عدالت نے اُن سے قتل کی وجہ پوچھی تو فرمایا **"کیونکہ وہ حکومت کا نظام شریعت کے مطابق نہیں چلا رہا تھا، اور کیونکہ اس نے اسرائیل کے ساتھ صلح کی اور کیونکہ اس نے علماء کی توہین کی"**۔ خالد اسلامبولی کو اپریل ۱۹۸۲ء میں سزائے موت دے دی گئی۔

ہے۔ میرے بھائیو، اسلام قربانی کے بغیر فتح نہیں پاتا۔ اسلام کا دوبارہ غلبہ محض فلسفوں، گول مول باتوں، توریے اور لوگوں کو گمراہ کرنے سے ممکن نہیں"[9]۔

غلبہ اسلام کے لیے تلوار اٹھانا ناگزیر ہے

شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حتمی رائے تھی کہ دنیا کے موجودہ نقشے کو قوت کے زور سے بدل ڈالنا لازم ہے۔ یہ امت تب ہی ذلت کی راہوں پر چل نکلی جب اس نے تلوار چھوڑ دی۔ آپ کہا کرتے تھے کہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اس سے پہلے دنیا پر مسلط جاہلی قوانین اور باطل نظاموں کو بزورِ قوت ڈھانا بہر حال لازم ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

" یہ دین پوری انسانیت کے لیے ایک اعلانِ عام بن کر آیا۔ اس نے ابتداء ہی سے اعلان کر دیا کہ انسان، ہر انسان اس کا مخاطب ہے اور زمین، پوری کی پوری زمین اس کا دائرہ کار ہے۔ اسی لیے جہاد اس دین کا ایک لازمی تقاضہ اور اسلام کے ساتھ لازم وملزوم ہے۔ جب بھی ہم اس دین کی تبلیغ کرنا چاہیں گے اور اس کو اس دنیا کے کونے کونے تک پہنچانا چاہیں گے تو تھوڑا بہت جہاد کا کردار لا محالہ آئے گا؛ اس لیے کہ اس دین کی دعوت کے راستے میں ضرور وہ بڑے بڑے ستون رکاوٹ بن کر کھڑے ہوں گے جن کے سہارے جاہلیت کا پورا نظام کھڑا ہے۔ اس دین کی دعوت کے راستے میں سیاسی، معاشرتی، اقتصادی، نسلی، جغرافیائی ہر قسم کی رکاوٹیں کھڑی کی جائیں گی۔ اور یہ ممکن نہیں کہ جس دین کو انسانیت کو بچانے اور اسے نجات دلانے کے لیے بھیجا گیا ہے وہ ان ساری رکاوٹوں کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا رہے اور صرف زبان سے تبلیغ پر اکتفا کرے۔ اور تمام توپ و تفنگ جاہلیت کے لیے چھوڑ دے۔ اسلام حرکت کرے نہ کرے جاہلیت خود اسلام کی دعوت سن کر

[9] في ظلال سورة التوبة ص: 18 إلى 20

لامحالہ حرکت پر مجبور ہو گی تاکہ وہ اپنے نظام کو محفوظ کرے اور اسلام کو اس کی جڑوں سے اکھاڑنے کی سعی کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ (ترجمہ: یہ لوگ اپنی منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھا دینا چاہتے ہیں۔)

خیر جاہلیت حرکت کرے یا نہ کرے اسلام کو آگے بڑھ کر پہل کرنا ضروری ہے۔ یہ تدافع کی اس الٰہی سنت کا تقاضہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ اس آیت مبارکہ میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْلاَ دَفْعُ اللّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الأَرْضُ وَلَكِنَّ اللّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ (ترجمہ: اگر (اس طریقے سے) اللہ ایک گروہ کو دوسرے کے ذریعے سے دفع نہ کرتا رہتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ تو تمام جہانوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔)(البقرۃ۔۲۵۱)

حق و باطل کے درمیان کشمکش کی یہ سنت ہی انسانی معاشرے کی زندگی کی ضامن ہے۔ اگر یہ کشمکش نہ ہو تو معاشرے جامد ہو جائیں اور اس ٹھہرے پانی کی طرح ہو جائیں جس سے جلد ہی تعفن اٹھنے لگتا ہے۔ حق و باطل کی یہ کشمکش نہ ہو تو بحر و بر فساد سے بھر جائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِلاَّ تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ﴾ یعنی اگر اہل ایمان نے ایک دوسرے کا ساتھ نہ دیا اور جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ کی راہ میں ہجرت کا راستہ اختیار نہ کیا تو شرک پوری زمین پر چھا جائے گا۔ حق و باطل کی کشمکش کی یہ تکوینی سنت ہی اسلام کے نقطہ نگاہ سے تاریخ اور تاریخی واقعات کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ اور یہی تاریخ علمِ تاریخ کا بنیادی محور ہے۔ اسلام محض جزیرۃ العرب کا دین بننے نہیں آیا تھا نہ صرف عربوں کا دین بننے آیا تھا۔ جس کا کام بس اتنا تھا کہ وہ جزیرۃ العرب کے ہر کونے میں اپنی حکومت قائم کرکے پھر اس کی سرحدوں کی حفاظت کرے۔ نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو گورے اور کالے سب ہی انسانوں کی طرف

بھیجا گیا تھا۔ جہاد شعائرِ دین، عبادات اور مقدس مقامات کی حفاظت کے لیے ایک ناگزیر ضرورت ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ...﴾

(ترجمہ: اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں اور کلیسا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے، سب مسمار کر دی جاتیں۔ اور اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کریں گے۔)(الحج۔۴۰)

پس زمین میں عبادت اور دینی شعائر کی حفاظت تب ہی ممکن ہے جب اللہ کے دین کو زمین میں قوت اور تمکین حاصل ہو۔ تب ہی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ..﴾

(ترجمہ: یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں۔) (الحج۔۴۱)

افسوس کہ اللہ کے دین کے دشمنوں کو اتنی جرأت ہوئی کہ اتاترک نے آیا صوفیہ کی مسجد کو میوزیم میں تبدیل کر ڈالا، عربی زبان میں اذان پر پابندی لگا دی۔ لوگوں کے سامنے نماز پڑھنے پر پابندی لگا دی، عورت پر بھی یہ پابندی عائد کر دی کہ اگر وہ سکولوں میں پڑھانا چاہتی ہے یا حکومت سے کسی قسم کا تعلق ہے تو اس کے لیے بے پردہ ہو کر آنا لازم ہے۔

اسی طرح عبد الحکیم عامر[10] کو بھی اتنی جرأت ہوئی کہ وہ مصر کی مساجد کے خطباء کے درمیان یہ سرکاری حکم نامہ تقسیم کرے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دشمن فرعون کے خلاف کوئی بات ذکر نہ کریں۔ اور نصیریوں کا کبر یہاں تک پہنچا کہ انہوں نے ہر اس شخص کے لیے سزائے موت مقرر کر دی، جس کے بارے

---

10 عبد الحکیم عامر، مصر میں جمال عبد الناصر کے دور حکومت میں نائب صدر، وزیر دفاع اور مصری فوج کے چیف آف سٹاف کے عہدوں پر فائز رہا ہے۔

میں ثابت ہو کہ اس کا تعلق اخوان المسلمون سے ہے۔ اور ان میں سے بعض بدبخت دین سے بغاوت اور دینی اقدار کا مذاق اڑانے میں یہاں تک پہنچے کہ انہوں نے عریانی کا ایک ایسا اڈا قائم کیا جس کا نام ''اخلاق میں صفر'' رکھا۔ اسی طرح بدبخت مجرم جمال سالم[11] کو یہ ہمت ہوئی کہ وہ قرآن کریم کا مذاق اڑائے اور استاد حسن ہضیبی[12] سے مطالبہ کرے کہ وہ سورۃ فاتحہ کو الٹا پڑھ کر سنائیں۔ اور مصری جیلوں میں تشدد کے پہاڑ توڑنے والے حمزہ بسیونی[13] کو یہ ہمت ہوئی کہ وہ تشدد سے تنگ آکر اللہ اللہ کہنے والوں پر چیخ کر کہے کہ نعوذ باللہ اگر اللہ بھی آجائے تو میں اس کو جیل میں بند کردوں۔ نعوذ بالله من ذلک۔

یقیناً یہ ایک مضحکہ خیز مذاق ہوگا اگر کوئی احمق یہ کہے کہ اسلام کا کام بس یہ ہے کہ اس قسم کے بدبختوں کے سامنے کھڑے ہو کر محض ان کو وعظ و نصیحت کرے اور زبانی پند و نصائح پر اکتفا کرے۔ کیونکہ اسلام کا تلوار سے کوئی لینا دینا نہیں۔ اور اسلام تو کہتا ہے کہ لا إكراه في الدين۔

خوب سمجھ لیجیے اسلام اپنی دعوت زبان سے بھی دیتا ہے اور دعوت کے راستے میں کھڑی ہونے والی رکاوٹوں کو تلوار سے بھی بے دھڑک ہٹاتا ہے۔

یقیناً لا إكراه في الدين، دین میں کوئی جبر نہیں، لیکن اس کے بعد کہ دین کے راستے میں کھڑی تمام رکاوٹوں کو ڈھا دیا جائے۔ ہر وہ رکاوٹ جو اسلام کو لوگوں تک صحیح صورت میں پہنچنے سے روکتی ہے اس کو مٹایا جائے، جو لوگوں کو اس دین میں داخل ہونے سے منع کرتی ہے اس کو ختم کیا جائے۔ جو لوگوں کو غیر اللہ کا غلام بناتی ہے اس کو نیست و نابود کیا جائے۔ حق کسی جغرافیائی حدود میں محدود ہونے کے لیے نہیں آیا۔ نہ ہی حق یہ قبول کرتا ہے کہ جغرافیہ دانوں نے جو محدود سرحدیں متعین کردی ہیں اسلام کو اس میں محدود کر دیا جائے۔ یہ حق تو انسانوں کی عقلِ سلیم کو للکارتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ تم ہی بتاؤ یہ کیا منطق ہوئی کہ ایک چیز فلاں پہاڑی یا

---

[11] جمال سالم، انور سادات کا ساتھی اور جمال عبد الناصر کے ساتھ مصر کے شاہ فاروق کا تختہ الٹنے میں شامل تھا۔ جمال عبد الناصر کے دورِ حکومت میں یہ نائب وزیر اعظم کے عہدے پر فائز تھا۔

[12] اخوان المسلمون کے دوسرے مرشدِ عام

[13] مصری خفیہ ادارے کا افسر

فلاں نہر کے دائیں جانب ہو تو حق ہو لیکن وہی چیز بائیں جانب چلی جائے تو وہی باطل قرار دے دی جائے۔ کیا کوئی سلیم عقل بھی اس کو تسلیم کرتی ہے"[14]۔

اسی طرح شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"پس خوب سمجھ لیجئے کہ یہ دین تلوار کے ساتھ آیا، تلوار کے بل پر مضبوطی سے کھڑا ہوا اور تلوار ہی کے بل پر قائم رہے گا، جب تلوار چھن گئی تو یہ دین بھی مٹ جائے گا، یہ ایک ہیبت والا دین ہے، ایک رعب و دبدبے والا دین، ایک قوت والا دین، ایک عزت والا دین، اس دین کے نزدیک تو کمزوری دکھانا خود ایک جرم ہے، جس پر جہنم کی وعید ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَآئِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُواْ فِيمَ كُنتُمْ قَالُواْ كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الأَرْضِ قَالْوَاْ أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُواْ فِيهَا فَأُوْلَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءتْ مَصِيرًا﴾[15]

(ترجمہ: جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور اسی حالت میں فرشتے ان کی روح قبض کرنے آئے تو بولے: تم کس حالت میں تھے؟ وہ کہنے لگے کہ: ہم تو زمین میں بے بس بنا دیئے گئے تھے۔ فرشتوں نے کہا: کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ لہٰذا ایسے لوگوں کو ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ نہایت برا انجام ہے۔) (النسآء۔۹۷)

جہاد کے ذریعے دنیا میں 'اسلامی ریاست' کا قیام لازم ہے

اسی طرح آپ اس بات کے قائل تھے کہ ایک ایسی عوامی شرکت والی جہادی تحریک کے ذریعے جس کے قائدین اپنی قربانیوں کے بل پر اس تحریک میں اپنا مقام پائیں، ایسی تحریک کے ذریعے زمین کے کسی نہ کسی خطے میں ایک اسلامی

[14] عبر وبصائر للجهاد في العصر الحاضر ص: 6 و7

[15] ذكريات فلسطين ص: 17.

ریاست کا عملی قیام کرنا لازم ہے۔

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”زمین پر ایک زندہ مسلم معاشرہ قائم کرنا مسلمانوں کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا ان کے لیے پانی اور ہوا ضروری ہے۔ ایسے مسلم معاشرے اور مسلم ریاست کا قیام تب ہی ممکن ہو گا جب ایک منظم اسلامی تحریک برپا کی جائے گی جو جہاد کو اپنا شعار بنائے، جہادی منہج کو مضبوطی سے تھامے رکھے اور ہر دم قتال کی عبادت میں مصروف رہے۔ جان لیجیے کہ کوئی بھی اسلامی تحریک، اسلامی معاشرہ ہرگز قائم نہیں کر سکتی جب تک ایک عوامی جہادی تحریک برپا نہ کر لے، جس کا دھڑکتا دل اور جس کا رہنمائی دینے والا دماغ تو یہ اسلامی تحریک خود ہو، لیکن پوری امت اس کے گرد جمع ہو اور اس کی حیثیت اس چھوٹی سی پٹاخی کی ہو جو ایک بڑی بارودی سرنگ کو پھاڑنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ پس اسلامی تحریک بھی یہی کردار ادا کرے کہ وہ امت کی پوشیدہ صلاحیتوں کو ابھارنے اور استعمال میں لانے کا ذریعہ بنے اور امت کے سینوں میں دفن خیر و بھلائی کے خزانوں کو سامنے لے کر آئے۔ اگر آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد کے ادوار میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد کا موازنہ اس وقت موجود باقی مسلمانوں کی تعداد سے کریں تو معلوم ہو گا کہ صحابہ کی تعداد ان کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے بڑی کامیابی سے دیگر مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے کر کسریٰ کا تخت بھی الٹا اور قیصر کی شان و شوکت بھی خاک میں ملائی۔ یہی نہیں وہ قبائل جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مرتد ہو گئے تھے، جب انہوں نے توبہ کا اعلان کیا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی فارس کے خلاف جنگ میں استعمال کیا اور وہی طلیحہ بن خویلد اسدی جو پہلے نبوت کا دعویٰ کر چکا تھا وہ قادسیہ کی جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے نمایاں ترین ابطال میں شمار ہوا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آپ کو فارسی لشکر کی خبریں لانے کی نازک مہم پر بھیجا جس کو آپ نے غیر معمولی شجاعت کے ساتھ سرانجام دیا۔ پس اگر کسی کا یہ خیال ہے کہ امت کو ساتھ لیے بغیر محض دین پسند افسروں کا کوئی چھوٹا سا گروہ ایسا انقلاب لے آئے گا جس سے اسلامی معاشرہ پھر سے قائم ہو جائے تو یہ اس کی خام خیالی ہے اور ایک ایسا خواب ہے جس کا حقیقت میں تبدیل ہونا تقریباً محال ہے۔ اس کا انجام بھی شاید اس سے بڑھ کر کچھ نہ ہو جو جمال عبد

الناصر نے مصر کی اسلامی تحریک کے ساتھ کیا۔ اس کے برعکس اگر ایک عوامی جہادی تحریک برپا ہو تو اس کے سفر کی طوالت، اس کے راہ میں آنے والی مشکلات، اس کو منزل تک پہنچانے کے لیے درکار غیر معمولی قربانیاں یہ سب عوامل اس تحریک کے افراد کو نکھارنے اور انہیں کندن بنانے میں مدد دیتے ہیں۔ پس ان مراحل سے گزرنے والے لوگوں کے قلوب دنیاوی آلائشوں سے پاک ہو جاتے ہیں اور وہ خود کو اس حقیر دنیا کے مال و متاع سے بلند کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ محض چند ٹکوں یا دنیاوی مال و متاع کی خاطر لڑنا جھگڑنا ان کا مشغلہ نہیں رہتا۔ اللہ ایسے قلوب کو باہمی بغض و نفرتوں سے پاک کر دیتے ہیں اور راہ حق کی یہ آزمائشیں ان کی ارواح کو صیقل کر دیتی ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ قافلہ زمین کی پستیوں سے اٹھ کر آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگتا ہے۔ اور خود کو دنیا کے وطنیت کے بدبودار نظریے اور مفادات کی جنگ سے آزاد کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ پھر جہاد کے اس طویل راستے پر چلتے چلتے خود بخود یہ قافلہ اپنی قیادت سامنے لاتا چلا جاتا ہے اور قربانیاں خود ثابت کرتی ہیں کہ کون قیادت کا زیادہ مستحق ہے۔ میدان میں جب شجاعت کے مظاہرے ہوتے ہیں اور اللہ کی راہ میں سب کچھ کھپایا جاتا ہے تو خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ رجالِ کار کون ہیں جو دین کی ذمہ داریوں کا بھاری بوجھ اٹھانے کی سکت رکھتے ہیں۔

...ابو بکر و عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم اگر صحابہ کے معاشرے میں نمایاں ہوئے تو وہ اپنے جلیل القدر اعمال اور اپنی غیر معمولی قربانیوں کے سبب ہی نمایاں ہو پائے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جب امت نے بالاتفاق اپنا خلیفہ چنا تو انہیں اس کے لیے کسی انتخابی مہم کی ضرورت نہ تھی، بلکہ معاملہ اتنا سیدھا سادہ تھا کہ ادھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنتوں کی طرف اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس روانہ ہو گئے اور ادھر صحابہ نے میدان میں نگاہ دوڑائی تو انہیں بالاتفاق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے افضل کوئی نہ نظر آیا۔

جان لیجیے کہ جو امت جہاد کرتی ہے اور اپنے لہو سے جہاد کی بھاری قیمت ادا کرتی ہے اور اس کے بعد اس کے میٹھے ثمرات سمیٹتی ہے تو پھر وہ اپنے خون پسینے سے کمائے ہوئے ثمرات کو آسانی سے ضائع نہیں ہونے دیتی۔ اس کے برعکس جو لوگ کسی فوجی انقلاب کے بعد محض ایک بیان کے ذریعے لوگوں کی گردنوں پر مسلط ہو

جاتے ہیں اور جن کے کرسیِ حکومت تک پہنچنے کے فیصلے بھی غیر ملکی سفارت خانوں کے پردوں کے پیچھے بیٹھ کر کیے جاتے ہیں یقیناً انہیں یہ سارے ثمرات ضائع کرنے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگتی۔

جو کوئی جنگ لڑے بغیر زمین حاصل کرلے

وہ اتنی آسانی سے زمین دوبارہ کسی دشمن کے حوالے بھی کر دیتا ہے

وہ جہادی امت جس کی قیادت بھی جہاد کے طویل مراحل سے گزرنے کے بعد سامنے آتی ہے وہ امت آسانی سے اپنی قیادت کا ساتھ نہیں چھوڑتی اور نہ ہی وہ امت خود اپنا ہی تختہ الٹنے کے منصوبے بناتی ہے اور نہ ہی ان کے دشمنوں کے لیے یہ آسان ہوتا ہے کہ وہ قیادت کے بارے میں انہیں شکوک و شبہات میں ڈالیں۔ ایسے طویل عرصوں تک جاری رہنے والی جہادی تحریکات کا ایک ایک فرد اس بات کا گہرا شعور رکھتا ہے کہ اس نے فتوحات تک پہنچنے کے لیے بہت سی قربانیاں اور بھاری قیمت ادا کی ہے اور ایک اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے اپنا قیمتی اثاثہ کھپایا ہے، اسی لیے ایسی جہادی امت نہایت امانت و دیانت کے ساتھ اس نوزائیدہ مسلم معاشرے کی حفاظت کرتی ہے۔ وہ معاشرہ جس کی پیدائش کے لیے پوری امت نے ولادت کی تکلیف جیسی تکالیف سہیں۔ یاد رکھیے اسلامی معاشرے کو پیدا ہو کر رہنا ہے اور ہر پیدائش سے قبل زچگی کا مرحلہ ہوتا ہے اور ہر زچگی کے مرحلے میں تکلیف ہونا لازم ہے''[16]۔

اسی طرح ایک اور جگہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اگر ہم اس میں سنجیدہ ہیں کہ ہم نے کابل سے جو سفر شروع کیا اسے بیت المقدس تک جاری رکھیں تو پھر اس کا یہی راستہ ہے کہ ایک خالص اسلامی دعوت کھڑی ہو جو اپنے نوجوانوں کی سچی اسلامی تربیت کرے اور وہ نوجوان ہتھیار اٹھائیں جو ہتھیار اٹھا کر اپنے عقیدے کے دفاع کا معرکہ لڑیں۔ اسی راستے کو اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ ان نوجوانوں کو فتح نصیب فرمائیں گے۔ اور اگر ہم نے اس کے سوا کوئی راستہ ڈھونڈا تو گویا ہم ہوا میں ہی بیج بکھیرتے رہیں گے جو کبھی بھی زمین میں جڑیں نہیں پکڑ پائیں گے ہم یونہی ایک ناکامی کے بعد دوسری

---

[16] الذخائر العظام ج: 1 ص: 179 إلى 194- نقلتها عن دعوة المقاومة الإسلامية العالمية ص: 1591 إلى 1592.

ناکامی کی طرف بڑھتے جائیں گے اور ہمارے پاس خوش نما نعروں، باتوں اور تحریروں کے سوا کچھ نہیں بچے گا اور ہم کبھی بھی کسی بامقصد منزل تک نہیں پہنچ پائیں گے"[17]۔

ظالم طاغوتی حکمرانوں کے خلاف کلمہ حق کہنے کی ترغیب

شیخ رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں اور بالخصوص علماء کو اس بات کی دعوت دیا کرتے تھے کہ وہ ظالم طاغوتی حکمرانوں کے سامنے اعلانیہ کلمۂ حق کہیں، چاہے اس امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی عبادت ادا کرنے میں انہیں شہادت کی موت کو گلے لگانا پڑے۔

چنانچہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(إن المؤمن يجاهد بسيفه ولسانه) [18]	بے شک مؤمن اپنی تلوار اور اپنی زبان دونوں سے جہاد کرتا ہے۔

جہاد باللسان میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ علماء جہاد کے واجب ہونے کا فتویٰ دیں، بالخصوص جب یہ فتویٰ سلاطینِ وقت کی خواہشات سے ٹکراتا ہو۔ یقیناً ایسی کیفیت میں یہ فتویٰ دینا نفس پر بہت شاق گزرتا ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں عالم کو اپنی نوکری سے ہاتھ دھونا پڑ سکتا ہے۔ اور عین ممکن ہے کہ اس کو جیل میں ڈال دیا جائے یا اس سے بھی آگے بڑھ کر پھانسی پر چڑھا دیا جائے۔ اس لیے جہاد کے معاملات میں ایسے اہلِ صدق باعمل علماء ہی سے سوال پوچھنا چاہیے جو ہر حالات میں کلمہ حق کہنے کی جرأت کریں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ الفتاویٰ الکبری (4/185) میں فرماتے ہیں:

"والواجب أن يعتبر في أمور الجهاد برأي أهل الدين الصحيح، الذين لهم خبرة	"پس واجب یہ ہے کہ جہاد کے امور میں دین کا درست

[17] ذكريات فلسطين ص: 12 و13

[18] (یہ صحیح حدیث ہے جس کو مسند احمد اور طبرانی نے حضرت کعب بن مالک سے روایت کیا ہے اور صحیح الجامع میں بھی مذکور ہے۔ حدیث نمبر ۱۹۳۰)

بما عليه أهل الدنيا، دون الذين يغلب عليهم النظر في ظاهر الدين فلا يؤخذ برأيهم، ولا برأي أهل الدين الذين لا خبرة لهم في الدنيا"

فہم رکھنے والوں کی رائے پر ہی چلا جائے جنہیں ساتھ ہی ساتھ دنیاوی معاملات اور حالات کا بھی اچھا تجربہ ہو۔ اور جہاد کے امور میں ایسے لوگوں کی رائے نہ لی جائے جو دین کی صرف سطحی معرفت رکھتے ہیں اور نہ ہی جہاد کے امور میں ایسے اہلِ دین کی رائے پر اعتماد کیا جائے جو دنیا کے معاملات میں کوئی تجربہ نہیں رکھتے۔"

گویا جہاد کے معاملات میں جس کا فتویٰ معتبر ہو گا اس میں دو شرائط پائی جانی چاہئیں۔ ایک یہ کہ وہ اخلاص کے ساتھ شرعی حکم کے استنباط کی قدرت رکھتا ہو اور دوسرا یہ کہ وہ میدانِ جنگ اور اس میں برسرِپیکار طرفین کے حالات کو بھی اچھی طرح جانتا ہو"[19]۔

اسی طرح شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اے مسلمانو! جہاد تمہاری زندگی ہے، جہاد تمہاری عزت ہے۔ تمہارا وجود اور بقاء بھی جہاد ہی کے ساتھ منتھی ہے۔ اے داعیو! اس آسمان کے نیچے تم کبھی بھی عزت سے نہیں رہ سکو گے بجز اس کے کہ تم ہتھیار اٹھالو اور طاغوتی حکمرانوں، کافروں اور ظالموں کو مٹانے کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ جان لیجئے کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کا دین جہاد اور قتال کے بغیر، لہو پیش کیے اور لاشوں کا نذرانہ دیے بغیر ہی فتح پا جائے گا وہ لوگ خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں اور اس دین کے مزاج سے قطعی ناواقف ہیں"[20]۔

[19] إتحاف العباد بفضائل الجهاد ص: 48

[20] الشهيد عزام بين الميلاد والاستشهاد ص: 15

مستقبل سے متعلق شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ کی منظر سازی...

ہم اس فصل کا اختتام شہید شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے لکھے جانے والے اُن حروف سے کرتے ہیں جن کو پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے مستقبل کے حالات آپ پر منکشف فرما دیے ہوں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میرے بھائیو! ہم مظلوم ہیں۔ ہم پر ظلم کیا گیا۔ ہمیں عزتوں پر حملہ آور دشمن کے خلاف اپنا دفاع کرنے سے روکا گیا۔ ہمارے اپنے گھروں میں گھس کر ہم پر حملہ کرنے والے دشمن کا مقابلہ کرنے سے ہمیں روکا گیا۔ ہمیں اس چور کے گریبان کی جانب ہاتھ تک بڑھانے سے روک دیا گیا جو ہمارے گھروں میں، ہماری خواب گاہوں تک میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد تو فرشتوں کا حق بنتا ہے کہ وہ ہم سے پوچھیں کہ ﴿فِيمَ كُنتُمۡ﴾ ؟ کہ یہ تم کس حال میں تھے۔ تو ہمارا کیا جواب ہو گا سوائے اسی جواب کے جو قرآن ہم سے پہلے والوں کے بارے میں ذکر کرتا ہے:﴿كُنَّا مُسۡتَضۡعَفِينَ فِي الۡأَرۡضِ﴾ کہ ہم زمین میں کمزور پا کر دبا لیے گئے تھے۔ اور آگے سے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعوذ باللہ وہی جواب ملے گا جو پہلے والوں کو ملا تھا ﴿فَأُوۡلَٰٓئِكَ مَأۡوَاهُمۡ جَهَنَّمُ وَسَآءَتۡ مَصِيرًا﴾ پس ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

یاد رکھیے! اس وقت ہمارا مقصد افغانستان کو آزاد کروانا ہے۔ جی ہاں افغانستان کو آزاد کروانا لازم ہے اس لیے کہ یہ ہمارے دین کا تقاضا اور ہمارے کندھوں پر عائد شرعی فریضہ ہے۔ اسی طرح بیت المقدس کو آزاد کروانے کی جدوجہد کرنا بھی ہمارا شرعی فریضہ ہے یہاں تک کہ مسجد اقصیٰ دوبارہ توحید کے سائے تلے اور لا الہ الا اللہ کے پرچم تلے واپس آجائے۔ جی ہاں یہ اللہ کے اس حکم کا تقاضہ ہے کہ

﴿قَاتِلُواْ الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلِيَجِدُواْ فِيكُمْ غِلْظَةً﴾ (ترجمہ: اے ایمان والو! ان کافروں سے لڑو جو تم سے قریب ہیں، اور ہونا یہ چاہیے کہ وہ تمہارے اندر سختی محسوس کریں۔)(التوبہ۔۱۲۳)

لیکن جس طرح میں نے پہلے عرض کیا کہ ہمارے ہاتھوں کو باندھ دیا گیا ہے اور ہاتھوں کو باندھنے کے بعد ہماری گردنوں میں بھی رسی ڈال کر ہاتھوں کو گردنوں سے جوڑ دیا گیا ہے۔ ہمارے پیروں میں بھی بیڑیاں ڈال دی گئی ہیں۔ ہمارا سانس سانس تک گنا جاتا ہے۔ ایک ایک دھڑکن تک کو شمار کیا جاتا ہے۔ ہر سمت سے ہمیں گھیر کر محاصرہ کر لیا گیا ہے۔ اب اس کے بعد ہمارے پاس اور کیا راستہ بچتا ہے۔ یقیناً ایسے میں ہمارے لیے اپنے ملکوں میں اور اپنے ملکوں سے آگے بڑھتے ہوئے فلسطین میں جہاد کرنا بہت دشوار ہو گیا ہے۔ اسی لیے ہمیں کوئی ایسی سرزمین تلاش کرنی چاہیے جہاں ہم جہاد کر سکیں اور اللہ کے سامنے خود کو رسوائی سے بچانے کا کچھ انتظام کر سکیں۔ اور اپنے خطوں پر مسلط گندگی کو صاف کرنے کے لیے اس نئی جہادی زمین میں بیٹھ کر تیاری کر سکیں۔ پس سمجھ لیجیے جن لوگوں کا خیال ہے کہ افغانستان میں جہاد کرنا فلسطین کے خالص اسلامی مسئلے کو پس پشت ڈالنے کے مترادف ہے وہ خام خیالی اور غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ قیادت کیسے تیار کی جاتی ہے اور تحریکات کو کیسے کھڑا کیا جاتا ہے، کیسے وہ بنیادی نسل تیار کی جاتی ہے جس کے اردگرد آئندہ مراحل میں ایک وسیع و عریض اسلامی فوج جمع ہو سکے جو اس پوری زمین کو اس عظیم فساد سے پاک کرنے کا فریضہ سرانجام دے۔ آج بعض لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ تم نے فلسطین چھوڑ دیا اور افغانستان میں مصروف ہو گئے۔ ہاں ہم افغانستان میں مصروف ہوئے، اس لیے کہ افغانستان کی مسلمان مجاہد عوام کی نصرت کرنا ہم پر فرض تھا اور افغانستان کی سرزمین کو حملہ آور کافروں سے پاک کرنا بھی ہم پر فرض تھا۔

... افغانستان ہمارے لیے فلسطین ہے اور فلسطین ہمارے لیے افغانستان۔ یہ دونوں ہمارے ہی غم ہیں اور ایک غم دوسرے غم کی یاد دلاتا ہے۔ لیکن ہم فلسطین کے جہاد کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور ہونے کے انتظار میں جہاد ترک نہیں کر سکتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جہاد کی چنگاری ہر دم ہمارے سینوں میں سلگتی رہے اور اس دین کی نصرت، کمزوروں کی مدد اور مسلم خطوں کو آزاد کروانے کا جذبہ کبھی ہمارے دلوں میں ٹھنڈا نہ ہونے پائے

اور کبھی ہماری رگوں میں اس کی گردش کی رفتار کم نہ ہونے پائے۔ پس اس چنگاری کو زندہ رکھنے کے لیے لازم ہے کہ ہم ہر وقت جہاد میں مصروف رہیں۔ جہاد زندگی بھر کا فریضہ ہے۔ یہ جہاد اِن ساری سرزمینوں میں کیا جانا ہے۔ افغانستان میں بھی، فلسطین میں بھی، فلپائن میں بھی اور ہر اس سرزمین میں جہاں عصرِ حاضر کے قیصر و کسریٰ، اِس دور کے ظالموں نے سرکشی مچا رکھی ہے۔

... ہو سکتا ہے کہ یہ بات سن کر کوئی یہ کہے کہ اگر آپ کھل کر اپنا یہ سارا نظریہ اور ارادہ بیان کریں گے تو پوری دنیا آپ کے خلاف جمع ہو جائے گی اور سب اپنے تیروں کا رخ آپ کی طرف پھیر دیں گے تو ہم ان سے کہتے ہیں کہ ہمیں اس بات کا بخوبی علم ہے کہ یہود، امریکہ اور عالم اسلامی کے مختلف خطوں میں بیٹھے ان کے آلہ کاروں کے ہاتھوں یہی سب ملے گا۔ ہمیں ان سے تکلیف کے سوا کچھ نہیں حاصل ہو گا۔ وہ تو بدستور ہمارا سرزمینِ جہاد میں داخل ہونا حتیٰ کہ پاکستان تک پہنچنا بھی مشکل بنا رہے ہیں۔

... گزشتہ دو سالوں میں یہود کو اس بات کا احساس ہوا ہے کہ عالمِ اسلامی کے بہت سے نوجوان ایسے ہیں جن کو اس مبارک جہاد نے خوابِ غفلت سے جگا دیا ہے اور ان کے اندر اس دین کے لیے غیرت کا جذبہ اور مردانگی و شجاعت پیدا کر دی ہے۔ اور ان میں یہ ولولہ بھر دیا ہے کہ وہ پامال ہوتی عصمتوں اور بہتے لہو اور لٹتے اموال اور سلب ہوتی جانوں کے دفاع کے لیے میدانوں کا رخ کریں۔ پس جیسے ہی یہود کو اس کا احساس ہوا تو دنیا بھر میں ہمارے اوپر سختیاں اور دباؤ بڑھنا شروع ہو گیا۔

... ہم مسلمان ہیں، ان شاء اللہ ہم مجاہدین ہیں، ہم نے اپنے آپ کو موت کے لیے تیار کر لیا ہے، چاہے وہ موت کہیں بھی آئے۔ چاہے مجھے پاکستان میں قتل کر دیا جائے، چاہے افغانستان میں، چاہے مسجد اقصیٰ کی مبارک سرزمین پر۔ بہر حال میں اپنی جان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے وقف کر چکا ہوں اور میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس ضعیف جسم، کمزور اعصاب اور اس عاجز سے بندے کو مضبوطی بخشیں اور اپنے راستے پر جمائے رکھیں۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں شہادت کے علاوہ کوئی موت نہ دے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جب تک ہم اس راہ پر چل رہے ہیں ہمیں جہاں بھی قتل کیا جائے اور جس طرح بھی ہماری موت واقع ہو ان شاء اللہ ہم شہید ہیں۔ جب تک ہمارے سینوں کے اندر جہاد کو جاری رکھنے کا عزم باقی ہے اور قتال کے راستے پر ڈٹے

رہنے کا جذبہ تازہ ہے، تو اس راہ پر آنے والی موت ان شاء اللہ شہادت ہی ہے۔ اور جیسا کہ میں نے پہلے آپ سے کہا تھا کہ مجھے اعتراف ہے کہ میں ایک کمزور بندہ ہوں۔ اللہ نہ کرے میں بھی کل اس راستے سے پھسل سکتا ہوں۔ لیکن جان لیں کہ یہی حق راستہ ہے۔ اور میں اللہ سے اپنے لیے بھی استقامت مانگتا ہوں۔ پس اگر اس راستے پر ہماری موت آگئی۔۔۔ چاہے امریکی گولی سے آئے، چاہے کسی خائن کی گولی سے آئے، چاہے کسی ظالم کی گولی سے آئے یا کسی اشتراکی کی گولی سے آئے، تو ہمیں اللہ سے یہی امید ہے کہ اللہ کے ہاں ہمارا شمار شہداء میں ہو گا۔ جب تک ہماری نیت خالص اور سینوں میں جہاد کا عزم موجود ہے تو انشاء اللہ اگر جان گئی بھی تو اللہ کی راہ میں جائے گی اور ہم یہی سمجھیں گے کہ ہم نے اپنی قوم تک بات پہنچادی اور حجت قائم کر دی"[21]۔[22][23]

---

[21] في الجهاد فقه واجتهاد ص: 241 إلى 244.

[22] فرسان تحت راية النبي ﷺ باب: العودة للميدان فصل: عبد الله عزام- جرح القدس في ذرى الهندوكوش

[23] ترجمہ: استاد احمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ

شهادتِ حق

شیخ عمر عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کے عدالتی بیان سے اقتباس

مجھ سے میرا دین بھی یہی تقاضہ کرتا ہے اور میرا ضمیر بھی مجھے اسی پر ابھارتا ہے کہ میں ظلم اور جبر کے خلاف کھڑا ہوں اور شبہات اور گمراہیوں کو دلائل کے ذریعے رد کروں اور ہر قسم کے ٹیڑھ اور انحراف پر سے پردہ اٹھاؤں اور ظالموں کو پوری انسانیت کے سامنے رسوا کروں۔ چاہے اس کی خاطر مجھے اپنی جان اور جو کچھ میری ملکیت میں ہے سب کچھ سے ہاتھ دھونا پڑے۔ مجھے نہ تو جیل کا خوف ہے نہ پھانسی کا، نہ مجھے معاف کیے جانے اور سزا سے بچ جانے پر کوئی خوشی ہوگی اور نہ ہی پھانسی کی سزا دیے جانے پر کوئی غم۔ کیونکہ اس رستے میں موت دراصل اللہ کے راستے میں شہادت پانا ہے اور اگر یہ میرے نصیب میں آگئی تو میں دل کی گہرائی سے یہی کہوں گا کہ رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا۔ اور اسی طرح میں یہ بھی کہوں گا:

ولست أبالي حين أقتل مسلماً   على أي جنب كان في الله مصرعي

میں جب اسلام کی حالت میں قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے کچھ پرواہ نہیں
کہ جس وقت میں اللہ کی راہ میں کٹ کر گروں تو کس پہلو پر گروں

بلاشبہ میں ایک مسلمان ہوں، میں اپنے دین کے لئے جیتا ہوں اور اسی کے رستے میں مرنا پسند کرتا ہوں، میرے لئے ایسے حال میں چپ رہنا ممکن نہیں جب ہر جگہ اسلام کے خلاف جنگ جاری ہو۔

حوالہ: فرسان تحت رایۃ النبی ﷺ از شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ